بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاشی دہشت گردی

زید حامد

نام کتاب	:	**معاشی دہشت گردی**
مصنف	:	**زید حامد**
ناشر	:	براس ٹیکس، راولپنڈی
تقلیبِ حروف	:	براس ٹیکس ٹیم
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	وقار احمد صدیقی
تاریخ اشاعت	:	اکتوبر 2009ء

رابطہ

پوسٹ بکس نمبر	:	255، جی پی او، راولپنڈی، پاکستان
فون نمبر	:	+92-51-5598046
فیکس نمبر	:	+92-51-5781355
ای میل	:	info@brasstacks.biz
ویب سائٹ	:	www.brasstacks.pk

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب معروف تجزیہ نگار اور دفاعی مبصر جناب زید حامد کے معاشی دہشت گردی سے متعلق ان پروگراموں پر مبنی ہے جو ٹی وی ون پر نشر کیے گئے۔ مجوزہ پروگراموں کو تقلیب حروف یعنی ٹرانسکر ائیب (ریکارڈنگ کو حروف میں ڈھالنے کا عمل) کر کے کتاب کی شکل دی گئی ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ کتابی صورت میں ڈھالتے ہوئے جملوں اور مواد کو اردو زبان اور گرائمر سے ہم آہنگ کرنے کی غرض سے معمولی تدوین عمل میں لائی گئی۔ بہر کیف پروگراموں کے مفہوم اور ہیت کو حد درجہ برقرار رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس حوالے سے قارئین کے تعمیری مشورے اور تجاویز ہمارے لیے رہنمائی کا باعث ہوں گے۔

فرزانہ شاہ

سینئر تجزیہ نگار

معاشی دہشت گردی

جدید معاشی نظام کی تاریخ

ایک منظّم سازش کے تحت ذرائع ابلاغ اور معیشت سے متعلقہ سکولوں میں کفر کے اس معاشی نظام کوزیر بحث نہیں لایا جاتا جسکی وجہ سے جنگیں بر پا ہورہی ہیں۔اس نظام کے ذریعے اقوام کوغلام بنایا جاتا ہے۔اس میں ورلڈ بینک،آئی ایم ایف اوراقوام متحدہ کاایک خاص کردار ہے۔صیہونی بینکارفیڈرل ریزرو ،بینک آف انگلینڈاورسوئز بینکنگ کے ذریعے تمام دنیامیں کفر کےاس نظام کے قیام کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ یہودی جس مسیحا کا انتظار کررہے ہیں،مسلمان اسے ''دجال'' کہتے ہیں۔حضورؐسمیت ہر نبیؑ نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے۔ یہ نظام جو قائم ہورہا ہے اسکا مقصداکھنڈاسرائیل کا قیام اوراسکے بعد پوری دنیامیں کفر کانظام قائم کر کےلوگوں پرغلبہ پانا ہےتاکہ انہیں غلام بنایاجاسکے۔دجال وفرعون کا یہ نظام ان کے لیے مذہبی اہمیت کا حامل بھی ہے۔

دنیامیں انسان ہزاروں سال سے مختلف تہذیبیں اورحکومتیں بناتے چلے آئے ہیں۔منگولیامیں چنگیز خان کی حکومت سے لیکر سلطنتِ روم،سلطنت فارس، خلافت عثمانیہ حتیٰ کہ سپین میں بھی مسلمانوں نے حکومت کی ہے۔

ہزاروں سال سےقوموں کےآپس میں روابط ہیں۔موجودہ تہذیبوں کے مقابلے میں ماضی میں انتہا پسندوں نے بڑی بڑی تہذیبیں بنائی تھیں۔ان تمام تہذیبوں کے معاشی نظام کاانحصارسونےاورچاندی پر تھا۔سونے کےسکوں کی ایک اہمیت ہے کیونکہ سونے کی قدروقیمت برقراررہتی ہے۔لہذاپوری دنیامیں سوناستعمال ہوتا تھا۔انسانوں نے ہمیشہ سونےکوتجارتی مقاصد کیلئے استعمال کیا ہے کیونکہ یہ معاشی نظام کی

ایک بنیاد ہے۔ جبکہ دوسری طرف کفار کی یہ کوشش ہے کہ دنیا دوبارہ سونے اور چاندی والے نظام کی طرف رخ نہ کرے۔ مبادا سونے اور چاندی کے سکے دوبارہ نہ آجائیں۔ یہ بظاہر چھوٹی سی بات نظر آتی ہے لیکن کفر کا پورا نظام اس اسلامی نظام کے خلاف ہے۔

قدیم نظامِ معیشت میں مال کے بدلے مال والا نظام بھی موجود تھا یعنی گندم کے بدلے میں چاندی ،ریشم یا کھانے کی دوسری اشیاء کا تبادلہ بھی ہوا کرتا تھا۔ بہرکیف لین دین، سونے اور چاندی کے سکوں میں ہی ہوا کرتا تھا کیونکہ کرنسی کسی بھی معاشی نظام کی بنیاد ہوتی ہے۔ اسی واسطے قرآن اور سنت میں بھی کرنسی کا ذکر آیا ہے۔ قرآن واحادیث میں بھی درہم اور دینار کا ذکر ہوا ہے یعنی سونے اور چاندی کے سکے اسلامی معاشی نظام کا لازم حصہ ہیں۔ ساری معاشی تاریخ سونے اور چاندی پر قائم ہے چاہے سلطنتِ روم یا کسی اور سلطنت کی ہی مثال لے لیں، ہر جگہ سونے اور چاندی کے سکے ہی رائج تھے۔ جسکے بہت سارے فوائد تھے۔ کرنسی کی قیمت ہمیشہ اسکے اندر ہونی چاہیے۔ اسی طرح سونے اور چاندی کی بھی اپنی ایک قدر و قیمت ہے جو کہ پوری دنیا میں قابل قبول ہے۔

سونے کے سکے

پہلے پہل جب انسان سونے اور چاندی کے سکوں میں لین دین کیا کرتے تھے تو وہ آزاد ہوتے تھے۔ مثلاً اگر ایک آدمی چین سے سونے کے سکوں کے ساتھ چلتا تھا تو وہ یورپ جا کر بھی تجارت کرتا تو وہ آزاد تھا کیونکہ اسکی یہ کرنسی ہر جگہ قابل قبول تھی۔ ایسا ممکن نہ تھا کہ یورپ میں بیٹھا کوئی ایک شخص یا بینکر پوری چینی قوم کو غلام بنا سکے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ پاکستان میں بیٹھا ہوا کوئی شخص اگر تجارت کرے تو نیو یارک میں بیٹھا ہوا یہودی اس میں سے اپنا حصہ نکال لے۔ یعنی لین دین اصل دولت میں ہوتا تھا اور انسان آزاد تھے۔ ایک انسان سونا لیکر زمین میں دبا دے اور اگر سو سال بعد اسے نکالے تو بھی اس کی قدر میں کمی نہیں ہوگی کیونکہ سونے کی قدر و قیمت برقرار رہتی ہے۔ سونے اور چاندی کی اس خوبی کی وجہ سے وہ معاشی نظام پائیدار تھا۔ اگر کوئی بادشاہ منڈی میں دولت لانا چاہتا تھا تو اسے سونا کہیں سے ڈھونڈ کر لانا پڑتا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ بے دریغ دولت یکدم مارکیٹ میں ڈال دی جاتی۔ اگر دشمن ملک آپ کی کرنسی بنانا چاہتا تھا تو اسے بھی سونے

کے سکے ہی بنانے پڑتے تھے۔اس کیلئے ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی بھی ردی کاغذ چھپوالیتا اور کرنسی کاپی کر لیتا۔ چنانچہ دنیا کا سب سے پائیدار معاشی نظام ایک ایسا نظام ہی ہوسکتا ہے کہ جس میں کرنسی کی قدر میں کمی نہ ہو یعنی ایک ایسا نظام کہ جس میں کرنسی کی اصل قدر اسکے اندر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تجارت کو حلال جبکہ رباء کو حرام قرار دیا ہے یعنی اسلام میں سودی نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔ایک انسان کو اگر آپ سو اشرفیاں قرض دیتے ہیں اور جواباً مقررہ مدت میں آپ اس سے ایک سو سے زائد اشرفیاں وصول کرتے ہیں تو اسے ہم سود کہتے ہیں جبکہ عربی میں اسے ''رباء'' کہا جاتا ہے۔ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے یعنی سود اور سونے و چاندی پر رباء کا نظام پہلے بھی قائم تھا۔اس وقت بھی سود خور یہودی سود لیا کرتے تھے۔قرآن کریم نے خاص طور پر جہاں یہودیوں کے بارے میں بتایا ہے وہاں انکے معاشی نظام سے بھی خبردار کیا ہے۔ان کے سودی نظام سے بچنے کے لیے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ یہودی معاشی لین دین کیسے کرتے ہیں۔ یہودیوں کے نزدیک تجارت بھی سود ہی کی ایک شکل ہے۔جبکہ اللہ اور اسکے رسولؐ نے سود اور سود کھانے والوں کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ہمیں اس بارے میں غور کرنا چاہیے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ نے رباء کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے؟۔سورۃ توبہ میں مشرکین کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان کیا گیا ہے اس کے علاوہ سود کا کاروبار کرنے والوں کے خلاف بھی اعلان جنگ کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سود و رباء کا کام کرنے والے ایسے ہیں کہ جنہیں شیطان نے چھو کر باؤلا کیا ہوا ہے۔اس لیے موجودہ معاشی نظام دجال کا نظام ہے جو کہ اکھنڈ اسرائیل کے قیام کیلئے لازم وملزوم ہے۔اسکے نتیجے میں یہودی اسرائیل میں بیٹھ کر پوری دنیا کے معاشی نظام کو قابو میں رکھ سکتے ہیں اور قوموں کا معاشی گھیراؤ جاری رکھا جاسکتا ہے۔سوال یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے سود، رباء اور کرنسی کا نظریہ کیا تھا اور اسکو کس طرح سے پچھلے ڈیڑھ سو برس میں بدلا گیا؟

سب سے پہلے کرنسی کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ بنیادی چیز کرنسی ہے۔جب آپ کسی مال کا لین دین کرتے ہیں تو جو چیز آپ بدلے میں دیتے ہیں اسکی اپنی ٹھوس قیمت ہونی چاہیے۔مثال کے طور پر ایک معاشرے میں لوگ سونے اور چاندی کے سکے استعمال کرتے ہیں۔اس معاشرے میں ایک شخص نے اپنی دکان کھولی جسکا نام اس نے ''بینک'' رکھا۔اس نے لوگوں سے کہا کہ تم سونے اور چاندی کے سکے لیکر

پھرتے ہو جس کے باعث تمہیں دقت ہوتی ہے۔ کئی دفعہ لوگ لوٹ لیتے ہیں۔ لہذا ایسا کرو کہ تم اپنا سونا لاکر میرے پاس جمع کروادو اور میں تمہیں اتنے ہی سونے کی رسید جاری کر دیتا ہوں۔ یعنی اگر تم سو اشرفیاں دو تو میں تمہیں سو اشرفیوں کی رسید دے دیتا ہوں اور ضرورت پڑنے پر تم لوگ آپس میں رسیدوں پر تجارت کرلو، چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔ جب لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ ایک بینک قائم ہو چکا ہے تو انہوں نے اشرفیاں بینک میں جمع کروا کر رسیدیں لے لیں۔ اگر سو اشرفیاں بینک میں رکھی گئی ہیں اور سو ہی رسیدیں مارکیٹ میں چل رہی ہیں پھر تو بات ٹھیک ہے۔ جس آدمی کو ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنی رسید لیکر بینک آتا ہے اور اپنی اشرفیاں لے لیتا ہے۔ یہاں تک تو بڑی آسانی ہے۔ بعد میں جب بینک نے دیکھا کہ لوگ خوش ہیں اور رسیدوں پر کام چلا رہے ہیں اور سونا لینے کیلئے کوئی آ ہی نہیں رہا تو چونکہ اسکے پاس رسیدیں جاری کرنے کا اختیار تو تھا لہذا اس نے سو کی بجائے ہزار اشرفیوں کی رسیدیں جاری کرنا شروع کر دیں۔ یہ نو سو اشرفیوں کی جاری کردہ رسیدیں جعلی تھیں۔ یہاں سے بینک کے نظام کی ابتداء ہوئی۔ لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ ان رسیدوں کے پیچھے تو سونا موجود ہی نہیں ہے۔ جب بینک کے مالک نے مزید یہ دیکھا کہ مارکیٹ میں رسیدیں ہی چل رہی ہیں تو اس نے لوگوں کا سونا لیا اور غائب کر دیا یعنی اب جو رسیدیں مارکیٹ میں گھوم رہی تھیں، وہ جعلی رسیدیں تھیں کیونکہ انکے پیچھے موجود سونا غائب ہو چکا تھا اور لوگ ان رسیدوں کو اس لیے استعمال کر رہے تھے کہ انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ سود خور بینکر وہ سونا لیکر غائب ہو چکا ہے۔ جس دن لوگوں کو اس حقیقت کا پتہ چلا تو وہ بینک کی طرف بھاگے لیکن وہاں اشرفیاں موجود ہی نہیں تھیں لہذا بینک دیوالیہ ہو گیا۔

پندرھویں، سولہویں اور سترویں صدی میں پورے یورپ میں یہودی سود خور کثرت سے اسی طریقے پر عملدر آمد کرتے رہے۔ یورپ میں جگہ جگہ یہودی سود خور اپنی دکانیں لگاتے تھے اور لوگوں سے سونا اکٹھا کرتے تھے۔ نو آبادیاتی دور میں بینک سسٹم کا آغاز ہوا اور پھر ہر تھوڑے عرصے کے بعد بینک دیوالیہ ہونے لگے۔ یوں لوگوں کی دولت بینک کرپشن کی نظر ہو جاتی تھی۔ امریکی ڈالر اور فیڈرل ریزرو کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس وقت سب سے بڑی کرنسی امریکی ڈالر ہے لہذا امریکی سسٹم کو سمجھنے سے دنیا کے معاشی نظام کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

اٹھارویں صدی کی 70 اور 80ء کی دہائیوں میں بہت سے پرائیویٹ امریکی بینک ایسے تھے جو لوگوں کا سونا اپنے پاس رکھتے تھے اور اس کے بدلے لوگوں کو رسیدیں جاری کیا کرتے تھے۔ موجودہ دور کی کاغذی کرنسی سونے کی وہی رسیدیں ہیں۔ گویا اس بینک نوٹ کی ابتداء وہاں سے ہوئی۔

19 اکتوبر 1492ء میں جب امریکہ دریافت ہوا تو اس وقت وہاں سونے اور چاندی کے سکے استعمال ہوا کرتے تھے۔ برطانوی سلطنت میں بھی سونے ہی کے سکے استعمال ہوتے تھے یعنی موجودہ برطانوی پاؤنڈ کی جگہ سونے کا سکہ استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں ''بینک آف انگلینڈ'' نے بھی امریکی بینکوں کی تقلید کی اور سونے کے سکوں کے ساتھ ساتھ ایک کرنسی نوٹ ''پاؤنڈ'' بھی متعارف کروایا۔ بینک ان دونوں کرنسیوں کو تسلیم کرتا تھا۔ یہ ایک ''Gold Backed'' کرنسی تھی یعنی اس کرنسی کے پیچھے سونا موجود تھا۔ انیسویں صدی تک امریکہ میں سونے کے سکوں کا نظام رائج رہا۔ بینکوں نے جب یہ دیکھا کہ انکے پاس

بینک آف انگلینڈ

صرف سو روپے کا سونا موجود ہے اور اسکے برعکس ہزار روپے کی رسیدیں جاری کردی گئی ہیں۔ اگر اچانک لوگوں کی ایک بڑی تعداد بیک وقت سونا لینے پہنچ جاتی تو نتیجتاً بینک دیوالیہ ہوجاتا یعنی بیک وقت اگر نوسو لوگ اپنا سونا لینے بینک پہنچ جاتے تو وہاں سو لوگوں کا سونا موجود ہوتا تھا۔ اس کے لیے انگریزی میں ایک اصطلاح ہے "Run on the Banks"۔ حال ہی میں انگلینڈ کا "Northern Rock" نامی ایک بینک دیوالیہ ہوا ہے۔ اسکے ساتھ بھی بالکل ایسا ہی ہوا ہے کہ جب لوگ اپنے پیسے نکلوانے گئے تو بینک میں پیسے موجود ہی نہیں تھے۔ نتیجتاً بینک دیوالیہ ہوگیا۔ ان بینکوں نے اپنے پاس موجود سونے سے زائد رسیدیں جاری کی ہوئی ہیں۔ یہ بینک زیادہ سے زیادہ قرض دینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ سود حاصل ہوسکے۔ انسان کا خون چوسنا انکی فطرت ہے۔ لہذا وہ چاہتے ہیں کہ یہ نظام جاری رہے حالانکہ یہ نظام غیر متوازن ہے۔ امریکہ میں ہر بیس تیس سال کے بعد کئی بینک دیوالیہ ہو رہے تھے۔ نتیجتاً پندرہ یا سولہ پرائیویٹ بینکوں نے ملکر 1913ء میں امریکہ میں ایک بڑا بینک قائم کیا جسکا نام ''فیڈرل ریزور'' رکھا گیا۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ امریکی فیڈرل ریزرو ایک پرائیویٹ بینک ہے یعنی یہ امریکی حکومت کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ اگر پاکستان میں حبیب بینک، نیشنل بینک، الائیڈ بینک اور دوسرے بینک ملکر ''سٹیٹ بینک آف پاکستان'' کوخرید لیں اور حکومت پاکستان کا سٹیٹ بینک پر کوئی اختیار نہ رہے اور نہ ہی حکومت پاکستان، پاکستانی کرنسی نوٹ جاری کر سکے۔ایسے نظام معیشت کے تصور سے ہی دہشت طاری ہونے لگتی ہے جو صرف چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔

جب 1913ء میں فیڈرل ریزرو بینک قائم کیا گیا تو اس وقت بھی صیہونیوں کا اس بینکاری کے نظام میں خاص اثر ورسوخ تھا۔انہوں نے امریکی کانگرس سے صرف پانچ منٹ میں بل پاس کروا کر امریکی کرنسی جاری کرنے کا اختیار ''فیڈرل ریزرو'' کو دے دیا تاکہ آئندہ صرف فیڈرل ریزرو ہی امریکی کرنسی چھاپ سکے ۔دس پرائیویٹ بینکوں نے ملکر فیڈرل ریزرو کے حصے خریدے جنہیں ہم انگریزی میں "Shares" کہتے ہیں یعنی دس پندرہ یہودی امریکہ کی کرنسی چھاپنے اور جاری کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔امریکی حکومت اپنا نوٹ خودنہیں چھاپ سکتی۔جب بھی امریکی حکومت کرنسی جاری کرنا چاہتی ہے تو وہ فیڈرل ریزرو سے قرض لیتی ہے۔یہ عجیب وغریب اور خوفناک تصور ہے۔حکومت اسکی ہوتی ہے جسکا سکہ چلتا ہے اور امریکہ میں امریکی حکومت کے بجائے فیڈرل ریزرو کا سکہ چلتا ہے جو محض ایک پرائیویٹ بینک ہے۔فیڈرل ریزرو کو دس بارہ یہودی بینکر ملکر چلاتے ہیں۔اس میں مختلف بینکوں کا حصہ بھی ہے جنہیں چھ فیصد کے حساب سے منافع ادا کیا جاتا ہے۔

فیڈرل ریزرو بینک

کائنات کا سب سے بڑا معاشی فراڈ 1913ء میں سامنے آیا جب فیڈرل ریزرو قائم کیا گیا۔چھوٹے بینکوں کا سارا سرمایہ فیڈرل ریزرو کے پاس جمع ہوتا ہے۔ جب بھی بینک دیوالیہ ہونے کے قریب ہوتا تو فیڈرل ریزرو قوم کو تسلی دیتا تھا کہ وہ ان بینکوں کے پیچھے کھڑا ہے اور اگر کوئی بینک دیوالیہ ہوا تو اسکے پیسے فیڈرل ریزرو کے پاس محفوظ ہیں۔اس سودی نظام کو

قائم رکھنے کے لیے امریکی قوم کو یہ تسلی دینا ضروری تھی۔لیکن پھر بھی ایک ایک کر کے یہ بینک دیوالیہ ہوجاتے تھے چنانچہ کچھ عرصے بعد فیڈرل ریزروایک انشورنس کمپنی کے طور پر سامنے آیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جو اتنے طاقتور ہیں کہ انہوں نے امریکی حکومت سے یہ حق چھین لیا کہ وہ اپنی کرنسی جاری نہیں کرسکتی۔اب امریکی حکومت کو جب بھی پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ پرائیویٹ یہودی بینکوں سے قرض لیتی ہے۔ یہ لوگ صرف یہودی نہیں بلکہ انکے ساتھ قدامت پسند ''نیو کانز'' صیہونی بھی شامل ہیں۔یہ لوگ خود یہودی نہیں لیکن یہودیوں کے ایجنٹ ہیں جنہوں نے اس پورے بینکنگ سسٹم کو قائم رکھا ہوا ہے۔

لغت میں فری میسنز کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ یہ چند لوگوں پر مشتمل خفیہ معاشرہ ہے۔لیکن لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ امریکی بینکنگ کے شعبے پر ان فری میسنز کا کتنا اثر ورسوخ ہے۔صیہونیوں سے پہلے ایک گروہ تھا جس نے اس نظام کی راہ ہموار کرنے کیلئے کئی سو سال تک کام کیا ہے۔اسکی بنیاد صلیبی جنگوں سے شروع ہوتی ہے یعنی صلیبی جنگوں میں'' Hospitaller اور Templar Knights ''فری میسنز ہی تھے۔ یہ صیہونی تھے اور بظاہر عیسائی بنے ہوئے تھے۔ جب انکے اصل حقائق سامنے آئے تو چرچ نے انہیں مار مار کر ختم کر دیا۔انکی ایک اور خفیہ سوسائٹی بھی تھی جسے "Richar Zopay" کہا جاتا ہے۔

امریکی ڈالر کی پشت پر ایک مہر ثبت ہے جسے "Seal of the US" کہا جاتا ہے۔اسے دیکھ کر فوراً ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ تمام ممالک اپنی کرنسی پر اپنی ملکی تصاویر ہی چھاپتے ہیں مگر امریکی ڈالر دنیا کی وہ واحد کرنسی ہے جس پر اہرام مصر بنا ہوا ہے۔اس اہرام مصر کے اوپر ایک عجیب وغریب آنکھ بنی ہوئی ہے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ اہرام مصر کا امریکی ڈالر سے کیا واسطہ ہے؟

فری میسنری اور صیہونیت ایک ایسا مذہبی عقیدہ ہے جسکی بنیاد یہودیت پر ہے۔انکے آئیڈیل حضرت موسیٰؑ نہیں بلکہ انکا آئیڈیل فرعون ہے۔اسی لیے امریکی ڈالر پر فرعون کے اہرام اور دجال کی آنکھ بنی ہوئی ہے۔ یہ محض کہانیاں نہیں ہیں۔آپ خود امریکی ڈالر اٹھا کر اس پر غور کر سکتے ہیں۔امریکی خفیہ سوسائٹی پوری

دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔اسکی مہر امریکی ڈالرنوٹ پر کیا کررہی ہے؟ اگر پاکستان کے کرنسی نوٹ پر کسی خاندان کی مہر ہوتو آپکو یقیناً پریشان ہونا چاہیے۔کیونکہ یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔ پورا امریکی معاشی نظام سود، رباء، بینکنگ سسٹم اورامریکی ڈالر پر منحصر ہے جس کو بنانے والے،قائم رکھنے والے اور چلانے والے فری میسنز ہیں۔ یہ گروہ بڑے بڑے امریکی سربراہوں پر مشتمل ہے۔امریکہ میں جارج واشنگٹن سے لیکر اب تک آنے والے تمام لیڈر فری میسنز تھے سوائے ابراہم لنکن کے۔جب اس نے انکا نظام ختم کرنے کی کوشش کی تو اس کو قتل کروا دیا گیا۔

1933ء میں یہ اعلان کیا گیا کہ اب امریکی قوم سونے اور چاندی کے سکے استعمال نہیں کرسکتی لہذا اب صرف ڈالر ہی استعمال کیا جائے گا اور خلاف ورزی کی صورت میں دس ہزار ڈالر جرمانہ اور کئی سال قید کی سزا ہوگی۔لہذا پوری امریکی قوم اپنے سونے کے سکے فیڈرل ریزرو میں جمع کروائے اور اسکے بدلے میں اسے امریکی کرنسی نوٹ جاری کیا جائے گا۔عین اس وقت بینک آف انگلینڈ نے بھی ایسا ہی کیا کیونکہ صیہونیوں نے پوری دنیا میں اپنا نظام قائم کرنا تھا۔1933 میں فی اونس سونے کی قیمت بیس ڈالر تھی۔سونے کا ایک سکہ بیس امریکی ڈالر کا ہوتا تھا تو فیڈرل ریزرو نے اسی حساب سے لوگوں سے سونا خریدنا شروع کردیا۔امریکی قوم نے اپنا سونا انکے پاس جمع کروا دیا اور بدلے میں بیس ڈالر فی اونس کے حساب سے ڈالر حاصل کرلیے۔تھوڑے ہی عرصے بعد امریکی حکومت نے دوبارہ اعلان کیا کہ اب امریکی سونے کے سکے استعمال کرسکتے ہیں اور اب ہم آپکو وہی سونے کا سکہ پینتیس ڈالر کا بیچیں گے یعنی ایک سال کے اندر امریکی کرنسی کی قدر میں اکتالیس فیصد کمی کردی گئی۔وہی لوگ جب بیس ڈالر لے کر بینک آئے تو بینک نے انکو بیس ڈالر کا سکہ دینے کی بجائے آدھا سکہ دیا اور اس طرح لوگوں کا آدھا سونا وہیں غائب ہوگیا۔اس تجربہ کے ذریعے دیکھا گیا کہ قوم بے وقوف بنے گی یا نہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ امریکی عوام بیوقوف بنی۔یعنی ایک طرف کہا گیا کہ فی اونس سونا بیس ڈالر کا ہے اور چند دن بعد کہا کہ اب پینتیس ڈالر کا فی اونس ہے۔آخر یہ سب کس قائدے وقانون کے تحت کیا گیا۔امریکی حکومت کی جانب سے سختی بھی تھی لہذا نہ کسی نے پوچھا نہ کسی نے چیلنج کیا اور لوگ چپ رہے۔ایک سال بعد امریکی ڈالر کو پینتیس ڈالر فی اونس کے حساب سے تحفظ دے دیا گیا۔ یہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے کا وقت تھا۔دوسری جنگ عظیم

کا اس سارے کھیل میں بہت بڑا کردار رہا ہے۔

اب انہوں نے دنیا بھر کے سونے کو قبضے میں لینا تھا۔اس کیلئے جنگیں بہت سود مند تھیں۔ جنگ عظیم دوم میں انہی لوگوں نے صلیبی جنگیں برپا کرنے کیلئے ہٹلر کی مالی مدد کی ۔ دنیا میں صرف دو ہی ایسی جگہیں تھیں کہ جہاں سونا ذخیرہ تھا۔سوئٹزرلینڈ اور امریکہ۔ پورے یورپ میں آگ لگی ہوئی تھی لیکن سوئٹزرلینڈ پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔سوئٹزرلینڈ کے بینکرز چپ چاپ سونا اکٹھا کر رہے تھے حالانکہ جس ملک کے پاس دولت ہو اس پر سب سے پہلے حملہ ہونا چاہیے۔لیکن کسی نے بھی وہاں حملہ نہیں کیا کیونکہ لوگ سوئٹزرلینڈ میں پیسہ رکھوا رہے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کو طول دیکر غریب ممالک کو قرض لینے پر مجبور کر دیا گیا اور اس قرض کی وصولی حقیقی دولت یعنی سونے میں کی گئی۔

جنگ عظیم دوم کے بعد یہودیوں نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کے قتل عام کی کہانی گھڑی جسکا دنیا میں بڑے پیمانے پر پراپیگنڈہ کیا گیا۔ اسکے نتیجے میں لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کی گئیں اور اسرائیلی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کی گئی۔ دوسری جنگ عظیم میں پورا یورپ تباہ ہو گیا۔ بعدازاں اس کی تعمیر نو کیلئے فیڈرل ریزرو نے پیسہ دیا۔ فیڈرل ریزرو یورپ کے ملکوں کو جتنا قرض دیتا تھا اتنا ہی اسے سود حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ دنیا کے مالدار ممالک کا سونا قرض کی ادائیگی میں امریکہ پہنچنا شروع ہو گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک دنیا کے اسی فیصد سونے کے ذخائر امریکی فیڈرل ریزرو میں پہنچ چکے تھے یعنی وہ اپنے خوفناک منصوبے کو پورے یورپ تک پھیلا چکے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے عالمی ایجنڈے کی تکمیل کیلئے ایک معاہدہ کیا جسے ہم ''معاہدہ برٹن ووڈ'' کہتے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت اقوام متحدہ، ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کا قیام عمل میں آیا۔ خاص طور پر آئی ایم ایف کا مقصد ایک ایسا قانون بنانا تھا کہ جسکے تحت دنیا کا کوئی ملک سونے کو بطور کرنسی استعمال نہ کر سکے اور نہ کوئی ایسی کرنسی استعمال کرے جسکی پشت پر سونا موجود ہو۔ یورپ کی کرنسی تو پہلے ہی جنگ کی وجہ سے ختم ہو چکی تھی لہذا برٹن ووڈ معاہدے میں فیصلہ کیا گیا کہ اس نظام کو مزید وسعت دی جائے اور ساتھ ساتھ لوگوں کا اعتبار بھی قائم رکھا جائے۔ بالکل ویسے ہی جیسے سامری نے پوری قوم کا سونا گھسیٹ کر ایک پتلا بنا دیا تھا تاکہ لوگ اس کی پوجا کریں۔ انہوں نے بھی یہی کیا کہ لوگوں کو ایک نئے معاشی نظام کا بت بنا کر دے دیا تاکہ لوگ اسکی پوجا کریں۔

بنیادی طور پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک وہ ادارے ہیں جنکے ذریعے سودی نظام یعنی رباء کو پوری دنیا میں پھیلایا گیا ہے۔ بعد میں انہوں نے قرضے دینے شروع کیے۔ برٹن ووڈ معاہدے میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ تمام ممالک کی کرنسی کے پیچھے ڈالر ہوگا۔ اور ڈالر کے ساتھ ایک ایکسچینج ریٹ لگا دیا۔ مثال کے طور پر دو ڈالر کا ایک پاؤنڈ ہوگا یا پھر پچاس روپے کا ایک ڈالر ہوگا یعنی دنیا میں صرف ڈالر کے پیچھے حقیقی دولت ہے اور باقی کرنسیوں کے پیچھے ڈالر ہے۔ جنگ عظیم دوم کے اختتام پر پورے یورپ کو قرض کی ضرورت تھی۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب آپ اپنے ملک میں زیادہ کرنسی چھاپ دیں تو اس سے کرنسی کی قدر میں کمی واقع ہوتی ہے اور مہنگائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ انہوں نے ڈھیروں ڈالرز چھاپنے شروع کیے۔ چونکہ انکے اپنے ملک میں ڈالر استعمال نہیں ہو رہے تھے۔ نتیجتاً امریکی معیشت پر اسکا اثر نہیں پڑا مگر دوسری طرف انہوں نے پوری دنیا کو مقروض کرنا شروع کر دیا۔ برٹن ووڈ معاہدے کی رو سے پوری دنیا ڈالروں کی طلبگار تھی چنانچہ یہ لوگ وہاں جاتے اور ڈالر میں قرض دیتے اور اس طرح تمام ممالک نے اپنے پاس ڈالر جمع کرنے شروع کر دیئے۔

انہوں نے نہایت چالاکی سے عالمی تجارت کے لیے صرف ڈالر کا انتخاب کیا۔ نیو یارک اور لندن میں دو بڑے آئل ایکسچینج بنائے گئے جہاں ڈالروں میں کاروبار ہوتا تھا۔ یعنی ڈالر کو آپ سونے سے بھی بہتر کہہ سکتے تھے کیونکہ سونے کو سنبھالنا پڑتا تھا جبکہ ڈالر اگر آپ بینکوں میں رکھتے تھے تو آپ کو اس پر سود ملتا تھا۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد پوری دنیا میں یہ نظام تیزی سے پھیلنا شروع ہو گیا اور یورپ اپنے قرض پر لگنے والا سود چکانے لگا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یورپ امریکی حکومت کے ذریعے فیڈرل ریزرو کو قرض کی ادائیگی کر رہا تھا یعنی اگر فیڈرل ریزرو امریکی حکومت کو چھ فیصد کے حساب سے قرض دیتا تھا تو امریکی حکومت بیس فیصد شرح سود پر آگے قرض دیتی تھی۔ یہ سب سودی نظام تھا جسکا تمام تر فائدہ فیڈرل ریزرو کے یہودی بینکرز کو ہوتا تھا۔

☆☆☆☆☆

دنیا کو لاحق معاشی مشکلات کی وجوہات

آج دنیا کے تمام انسان تکلیف میں مبتلا ہیں۔قحط، ایندھن کی رسد میں کمی، گلوبل وارمنگ، سمندری آلودگی اور اوزون میں ہونے والا سوراخ، یہ سب بڑے بڑے خطرات ہیں۔ان خطرات کی وجہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے جس کی بنیاد رباء پر قائم ہے۔اس نظام کو چلانے والے چند صیہونی یہودی ہیں۔ خوفناک بات یہ ہے کہ وہ پوری دنیا کو تباہی کے دہانے پر لے آئے ہیں۔کوئی وجہ تو ہے کہ اللہ اور اسکے رسولؐ نے ان لوگوں اور رباء کے نظام کے خلاف اعلان جنگ کیا ہوا ہے۔آیئے اس کو تاریخ اور قرآن کے پس منظر میں دیکھتے ہیں۔اس مقصد کے لیے قرآن وانجیل میں موجود سیدنا حضرت یوسفؑ اور سیدنا حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے بیان کیے گئے واقعات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔انکے حوالے دینا اس لیے ضروری ہے کہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا اور یہودیوں نے عیسائی دنیا پر کیسے غلبہ پایا۔

بنیادی طور پر صیہونیوں کے ہیڈ کوارٹرز عیسائی دنیا میں ہیں۔ماضی میں ہمیشہ عیسائیوں اور یہودیوں کی لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اور عیسائی دنیا ہمیشہ یہودیوں کو دھتکارتی رہی ہے۔تاریخی اعتبار سے یہودیوں کو عیسائیوں نے اپنے وطن سے دھکے دے کر نکالا۔عیسائی ہمیشہ ان سے نفرت کرتے آئے ہیں۔پھر آج یہ کیونکر اپنا کھیل کامیابی سے کھیل رہے ہیں؟۔ان سب باتوں کو تاریخی پس منظر میں دیکھتے ہیں۔ان کا تناظر تاریخی، فلسفیانہ اور قرآن کے مطابق ہوگا۔

قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کے واقعے کا براہ راست تعلق آج کے جدید معاشی نظام سے ہے۔ اللہ نے انبیاء کے ذریعے جو مثالیں دی ہیں، وہ قصے کہانیاں نہیں ہیں۔ان میں بہت گہری حکمت پوشیدہ ہے۔اس لیے اگر ہم ان سے سبق نہیں سیکھیں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔پھر وہی ہوگا جو آج ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔حضرت یوسفؑ کا قصہ یہ ہے کہ جب وہ جیل سے باہر آئے تو مصر کے بادشاہ نے ان سے یہ کہا ہے کہ میں آپ کو کوئی عہدہ دینا چاہتا ہوں۔آپ آیئے اور میری حکومت میں شامل ہو جایئے۔

حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا کہ تم مجھے خزائن الارض دے دو یعنی زمین کے خزانے میرے حوالے کر دو۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے وزارت خزانہ مانگی۔ انہوں نے اس وزارت کے حصول کے لیے بادشاہ کو جو دلائل دیئے وہ یہ تھے کہ میں ''حفیظ'' بھی ہوں اور ''علیم'' بھی ہوں۔ یہ دو بنیادی خصوصیات اس شخص میں لازمی ہونی چاہئیں جو اپنی قوم کا مالیاتی نظام چلاتا ہو۔ اول اس شخص کا علیم ہونا بہت ضروری ہے۔ یعنی اسے یہ پتہ ہونا چاہیے کہ معاشی نظام کیسے چلانا ہے اور پیسے کی رسد کی نگرانی کیسے کرنی ہے۔ دوم اس کا ''حفیظ'' ہونا ضروری ہے یعنی وہ خزانے کی حفاظت کرے اور خیانت نہ کرے۔ اگر کسی شخص کو اتنی طاقت دے دی جائے کہ وہ ملکی مالیات اور معاشی نظام کو چلائے، پیسے کی رسد کی نگرانی کرے تو وہ پوری قوم کی تقدیر بدل سکتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کو اس سے پہلے ایک روحانی آگہی مل چکی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے بادشاہ کو اسکے خواب کی تعبیر بتائی تھی کہ سات سال گندم اور غلے کی فراوانی ہوگی اور اسکے بعد سات سال کا قحط آئے گا۔ یہ ایک بحران کی کیفیت برپا ہونے کی جانب اشارہ تھا۔ اسکے بعد اللہ نے ان کو موقع دیا کہ مصر کا مالیات کی انتظام ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ آپؑ نے مالیات کا انتظام سنبھالا تو خزانے کے ساتھ ساتھ زراعت کی پالیسی بھی بنائی اور پیسے کی رسد کی نگرانی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں سات سال غلے کی فراوانی رہی۔ رسد کو مناسب طریقے سے استعمال کرنے کی وجہ سے مصر میں خوشحالی ہوئی۔ یوں جب قحط کے سات سال آئے تو مصر پورے خطے کو غلہ تقسیم کر رہا تھا یعنی خوراک کی فراہمی اطمینان بخش تھی۔ آس پاس کے علاقوں کے لوگ مصر سے غلہ لینے آتے تھے۔ وہاں یہی مشہور تھا کہ مصر میں ایک نیک سربراہ ہے جو لوگوں کو غلہ دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی کنعان سے چل کر غلہ لینے آئے۔ حضرت یوسفؑ اللہ کے نبی اور روحانی وجود تھے۔ ان کو جو روحانی ذہانت اور آگہی ملی انہوں نے اس معلومات کو حفاظت، علم اور اللہ کے دیئے ہوئے نور کے ساتھ استعمال کیا تو نہ صرف ملک میں بلکہ خطے میں امن و عافیت، دولت کی مساوی تقسیم اور انصاف قائم ہوا۔ ہمارے دین میں دولت کے انتظام کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن پاک نے یہودیوں کی چند خباثتیں بتائی ہیں۔ انکی پہلی خباثت یہ ہے کہ انبیاء کو ناجائز قتل کرتے ہیں۔ دوم، سونے اور چاندی کے ذخائر جمع کرتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے۔ سوم، اللہ کی کتاب کو خود لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے

حالانکہ اللہ نے ایسا کوئی حکم جاری نہیں کیا ہوتا۔ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔قرآن انکے بارے میں کہتا ہے کہ یہ رباء کا کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تجارت کے مقابلے کی چیز ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور رباء کو حرام قرار دیا ہے۔قرآن ان یہودیوں کے بارے میں ایک اہم نکتہ بتاتا ہے، جو ایک خوفناک تصور ہے لیکن مسلمان اس پر توجہ نہیں دیتے۔قرآن کہتا ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض ایسے لوگ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس دولت یا رقم رکھوائیں تو یہ واپس کر دیں گے اور بعض ایسے ہیں جو آپ کی دی ہوئی رقم واپس نہیں کرینگے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ غیر یہودی کا مال ہڑپ کرنا حلال ہے۔

صیہونی نظریے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ صرف یہودی اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ باقی ہر انسان کی جان، مال، عزت وآبرو حلال ہے۔ یہودیوں کو حق ہے کہ ان کو قتل کریں، دھوکہ دیں اور ان کو ان کی زمین سے بے دخل کریں۔ بقیہ اقوام کو وہ انسان نہیں سمجھتے۔ان کو یہ بھی یقین ہے کہ تمام یہودی جنت میں جائیں گے۔ان کا ایمان ہے کہ اگر وہ جہنم میں بھی گئے تو تھوڑے دنوں کے لیے جائیں گے۔ پھر اللہ انہیں نکال کر جنت میں ڈال دے گا۔ یہ عقائد انہوں نے خود بنائے ہوئے ہیں۔اس لیے کہ یہ اپنے تئیں خود کو اللہ کے پسندیدہ بندے سمجھتے ہیں۔جبکہ حقیقت میں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔سخت غضب ہے۔ان کی انہی حرکتوں کی وجہ سے ان پر مومنین اور فرشتوں کی بھی لعنت ہے۔قرآن کریم کے مطابق یہ جگہ جگہ جنگیں اور فساد برپا کرتے ہیں جبکہ اللہ ہرگز فساد پسند نہیں کرتا۔آج دنیا میں تمام فساد کی جڑ یہی یہودی اور صیہونی ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا پر ان کا قبضہ ہو۔اسی لیے یہ پوری دنیا میں قتل وغارت، قحط اور جنگیں برپا کرتے ہیں کیونکہ ان کو کسی اور کی جان و مال اور آبرو کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ لوگ خود فیڈرل ریزرو اور سوئس بینکوں میں مال اور سونے کو جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں بالکل خرچ نہیں کرتے۔ یہودیوں کے متعلق یہ بات آسانی سے سمجھ آتی ہے کہ انہوں نے دنیا کے معاشی نظام کی بنیاد سود، رباء، قتل وغارت اور تباہی اور بربادی پر قائم کی۔حکومتوں کے تختے الٹنا، قوموں میں فحاشی، برائی اور بدکاری کو عام کرنا اور مذہب کو اڑا کے رکھ دینا، ان کے بنیادی اصول ہیں۔

ایک بات یاد رکھیے گا کہ حضرت عیسیٰؑ نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ یہ حضرت موسیٰؑ ہی کی

شریعت تھی۔اولڈ ٹیسٹمنٹ کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ بیت المقدس میں پیار ومحبت لے کر آئے تھے کیونکہ یہودیوں نے قانون کو اتنا سختی سے نافذ کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس میں سے محبت کا پہلو نکل گیا تھا۔ایک مرتبہ جب ایک بدکار عورت کو سزا دینے کی بات ہوئی تو یہودیوں نے اصرار کیا کہ اس پر سنگسار کرنے والا قانون نافذ کیا جائے۔اس وقت حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ اسکو وہی شخص سنگسار کرے جس نے خود یہ برائی نہ کی ہو۔حضرت عیسیٰؑ پیار اور محبت کا پیغام لے کر آئے تھے۔ان کے مطابق جب تمہیں کوئی ایک تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی اسکے سامنے کر دو۔حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے تصور ہے کہ وہ بہت نرم، عاجز اور محبت کرنے والے تھے۔ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ بیت المقدس گئے۔مسجد (عبادت گاہ) میں داخل ہوئے تو جلال میں آ گئے۔ کیونکہ مسجد کے صحن میں سود خوروں نے اپنی میزیں لگائی ہوئی تھیں اور سود کا کاروبار کر رہے تھے۔نئی کتابوں میں ان کے لیے (money changers) منی چینجرز کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ پرانی کتابوں میں (money lenders) سود خور کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔یہ سارا کام یہودیوں کی نگرانی میں مسجد کے صحن میں ہو رہا تھا۔حضرت عیسیٰؑ نے طیش میں آ کر میزیں الٹ دیں اور انکو مارا۔کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ عیسیٰؑ جلال کا مظاہرہ کریں گے۔آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ ''یہ اللہ کا گھر ہے اور عبادت کی جگہ ہے۔تم نے اس کو چوروں کا گڑھ بنا لیا ہے''۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی سازش اسوقت بنائی تھی جب عیسیٰؑ نے سودی نظام پر حملہ کیا۔یہ سب انجیل میں درج ہے۔اس سے پہلے وہ حضرت عیسیٰؑ کو برداشت کر رہے تھے لیکن جب حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں اور صیہونیوں کے کفر کی جڑ پر حملہ کیا تو یہ ان کی برداشت سے باہر ہو گیا۔حضرت عیسیٰؑ سود خوری اور رباء کے خلاف تھے کیونکہ رباء کے خلاف اللہ کی جنگ ہے۔ یہ بات صرف قرآن میں نہیں لکھی ہوئی ہے بلکہ تمام انبیاءؑ نے رباء کے خلاف جنگ کی ہے کیونکہ رباء انسانیت کو غلام بنا دیتا ہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ نے اس نظام پر حملہ کیا تو یہودیوں نے ان کے قتل کی سازش کی۔ یہودی انہیں خود نہیں مارنا چاہتے تھے۔اس وقت رومی حکومت تھی اور گورنر بھی رومی تھا۔انہوں نے سازش کی کہ حضرت عیسیٰؑ کو رومی گورنر کے ذریعے قتل کروایا جائے۔انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے پاس چند آدمی بھیجے اور یہ سوال کیا کہ رومی حکومت کو محصول ادا کیا جائے یا نہیں؟ اگر حضرت عیسیٰؑ کہتے کہ محصول نہ دو تو یہ بغاوت تصور کی جاتی اور

رومی حکومت ان کے خلاف سخت کارروائی کرتی اور اگر آپؑ کہتے کہ محصول دو تو ان کے عقیدے کے خلاف بات ہوتی کیونکہ کفر کے نظام کو محصول دینا ان کے نزدیک جائز نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اس چال کو سمجھ گئے اور آپ نے ایسا جواب دیا کہ دشمن حیران ہو گئے اور انکو منہ کی کھانی پڑی۔ حضرت عیسیٰؑ کا جواب یہ تھا کہ جو بادشاہ کا حق ہے وہ بادشاہ کو دو اور جو اللہ کا حق ہے وہ اللہ کو دو۔ یہودیوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک نئی تعلیم آ گئی ہے جو انکے عقیدے پر حملہ کر رہی ہے اور انکے رباء کے نظام کو تباہ کر رہی ہے تو انہوں نے قائم شدہ سیاسی عہدے کو استعمال کرتے ہوئے اس نئے عقیدے کو تباہ کرنے کے لیے سازش کرنا شروع کر دی۔ آج دنیا میں بالکل یہی ہو رہا ہے۔ بنیادی طور پر یہودی، فیڈرل ریزرو اور بینک آف انگلینڈ کے ذریعے پوری دنیا کی دولت کی رسد کی نگرانی کر رہے ہیں۔

اس وقت جس طرح رومی سلطنت کو استعمال کیا گیا تھا اسی طرح آج یہودی امریکی فوجی طاقت کو اسلامی تعلیمات اور عقیدے کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ کیونکہ صرف اسلامی عقیدہ ہی انسانیت کو رباء کے نظام سے آزاد کر سکتا ہے۔ اشتراکیت یا کوئی اور معاشی نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں کوئی طاقت نہیں رکھتا جبکہ صرف اسلامی عقیدے میں اسکے خلاف خطرہ بننے کی صلاحیت موجود ہے کیونکہ اسلام میں متبادل معاشی نظام موجود ہے جو رباء کے نظام سے ہٹ کر ایسی بنیادوں پر قائم ہے جن بنیادوں پر حضرت یوسفؑ نے مصر میں خوراک کی فراوانی قائم کی تھی۔

یہودی مسلمانوں سے خود نہیں لڑنا چاہتے۔ وہ عیسائیوں کو بیوقوف بنا کر، ان پر حکومت کر کے، انکی دولت کی رسد کنٹرول کر کے اور انکی پالیسیاں تبدیل کر کے مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کر رہے ہیں۔ جس طرح اس وقت کے اعلیٰ مرتبت یہودیوں نے رومی سلطنت کو حضرت عیسیٰؑ کے خلاف استعمال کیا، ویسے ہی آج کے یہودی عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کا امریکہ کے ساتھ تصادم کروانے کا منصوبہ یہودیوں نے بنایا ہے۔ امریکیوں کو اندازہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ امریکی دنیا کی سب سے بڑی غلام قوم بن چکے ہیں۔ انکی گردنوں پر یہودی سوار ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی سازش کس نے کی تھی۔ عیسائی کہتے ہیں کہ نعوذ با اللہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے عیسیٰؑ کے دشمنوں کو شبہ

میں ڈال دیا اور آپؑ کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔
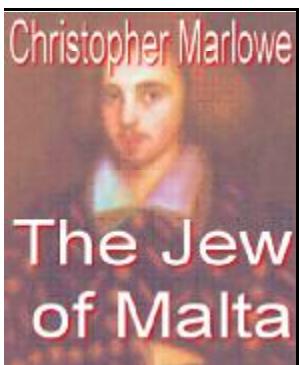
کسی بھی تہذیب کا لوک ادب اسکی تہذیب، بنیاد، اجتماعی سوچ اور رجحان کو ظاہر کرتا ہے۔شیکسپیئر برطانوی تاریخ کا بہت مشہور ادیب اور شاعر گزرا ہے۔اس نے اپنے ایک ناول مرچنٹ آف وینس (Merchant of Venice) کے ایک کردار شائی لاک (Shylock) میں یہودیوں کا کردار بتایا ہے کہ وہ قرضہ وصول کرنے کے لیے جسم کا گوشت تک کاٹنے کو تیار ہے۔پوری دنیا کے یہودی اس ناول کی وجہ سے شیکسپیئر سے نفرت کرتے ہیں۔کرسٹوفر مارلو (Christopher Marlowe) کی کتاب ''دی جیو آف مالٹا'' (The Jew of Malta) میں بھی یہودیوں کی ایسی ہی تصویر کھینچی گئی ہے۔عیسائیوں کے لوک ادب میں یہودیوں کے خلاف انتہا کی نفرت تھی۔رومی کیتھولک کلیساء تو یہودیوں کی جان کا دشمن تھا۔

Christopher Marlowe
The Jew of Malta

اب سوال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بچاؤ کے لیے کیا اقدام کرنے شروع کیے؟ کیونکہ انہوں نے عیسائی دنیا میں ہی رہنا تھا۔انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایسے روپ بدلے ''فری میسونک کلٹز'' جو ظاہراً لادین، لیکن اندرونی طور پر یہودی تھے۔انہوں نے بڑے بڑے گروہ بنائے اور عیسائی دنیا میں مداخلت کرنی شروع کی۔یہ طریقہ نیا نہیں تھا بلکہ صلیبی جنگوں میں یہ طریقہ استعمال ہو چکا تھا۔انہوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ فتنہ و فساد پیدا کرنا شروع کیا۔عیسائی کلیساء میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت خرابیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔یورپ اور اہل کلیساء رشوت خور بن گئے تھے۔اس کے علاوہ مال و دولت جمع کر کے رکھتے تھے اور خرچ نہیں کرتے تھے۔بد چلنی عام تھی۔کلیساء نے ظلم و ستم برپا کر دیا تھا اور انہی وجوہات کی بناء پر یہودیوں کو کلیساء کے خلاف موقع مل گیا۔اس وقت ویسے ہی بغاوت ہو رہی تھی۔پروٹسٹنٹ مارٹن لوتھر نے 1520ء میں ایک مہم شروع کی جو کہ کیتھولک کلیساء کے خلاف بغاوت تھی۔ بنیادی طور پر عیسائیوں کا رومی کیتھولک کلیسا سے علیحدہ ہونا بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔پہلے دو الگ الگ گروہ بنے پھر رومی کیتھولک کلیسا کا اخلاقی اثر ختم ہوا۔انگلینڈ میں اس مہم نے بہت زور پکڑا۔سب سے زیادہ نقصان رومی

کیتھولک کلیسا کو یہ ہوا کہ انگلینڈ کے بادشاہ ولیم آف اورنج نے پروٹسٹنٹ مذہب اختیار کرلیا۔ یہ وہ موقع تھا جب اس تصور کوفروغ ملا کہ مذہب کوسیاست سے الگ ہونا چاہیے۔ یہی تصور وہ مسلمانوں میں بھی نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب یہودیوں کے ترغیب شدہ تصور تھے۔ جس لمحے رومی کیتھولک کلیسا کا اختیارختم ہوا، پروٹسٹنٹ کلیسا ابھرنا شروع ہوا۔

ولیم آف اورنج

''ولیم آف اورنج'' سے لیکر اسکے بعد آنے والے انگلینڈ کے تمام بادشاہ پوری طرح یہودیوں کے قبضے میں آچکے تھے۔آپ اس بات پرغور کریں کہ جب انگلینڈ کا کلیساء بنا تو اسکے تقریباً پچاس سال کے بعد بینک آف انگلینڈ بنا۔فیڈرل ریزرو کی طرح بینک آف انگلینڈ بھی ایک صیہونی انٹر پرائز تھا۔سولہویں صدی کی 80ء کی دہائی میں انگلینڈ سے رومی کیتھولک کا اثرختم ہورہا تھا اور پروٹسٹنٹ ابھررہے تھے۔ سیاسی طاقت پروٹسٹنٹ کے پاس آرہی تھی۔سولہویں اورسترھویں صدی کے درمیان یہ فساد برپا ہوااور یہودیوں نے اس ابتری اور بدانتظامی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یہودی، بادشاہء وقت کے قریب تر ہوتے جارہے تھے۔ان کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہ کواپنے قابو میں کرلیں۔ یہ کام انہوں نے تقریباً 1680ء میں مکمل کرلیا۔ پروٹسٹنٹ کلیساء ان کے قبضے میں جاچکا تھا اورعیسائی دنیا میں انہوں نے اپنا بینک بھی قائم کرلیا تھا جس کو بینک آف انگلینڈ کا نام دیا گیا۔ یہ نجی یہودی انٹر پرائز تھا جس نے بادشاہِ وقت کوکئی لاکھ سکوں کا قرضہ دیا۔

روتھس چائلڈز یہ کہتا تھا کہ جس برطانوی سلطنت پرسورج غروب نہیں ہوتا، میں اس سلطنت پر حکومت کرتا ہوں کیونکہ اس کی دولت میرے پاس ہے۔ان یہودی بینکرز کی وجہ سے برطانیہ 1689ء سے لیکر 1815ء تک ایک ارب سونے کے سکوں کا مقروض ہو چکا تھا۔ دنیا برطانوی سلطنت کے بارے میں یہ جانتی تھی کہ یہ وہ سلطنت ہے جو پوری دنیا پرحکومت کررہی ہے جبکہ برطانوی سلطنت ایک ارب پاؤنڈز کی مقروض تھی اور یہ قرض وہ کسی بھی صورت میں ادانہیں کرسکتی تھی۔ برطانوی سلطنت میں بینک آف انگلینڈ نے یہ قانون رائج کروادیا کہ لوگ سونے کے سکےنہیں رکھ سکتے۔جس کے پاس سکے ہیں وہ ہمیں

دے دے۔ وہ اسکے کرنسی نوٹ یا سونے کا سکہ جاری کریں گے۔ پھر آہستہ آہستہ روتھس چائلڈز خاندان نے بینک آف انگلینڈ پر مکمل قبضہ کرلیا۔ روتھس چائلڈز جرمنی کا یہودی تھا، جس کے چار پانچ بیٹے تھے۔ جو یورپ کے مختلف ملکوں میں آباد تھے۔ انہوں نے وہاں بینکنگ ہاؤسز بنائے۔ حال یہ تھا کہ واٹرلو کی جنگ میں دونوں فریقوں کی مالی معاونت یہودی کررہے تھے۔ 1694ء میں بینک آف انگلینڈ بنا، اس کے اگلے اڑھائی سو سال تک یہ ایک نجی انٹر پرائز رہا۔ یہ بات ناقابل یقین لگتی ہے کہ بینک آف انگلینڈ نے برطانوی سلطنت پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہر ملک کو قرضے دیتے تھے اور آپس میں جنگیں کرواتے تھے۔ نپولین جنگوں میں جتنا منافع روتھس چائلڈز نے کمایا اس سے پہلے یا اسکے بعد کسی بھی جنگ میں نہیں کمایا۔ لندن کی سٹاک مارکیٹ کو بھی انہوں نے کریش کروایا۔ روتھس چائلڈز خاندان کا انٹیلی جنس یونٹ حکومت کی انٹیلی جنس ایجنسی سے زیادہ طاقت ور ہوا کرتا تھا۔ واٹرلو کی جنگ میں برطانوی حکومت کو خبر ملنے سے پہلے روتھس چائلڈ کو ڈیوک آف ولنگٹن کی فتح کی خبر پہنچ چکی تھی۔ روتھس چائلڈز نے سٹاک مارکیٹ میں برطانوی حصص بیچنا شروع کیے تو لوگ سمجھے کہ واٹرلو کی جنگ میں برطانوی سلطنت کو شکست ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں نے اپنے برطانوی اثاثے بیچنا شروع کردیئے۔ یہ تمام اثاثے یہودیوں کے ایجنٹ خرید رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روتھس چائلڈز نے ایک دن میں پانچ ملین پاؤنڈز کمائے۔

ڈیوک آف ولنگٹن
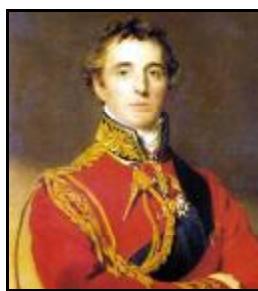
پوری دنیا میں مالیاتی دلچسپی کی وجہ سے بینک آف انگلینڈ برطانوی سلطنت کی مدد کرتا تھا۔ امریکہ میں ان کے خلاف بہت نفرت پائی جاتی تھی کیونکہ امریکہ نے برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی۔ امریکہ میں ہر شخص جانتا تھا کہ برطانیہ میں پیدا شدہ فساد روتھس چائلڈز کا برپا کیا ہوا ہے لہذا روتھس چائلڈز کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ روتھس چائلڈ نے کمال یہ کیا کہ ایک اور خاندان کو اپنے بینکنگ انٹرسٹ بنانے کے لیے امریکہ بھیجا۔ تقریباً پچاس، ساٹھ سال کے بعد دنیا کو معلوم ہوا کہ جو خاندان یہ کام کررہا ہے وہ اصل میں روتھس چائلڈز کا ملازم ہے۔ وہ خودمختار بینکنگ ہاؤس نہیں ہے۔ اس بینکنگ ہاؤس کا نام ''جے پی مورگن'' ہے۔ امریکی صدر اینڈریو جیکسن 1836ء میں اس کھیل کو سمجھ گیا تھا کہ یہودی کیا کھیل کھیل رہے

ہیں اور وہ کس طرح امریکہ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

امریکہ میں یہودیوں کا ایک اور بینک تھا جو بعد میں فیڈرل ریزرو کی شکل میں سامنے آیا۔ اینڈریو جیکسن نے اپنے دورِ حکومت میں حکومتی اثاثے اس بینک سے نکال کر سرکاری بینکوں میں جمع کروا دیئے۔ لہذا یہ بینک تباہ ہونے لگا۔ ان لوگوں نے فوراً مدد کے لیے بینک آف انگلینڈ کو پیغام بھیجا۔ بینک آف انگلینڈ نے امریکی حکومت کے تمام اثاثے قبول کرنا بند کر دیئے اور ان کے ٹریژی بانڈز Treasury Bonds، بل، اثاثے، نوٹ، کرنسی وغیرہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یوں امریکہ میں معاشی عدم استحکام آ گیا۔ یہ بحران ''کریش آف 1837ء'' کہلاتا ہے۔

اینڈریو جیکسن کی سمجھداری کا بدلہ انہوں نے امریکی معیشت کو تباہ کر کے لیا۔ تقریباً یہی کھیل انہوں نے 1857ء میں دوبارہ کھیلا جسکو ''Great Plan of 1857'' کہتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایک چھوٹا خاندان پورے ملک کی دولت کی رسد کنٹرول کر رہا ہو تو وہ کسی بھی وقت اپنا پیسہ نکال کر اس ملک کی معیشت تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ ہمارے دین کا ایک بنیادی عنصر یہ ہے کہ پیسوں کو چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے دو۔ پیسہ جمع کر کے نہ رکھو بلکہ اسکو خرچ کرو اور تقسیم کرو۔ ہمارے دین میں دولت پر محصول نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بچت پر محصول ہے یعنی اگر مال جمع کر کے رکھو تو اس پر محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ مال خرچ کرنے پر محصول نہیں ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا نظام اس سے بالکل مختلف ہے۔

جب یہودیوں نے ریاست کو مذہب سے الگ کیا تو آغاز میں پروٹسٹنٹ کلیسا بہت کمزور تھا۔ لہذا انہوں نے بادشاہِ وقت کو بڑی ہوشیاری سے گھیر لیا اور اب تک اس کی جان نہیں چھوڑی۔ آج بھی برطانیہ پر حکومت کرنے والی ملکہ الزبتھ کے روتھس چائلڈز کے ساتھ بہت قریبی تعلقات ہیں حتیٰ کہ رشتہ داریاں بھی ہیں۔ روتھس چائلڈز اتنا چھپ کر کام کرتے ہیں کہ آپ کبھی روتھس چائلڈز کو ذرائع ابلاغ پر نہیں دیکھ سکتے۔ وہ کبھی انٹرویو نہیں دیتے حالانکہ وہ دنیا پر ''حکومت'' کر رہے ہیں۔

1905ء میں روس میں ایک کتاب چھپی جس کا نام '' Learned Protocols of the Elder's of Zion '' تھا۔ یہ ایک خفیہ دستاویز تھی جو کہ بین الاقوامی یہودی کونسل سے چوری کی گئی اور چھاپ دی گئی۔ سو سال ہو گئے، یہودی اس کتاب کو جھوٹا ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ پروٹوکولز یہودیوں کے منصوبوں پر مبنی ایک حقیقی

دستاویز تھی جسکی بنیاد پر صیہونیوں نے پوری دنیا میں اپنی حکومت قائم کرنی تھی، اسرائیل بنانا تھا، مالیاتی نظام کنٹرول کرنے تھے اور اقوام کو تباہ اور قوموں کو غلام بنانا تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے کس طریقہ سے دنیا پر قبضہ کرنا ہے۔ یہ کتاب لکھنے والے گروہ میں روتھس چائلڈز کا خاندان بھی شامل تھا۔

1783ء میں فرینکفرٹ میں جب روتھس چائلڈز خاندان ابھر رہا تھا تو ان لوگوں نے ابتدائی پروٹوکولز لکھے تھے۔ جن میں بتایا گیا تھا کہ صیہونیوں کے ساتھ ملکر دنیا پر کس طرح قبضہ کرنا ہے؟ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اسکو ترقی دیتے رہے۔ اب ذرائع ابلاغ میں بھی اس کتاب کا ذکر نہیں ہوتا۔ دنیا میں جہاں یہ کتاب نظر آتی ہے، یہودی اسے غائب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ہم دنیا پر قبضہ کریں گے۔ اس کے لیے جو شرائط طے کی گئی ہیں ان میں پہلی تو یہ ہے کہ موجودہ حکومتوں کو کمزور کریں گے۔ ان کو حاکمیت جمہوریت، آزادی، مساوات کے تصور سے توڑ دیں گے۔ یعنی آوارہ معاشرہ پیدا کریں گے۔ حکومتیں تباہ ہو جائیں گی تو وہ ان کی دولت کی رسد کو کنٹرول کریں گے۔ نوجوانوں میں فحاشی، برائی اور بدکاری عام کر کے معاشرے کو تباہ کر دیں گے تاکہ وہ اس کھیل کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ ذرائع ابلاغ کو بھی اپنے مفادات کے فروغ کے لیے استعمال کریں گے۔ قحط برپا کریں گے۔ خوراک کی رسد کنٹرول کریں گے۔ غیر یہودی لوگوں کی عزت و آبرو اور پیسے کو نقصان پہنچائیں گے۔ معاشرے میں خونریز فساد برپا کریں گے اور یوں وہ یہودیوں کی ایک عالمی حکومت قائم کریں گے جس کا مرکز بیت المقدس ہوگا۔

یہ فلسفیانہ پس منظر حضرت یوسفؑ کے دور سے لے کر 1905ء تک کا ہے۔ اسکی بنیاد پر ہی یہودیوں نے 1913ء میں فیڈرل ریزرو قائم کیا۔ اسی طرح پہلی دفعہ انٹرنل ریونیو سروس Internal Revenue Service 1913ء میں قائم ہوئی جسکی بنیاد پر دولت پر محصول لگایا گیا۔ یہ ایک غیر انسانی قانون تھا۔ اسلامی معاشرے میں دولت پر کوئی محصول نہیں ہوتا۔ اگر ایک شخص اپنی محنت کے نتیجے میں 10,000 روپے کماتا ہے اور حکومت اس میں سے 800 یا 1000 روپے خود وصول کر لیتی ہے تو اسکو دولت پر محصول کہتے ہیں۔ اللہ کے دین میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ 1913ء میں یہ دونوں نظام یعنی فیڈرل ریزرو اور محصول کا نظام رائج ہونے کے چھ ماہ بعد پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ اس جنگ کے ذریعے یہودیوں

نے اپنے خوفناک مقاصد حاصل کیے۔خلافت عثمانیہ کو تباہ و برباد کیا گیا۔جسکی وجہ سے بیت المقدس پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔بالفور ڈیکلریشن لکھا گیا۔اسکے نتیجے میں پورا یورپ فیڈرل ریز رو کا مقروض ہوا۔ بالفور ڈیکلریشن میں برطانوی سلطنت نے یہودیوں کو خط میں لکھا کہ ہم آپ کو اسرائیل دینے والے ہیں۔یہ وہ خط تھا جو برطانوی حکومت نے روتھس چائلڈز کو لکھا تھا۔اس سے ان کی طاقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

روتھس چائلڈز یہودیوں اور صیہونیوں کے نمائندے ہیں۔وہ دنیا میں جنگیں اور فساد برپا کرتے ہیں، بینک آف انگلینڈ اور فیڈرل ریز رو کو کنٹرول کرتے ہیں اور بین الاقوامی صیہونیوں کے سربراہ بھی یہی لوگ ہیں۔1929ء میں انہوں نے ایک دوسرا تجربہ کیا کہ نیو یارک وال سٹریٹ کریش کروادی۔یوں نہ صرف امریکہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا بلکہ پوری دنیا متاثر ہوئی کیونکہ ان گنے چنے یہودی بینکوں نے پوری دنیا کی دولت کی رسد کنٹرول کر لی تھی۔انہوں نے اس وقت اپنے حصص سٹاک مارکیٹ سے نکال لیے تاکہ مصنوعی مراجعت (false recession) پیدا کی جاسکے۔یہ تجربات صرف یہ دیکھنے کے لیے کیے گئے کہ وہ دولت کی رسد کنٹرول کر کے ملکوں کی معیشت کو کیسے تباہ کر سکتے ہیں۔

''امریکہ صیہونیوں کے چنگل میں''

گزشتہ ابواب میں ہم نے 1913ء میں قائم کیے گئے صیہونیوں کے فیڈرل ریزرو اور ریونیو ریزرو کے نظام پر بحث کی جو انہوں نے امریکہ پر مسلط کیا ہوا ہے۔ ہم نے پہلی جنگ عظیم، 1929ء میں ہونے والی کرپشن اور ان تاریخی اسباب پر بھی بحث کی کہ جس کے تحت صیہونی معاشرے میں پیسے کی رسد پر قبضہ کرتے تھے۔ کبھی وہ مارکیٹ میں پیسہ چھوڑ دیتے، کبھی واپس کھینچ لیتے۔ اسی طرح انہوں نے سونے کی کرنسی غائب کی اور کاغذی کرنسی کا اجراء کیا۔ ایسے تمام فراڈ اور فساد ابلیس کے ذہن میں ہی آسکتے ہیں۔ کسی انسانی ذہن میں اس طرح کی فتنہ گری نہیں آسکتی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امریکی قوم کو نظر آرہا تھا کہ ان کیساتھ کیا ہورہا ہے اور اسکا کیا نتیجہ نکلے گا؟

شروع میں جب یہودی امریکہ میں آکر آباد ہونا شروع ہوئے تو امریکی قوم میں یہ بحث چلی کہ کیا یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت دینی چاہیے اور کیا ان کو اتنا طاقتور ہونے دینا چاہیے کہ وہ ہمارے پیسے کی رسد پر قبضہ کریں؟ یہودیوں نے اپنی آمد کیساتھ ہی بینک بنانے اور پیسے کی سپلائی کنٹرول کرنا شروع کردی۔ یہودی بہت طاقتور طبقہ تھا۔ امریکہ میں آباد لوگ یورپ میں یہودیوں کی کارستانیاں دیکھ چکے تھے۔ ان کی تاریخ سب کو معلوم تھی۔ امریکی بے خبر اور بے وقوف لوگ نہیں تھے لیکن اپنی جنگوں، تعمیر و ترقی اور ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد میں اتنے مصروف تھے کہ انہوں نے اس مسئلے کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیا۔ تاہم وہ اس سلسلے میں سخت پریشان تھے کہ یہودی ہمارے ملک میں کیوں آباد ہورہے ہیں۔

1936ء میں اینڈریو جیکسن نے ان کیلئے ''سانپوں اور چوروں کا گڑھ'' کی اصطلاح استعمال کی۔ جب حضرت عیسیٰ بیت المقدس گئے اور یہودی سود خوروں کو مارا تو انہوں نے بالکل یہی الفاظ یہودیوں کیلئے استعمال کیے تھے کہ ''تم لوگ چوروں کا گڑھ ہو''۔ اینڈریو جیکسن نے یہ الفاظ یقیناً بائبل سے لیے

ہوں گے۔ ابراہم لنکن کو بھی یہودیوں کی مکاری کا بہت اچھی طرح اندازہ تھا لہذا اس نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ اینڈریو جیکسن اور ابراہام لنکن نے انہیں امریکہ سے نکالنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی۔ تاہم اینڈریو جیکسن یہ کام نہ کر سکا جبکہ ابراہم لنکن کو یہودیوں نے قتل کروا دیا۔

انیسویں صدی کے آخر میں امریکہ میں قائم ہونے والی سب سے بڑی موٹر کمپنی ''فورڈ'' تھی جس کا مالک ہنری فورڈ تھا۔ اس نے ایک بہت شاندار کتاب لکھی جس کا نام'' دی انٹرنیشنل جیو'' (The International Jew) تھا۔ اس کتاب میں اس نے واضح طور پر لکھا کہ پوری دنیا میں پھیلا فساد یہودیوں کا پیدا کردہ ہے۔ سوویت بلشیوک انقلاب ہو یا فرانسیسی انقلاب، سبھی میں ان کا ہاتھ ہے۔ وہ امریکی معاشرے پر پوری طرح حاوی ہیں۔ ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ بینکوں اور فنانس کے نظام کو وہ چلا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ امریکی تعلیمی نظام اور طب کے پیشے کو بھی وہی کنٹرول کرتے ہیں۔ ہنری فورڈ نے امریکی معاشرے پر یہودیوں کے غلبہ کا بغور مشاہدہ کیا اور اس پر کتاب لکھی۔ اس نے پہلی جنگ عظیم رکوانے کیلئے بھی ایک مہم شروع کی اور بحری جہاز کے ذریعے کئی ملکوں میں گیا تا کہ اس جنگ کو کسی طرح ٹالا جا سکے۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ 1913ء کے بعد یہودیوں کی طرف سے بنایا جانے والا فیڈرل ریزرو امریکی حکومت کے ذریعے پورے یورپ کو قرضہ دے گا۔ نتیجتاً امریکی قوم مقروض ہوگی۔ اس قرض کی ادائیگی کے لیے حکومت اپنی عوام پر انکم ٹیکس لاگو کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے یہودی آج بھی ''ہنری فورڈ'' سے نفرت کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کی توہین کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کیونکہ وہ ایک اچھا عیسائی اور امریکی تھا۔ ہنری فورڈ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے یہودیوں کے استحصالی معاشی نظام کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی کمپنی سے مزدوروں کا استحصال ختم کیا اور زیادہ سے زیادہ اجرت کا نظام دیا۔ ''فورڈ'' اتنی کامیاب کمپنی تھی کہ اس کو ابھی بھی امریکی ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ 1912ء تک امریکہ میں جتنی گاڑیاں چلتی تھیں ان میں سے آدھی گاڑیاں فورڈ کمپنی کی بنی ہوتی

تھیں۔اس کمپنی میں ہزاروں لوگ ملازم تھے۔ ملازم مالک کی عزت کرتے تھے اور وہ ملازموں کو عزت دیتا تھا۔اس کی کتاب ''دی انٹرنیشنل جیو'' اب دنیا کی کسی لائبریری میں نہیں ملتی۔ یہودیوں نے یہ کتاب مکمل طور پر غائب کردی ہے۔لیکن نیٹ پہ اسکے کچھ حصے مل جاتے ہیں۔

تمام اہم امریکی لوگ یہودیوں کی یہ سازش دیکھتے چلے آئے ہیں۔ جب امریکہ میں صدارتی انتخابات ہورہے تھے۔تب باراک اوباما اور جان مکین سمیت ایک تیسرا صدارتی امیدوار ''رون پال'' بھی تھا۔وہ بہت اچھا عیسائی ہے۔ جو صیہونی اور فری میسن نہیں ہے۔اس نے امریکی مڈل کلاس اور امریکی ادبی حلقے میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے۔صیہونیوں کی طرف سے دیئے گئے۔نظام یعنی فیڈرل ریزرو بینک، انٹرنل ریونیو سروس، سونے کے ذخائر، پیپر کرنسی اور جعلی کرنسی اب عوامی سطح پر موضوع بحث بن چکے ہیں۔صدارتی مہم میں رون پال کی طرف سے اٹھایا جانے والا سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا۔ وہ فیڈرل ریزرو ختم کرنے کی بات کرر ہا تھا اور اسکا موقف یہ تھا کہ امریکی ڈالر کے پیچھے سونے کی طاقت ہونی چاہیے۔جعلی کرنسی اور انکم ٹیکس ختم ہونا چاہیے۔ نیوکان صیہونیوں کی بنائی ہوئی خارجہ پالیسی تبدیل ہونی چاہیے، امریکہ کو مشرق وسطیٰ سے اپنی فوجیں واپس بلالینی چاہئیں اور اپنے معاملات خود سنبھالنے چاہئیں۔رون پال ان تمام باتوں پر زور دے رہا تھا جو مسلمان کہا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے اس کو مکمل طور پر نظر انداز کردیا اور اس کو کوئی کوریج نہیں دی گئی۔''رون پال'' صرف یوٹیوب (Youtube) اور گوگل (Google) کے ذریعے اپنی صدارتی مہم جاری رکھے ہوئے تھا۔

رون پال

بنیادی طور پر امریکی قوم بری نہیں ہے۔ان کے ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا تسلط اس حد تک رہا ہے کہ اب بھی 25 کروڑ افراد پر مشتمل قوم کی گردن پر تیس چالیس لاکھ یہودی سوار ہیں جو امریکیوں کو غلاموں کی طرح استعمال کرر ہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں امریکی قوم سے زیادہ مجبور اور بے کس کوئی اور قوم نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس پر تعجب کا اظہار کریں گے کہ ہم کیسی باتیں کرر ہے ہیں۔امریکی تو دنیا میں

عیاشی کرتے پھر رہے ہیں۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکی حکومت دیوالیہ ہوچکی ہے۔

اگر کسی کی آمدنی دس ہزار ہو اور اس پر ایک لاکھ کا قرض ہو تو ایسی صورتحال کو دیوالیہ پن کہتے ہیں کیونکہ وہ شخص اپنا قرض کسی طور ادا نہیں کرسکتا۔یہی امریکہ کی حالت ہے۔وہاں کے لوگوں کو اپنی حالت کا اندازہ ہے مگر وہ کچھ کر نہیں سکتے۔اسی معاشی نظام کے ذریعے اس تہذیب نے اپنے ہاتھوں سے خودکشی کرنی ہے کیونکہ یہ غیر مستحکم ہے۔ 1933ء میں یہودیوں نے امریکہ کے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرلیا اور اسکے بدلے ان کو ردی ڈالرز دے دیئے۔اس وقت انکا مقصد یہ تجربہ کرنا تھا کہ اگر ہم ان کا سونا لیں تو قوم مزاحمت کرے گی یا نہیں۔تب تک وہ امریکی قوم پر اس قدر غالب آچکے تھے کہ کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ امریکیوں نے اپنا سونا یہودیوں کے حوالے کردیا اور رسیدیں لے لیں۔اگلے سال انہوں نے ایک اور حرکت کی کہ پیپر کرنسی کی قدر 41% کم کردی۔

پیپر کرنسی کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ آپ اپنی مرضی سے اس کی قیمت مقرر کرتے ہیں۔آج اگر سونا 40 ڈالر فی اونس ہے تو کل 20 ڈالر فی اونس بھی ہوسکتا ہے۔یہ کام حکومت کے حکم کے ذریعے بغیر کسی قانون کے ہوسکتا ہے۔یہ یہودیوں کی سازش ہوتی ہے جسکے ذریعے وہ کرنسی کی قدر کو کم کرتے ہیں۔وہ یہ کام دوسری جنگ عظیم سے پہلے تجربے کے طور پر کرکے دیکھ رہے تھے۔اس طرح یہودی وہ مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے جو وہ پہلی جنگ عظیم میں حاصل نہیں کرسکے تھے۔پہلی جنگ عظیم کے ذریعے انہوں نے خلافت عثمانیہ کو تباہ کیا اور مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کردیا۔اس سے پہلے خلافت عثمانیہ آرمینیہ سے لیکر مغربی افریقہ تک اور یورپ سے لیکر مدینہ اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔آج جتنی بھی مسلمان ریاستیں ہیں وہ ''خلافت عثمانیہ'' کو توڑ کر بنائی گئی ہیں۔ان ریاستوں کے نقشے چرچل نے امریکیوں اور فرانسیسیوں کیساتھ مل کر بنائے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے مقاصد میں ''بیلفور ڈکلریشن'' بھی شامل تھا جس میں برطانوی حکومت نے روتھس چائلڈز کو خط لکھ کر کہا کہ آپ پوری دنیا کے یہودیوں کو بتا دیجیے کہ ہم ان کیلئے اسرائیل کے نام سے ایک الگ ریاست بنانے جارہے ہیں۔اسی دوران انگریزوں نے فلسطین پر اپنا تسلط قائم کرکے وہاں یہودی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کی۔مگر کام ابھی نامکمل تھا۔ 1901 سے لیکر 1945ء تک یہودی پوری دنیا میں سازشوں کے ذریعے تباہی پھیلا رہے تھے اور اپنے آپ کو منظم کررہے تھے۔وہ نہ صرف امریکی بلکہ

پوری دنیا کے معاشی نظام پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔علاوہ ازیں وہ اسرائیل کا قیام بھی چاہتے تھے۔

انگریزوں نے یہودیوں کو علیحدہ یہودی ریاست بنانے کی تجویز دی اور کہا کہ یہ ریاست افریقہ میں کسی جگہ بنالیں یا سوڈان میں مگر یہودی فلسطین کیلئے اصرار کررہے تھے کیونکہ وہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے وہاں ''ہیکل سلیمانی'' بنانا چاہتے ہیں جو ان کے تخت کا مرکز بنے اور جہاں یہ حکومت کرسکیں۔ دجال نے بھی چونکہ وہیں سے آنا ہے۔لہذا یہودی جہاں اسرائیل کی ریاست پر کام کررہے ہیں وہاں ساتھ ساتھ مسجد اقصیٰ کو بھی شہید کررہے ہیں۔قرآن کریم ان کے متعلق بالکل درست فرماتا ہے کہ یہ جگہ جگہ جنگوں کی آگ بھڑکاتے ہیں۔انہوں نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران'' پانچ کروڑ'' انسان قتل کروائے۔ پوری دنیا کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔اسرائیل کی ریاست قائم کی اور پورے یورپ کو اپنا مقروض کر دیا۔

یہودیوں نے 1934ء کے بعد دوبارہ ڈالر کو سونے سے جوڑا۔دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ حالت تھی کہ پورے یورپ کا 80 فیصد سونا فیڈرل ریزرو میں پہنچ چکا تھا۔یورپی کرنسی کی حیثیت ردی کی سی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران عوام کی یہ حالت تھی کہ پوری تنخواہ ایک ڈبل روٹی خریدنے میں خرچ ہوجاتی تھی۔جنگ زدہ علاقوں مثلاً پولینڈ، آسٹریا اور فرانس میں لوگ اپنے آپ کو گرم کرنے کیلئے کرنسی نوٹ جلایا کرتے تھے کیونکہ لکڑی مہنگی تھی جبکہ کرنسی نوٹ سستے تھے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کرنسی کے پیچھے سونے کی طاقت نہ ہو تو وہ بے قیمت ہوجاتی ہے۔

یہ صورتحال ہم نے افغانستان میں اپنے قیام کے دوران دیکھی تھی کہ جب پانچ چھ افراد کھانا کھاتے تھے تو بل دس لاکھ افغانی آتا تھا۔اگر ڈیڑھ لاکھ روپے کی پاکستانی کرنسی افغانی کرنسی میں تبدیل کی جاتی تو بوریاں اٹھانے کیلئے گدھوں کی ایک لائن چاہیے ہوتی تھی۔جب ملکی معیشت میں سونا نہ ہو، ملک میں جنگ برپا ہو، حکومت خود کو مستحکم کرنے کیلئے بے انتہا کرنسی جاری کررہی ہو تو پھر افراطِ زر کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہاں ایک لاکھ روپے کی ڈبل روٹی آتی ہے۔دوسری جنگ عظیم کے دوران یورپ میں یہی ہورہا تھا۔پورا یورپ فیڈرل ریزرو اور یہودی بینکوں مثلاً بینک آف انگلینڈ کے سامنے گھٹنے ٹیک چکا تھا جو اس وقت پیسے کی سپلائی اور سونے کو کنٹرول کررہے تھے۔

بریٹین ووڈز (Bretton Woods) معاہدے میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ دنیا کی کسی بھی

کرنسی کے پیچھے سونے کی طاقت نہیں ہے لہذا اب ان کو فلوٹنگ کرنسی کا نظام اپنانا چاہیے۔یعنی کرنسی کو ڈالر کیساتھ متعین کردیا جائے اور ڈالر کو سونے کے ساتھ متعین کردیا جائے مثلاً اگر ایک اونس سونا 35 ڈالر کا ہوتو 10 جرمن فرینکس کی قیمت ایک ڈالر کے برابر ہوگی اور 4 برٹش پاؤنڈ کی قیمت ایک ڈالر ہوگی۔یہ سب فلوٹنگ ریٹس تھے۔انھوں نے پوری دنیا میں یہ نظام قائم کیا۔فیڈرل ریزرو کے نظام میں جعلی اور ردی نوٹ جاری کیے جاتے ہیں۔جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ اگر آپ کے پاس سونے کی 100 اشرفیاں ہوں،یا 100 روپے کا سونا ہواور آپ 200 روپے کی رسیدیں جاری کردیں تو سوروپے کی رسیدوں کے علاوہ باقی سب رسیدیں جعلی ہونگی۔اس سب کے نتیجے میں ایک جعلی معاشی نظام وجود میں آتا ہے۔جعلی کرنسی جاری کرنے کا اختیار یہودی پرائیویٹ بینک کو دے دیا گیا تا کہ امریکی حکومت اپنی کرنسی جاری نہ کرسکے اور اسے قرض لینا پڑے۔یوں صورتحال مزید گھمبیر ہوگئی کیونکہ جیسے جیسے امریکہ دوسروں کو قرض دے رہا تھا،اسی رفتار سے وہ خود بھی مقروض ہوتا جارہا تھا۔فیڈرل ریزرو دس سے پندرہ بینکوں پر مشتمل ادارہ ہے جو امریکی حکومت کو قرض دیتا تھا اور اس میں شامل چھوٹے بینک امریکی قوم کو قرض دیتے تھے۔انہوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی قوم کو سستا قرضہ فراہم کرنا شروع کیا۔یوں امریکہ میں قرض لیکر ہر ضرورت پوری کرنے کا کلچر متعارف کرایا گیا۔

اس کے برعکس ہمارا مذہب ہمیں قرض سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو قرض سے نجات حاصل کرنے کی دعائیں سکھائی ہیں۔ہمارا دین قرض سے چلنے والے معاشی نظام کو برا سمجھتا ہے۔قرض کی ضرورت اس شخص کو پڑتی ہے جس کے پاس ضروریات زندگی کے لیے پیسے نہ ہوں اور جو مجبور و بے کس ہو۔یہودیوں نے امریکی ذرائع ابلاغ،تعلیمی نظام اور بینکاری نظام پر قبضہ کرکے ان کے ذریعے ایسا کلچر متعارف کروایا جس کے ذریعے ہر امریکی شہری خواہ وہ خوشحال ہو یا غریب،قرض لے کر زندگی گزارتا ہے۔

یہی صورتحال کریڈٹ کارڈ کے حوالے سے ہے۔کریڈٹ کارڈ کا مطلب یہ ہے کہ آپ غریب ہوں یا ارب پتی،آپ کو کریڈٹ کارڈز کے ذریعے ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔یعنی آپ ایک یہودی سے قرض لیکر وہ چیزیں خریدتے ہیں اور پھر اس یہودی کو سود ادا کرتے ہیں۔اس طریقے سے اگر دو اشخاص مدینہ منورہ میں

بھی بیٹھ کر تجارت کر رہے ہیں اور ادائیگی کریڈٹ کارڈ کے ذریعے سے ہوتی ہے تو امریکہ میں بیٹھا ہوا یہودی اس میں سے اپنا حصہ نکال لیتا ہے۔ یوں یہودیوں نے کم سود پر قرضہ دے کر امریکی قوم کو راغب کیا کہ وہ گھر بھی کریڈٹ پر لیں، گاڑی بھی کریڈٹ پر خریدیں، تعلیم بھی کریڈٹ پر حاصل کریں۔ لہذا دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی معاشرے میں قرض اتنا عام ہو چکا تھا کہ ہر امریکی شہری مقروض تھا۔ مقروض ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اس نے یہودیوں کو سود کی ادائیگی کرنی ہے خواہ وہ قسطوں میں ہی کیوں نہ ہو۔

ہر کام قرض لے کر کرنے کے نتیجے میں امریکی قوم اور حکومت اس قدر مقروض ہوگئی کہ قرض آمدنی سے تجاوز کر گیا ہے۔ 1963ء میں جب کینیڈی کی حکومت آئی تو امریکی حکومت کی کمر ٹوٹ رہی تھی۔ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ وہ اصل زر کی ہی ادائیگی کر سکیں۔ امریکی قوم بینکوں کو اور امریکی حکومت فیڈرل ریزرو کو سود کی ادائیگی کر رہی تھی۔

1963ء میں ایک بہت اہم واقعہ ہوا جو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اس سال کینیڈی فیڈرل ریزرو کے خلاف صف آراء ہوا۔ اس نے ایک حکم پاس کیا جو آج بھی امریکی آئین کا حصہ ہے۔ اس نے یہ قانون پاس کیا کہ امریکی حکومت اپنی کرنسی خود جاری کرے گی اور فیڈرل ریزرو سے قرض نہیں لے گی۔ اس اقدام نے فیڈرل ریزرو اور صیہونی معاشی نظام کو ہلا کے رکھ دیا۔ کینیڈی نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ امریکی حکومت جتنی بھی کرنسی جاری کرے گی اس کے پیچھے سونا ہوگا۔ اس نے سونے اور چاندی کے سکے بھی جاری کیے جو کینیڈی ڈالرز کہلاتے تھے۔ کینیڈی ہاف ڈالر اور کینیڈی ڈالر کے اجراء نے چوروں اور لیٹروں پر مشتمل فری میسن صیہونیوں کے معاشی نظام میں طوفان برپا کر دیا۔ دوسری طرف امریکی ڈالرز چھاپ چھاپ کر پوری دنیا کو قرض دے رہے تھے۔ امریکی ڈالر ہی ایک پرائم کرنسی تھا۔ دنیا کا ہر ملک امریکی ڈالر ریزرو کرنسی کے طور پر جمع کر رہا تھا۔ 60ء کی دہائی میں اکثر ملکوں نے اپنے سونے کے ریزرو بھی بنانے شروع کر دیئے۔ فیڈرل ریزرو نے یہ قانون بنایا تھا کہ آپ ہمیں 35 ڈالرز دیں ہم آپ کو ایک اونس سونا دیں گے لہذا کئی ملکوں نے سونا خریدنا شروع کر دیا۔ چونکہ یہ بات فیڈرل ریزروز کے نظام میں شامل تھی لہذا ان کو لامحالہ سونا دینا پڑتا تھا۔

دو باتیں یہودیوں کے لیے انتہائی پریشانی کا باعث تھیں۔ پہلی یہ کہ ہر ملک نے ڈالر کو ریزرو کرنسی کے

طور پر جمع کرنا شروع کر دیا تھا اور وہ ڈالرز کے بدلے سونا بھی خرید رہے تھے۔ نتیجتاً فیڈرل ریزرو کے سونے کے ذخائر کم ہونا شروع ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کا 80 فیصد سونا جو یہودی پوری دنیا سے لوٹ کر لے گئے تھے، اب واپس باقی دنیا کے پاس پہنچنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ امر یہودیوں کیلئے نا قابل قبول تھا۔ دوسری جانب کینیڈی نے یہ کہا کہ فیڈرل ریزرو کے مقابلے میں امریکہ اپنی کرنسی جاری کریگا اور فیڈرل ریزرو سے قرض نہیں لے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ امریکی حکومت کی حالت مستحکم ہوتی جائے گی اور وہ آہستہ آہستہ اپنا قرض اتارنے کے قابل ہو جائے گی۔ ان ہی دو وجوہات کی بنا پر کینیڈی کو قتل کروایا گیا۔ اس کو کسی پاگل کمیونسٹ نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ اس کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ اس نے فیڈرل ریزرو سسٹم کو چیلنج کیا تھا۔ قبل ازیں ابراہم لنکن کو بھی اسی وجہ سے قتل کروایا گیا اور اینڈریو جیکسن کو بھی ذلیل ورسوا کیا گیا۔ نیز امریکہ کی معیشت کو تباہ کر دیا گیا۔

کینیڈی کے خاندان کو فیڈرل ریزرو سسٹم کو چیلنج کرنے کی اتنی سخت سزا دی گئی کہ اس کے بعد کینیڈی خاندان میں کوئی شخص سیاست میں نہیں آیا۔ اگر کسی نے آنے کی کوشش بھی کی تو اسے قتل کروا دیا گیا اور دنیا کو یہ دکھایا گیا کہ وہ حادثاتی موت تھی۔ یوں یہودیوں نے اس خاندان کو تباہ و برباد کر دیا۔ کینیڈی ایک اچھا امریکی تھا۔ اس نے ویت نام سے امریکی فوجیں واپس بلوانے کی بھی بات کی تھی اور تقریباً وہی باتیں کی تھیں جو رون پال اپنی صدارتی مہم میں کر رہا تھا۔ کینیڈی کا بنایا ہوا قانون آج بھی امریکی آئین کا حصہ ہے مگر اسکا حشر دیکھنے کے بعد کوئی بھی اس قانون پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

فیڈرل ریزروز نے جب دیکھا کہ ان کے سونے کے ذخائر ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں تو انہوں نے 1971ء میں یہ اعلان کر دیا کہ آج کے بعد ڈالر کے پیچھے بھی سونے کی طاقت نہیں ہو گی اور ڈالر بھی فلوٹنگ کرنسی ہے۔ فریکشنل ریزرو سسٹم کے ذریعے انہوں نے پیپر کرنسی بھی غائب کرنا شروع کر دی اور لوگوں کو الیکٹرونک کرنسی میں قرضے دینے شروع کر دیئے۔ اس وقت بھی دنیا کی تجارت الیکٹرونک کرنسی میں ہو رہی ہے۔ عملی طور پر کاغذ بھی منظر سے غائب ہو چکا ہے۔

انسانی فطرت یہ بات ماننے سے قاصر ہے کہ ایسا معاشی نظام مستحکم ہو سکتا ہے جس میں حقیقی کرنسی نہ

پائی جاتی ہو۔ بالفرض الیکٹرونک کرنسی کے نظام کی موجودگی میں سیٹلائیٹ اڑ جاتے ہیں اور بجلی فیل ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں پوری دنیا کی معیشت تباہ و برباد ہو جائے گی۔

کیا آپ روتھس چائلڈز کی دولت کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟ امریکی قوم اور امریکی حکومت کا قرض 75 ٹریلین ڈالر ہے جبکہ روتھس چائلڈز کی دولت کا اندازہ پانچ سو ٹریلین ڈالر لگایا گیا ہے۔ ایسے میں قارون کی یاد آ جاتی ہے جسے موسیٰ نے کہا۔

''احسان کرو مخلوق کیساتھ، جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ اچھائی کی''۔

اور اس نے جواب دیا کہ

''یہ سب اللہ کا احسان نہیں بلکہ میں نے یہ سب اپنی قوت سے کمایا ہے''۔

قارون کے خزانے کی چابیاں چالیس اونٹوں پر آتی تھیں۔ اس سے اسکے خزانے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آج روتھس چائلڈز کا بھی یہی حال ہے۔ انہوں نے اپنے تہہ خانوں میں سونے کے انبار جمع کیے ہوئے ہیں۔ پوری دنیا کی اصل دولت کی نصف مقدار ان یہودی سود خوروں مثلاً روتھس چائلڈز اور فیڈرل ریزرو وغیرہ نے اکٹھی کی ہوئی ہے۔ ان کے پاس اتنی طاقت ہے کہ امریکی قوم ان کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔

ہم امریکہ کو یہ بات واضح طور پر بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کا مقصد امریکہ کو طاقتور بنانا نہیں ہے بلکہ وہ صرف اسے استعمال کر رہے ہیں تا کہ دنیا میں تباہی پھیلائی جا سکے۔ انہوں نے 25 کروڑ امریکی عوام کو غلام بنایا ہوا ہے۔ ایک محنتی امریکی شہری پورا دن کام کرتا ہے۔ اسکے بعد وہ اپنی ساری کمائی سود خوروں کو سود کے طور پر ادا کر دیتا ہے۔

امریکی حکومت کی صورتحال یہ ہے کہ وہ اپنے جنگی اخراجات پورے کرنے کیلئے سعودی عرب، چین اور جاپان سے قرض لے رہی ہے۔ امریکہ فیڈرل ریزرو کا اتنا زیادہ مقروض ہو چکا ہے کہ اب وہ دوسرے ملکوں سے نسبتاً کم ریٹ پر قرضہ لے کر خود کو مستحکم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ماضی میں امریکہ میں افراط زر اس لیے زیادہ نہیں تھا کیونکہ انکو جو ایندھن میسر تھا وہ تقریباً مفت تھا۔ انہوں نے 1860ء میں پہلی مرتبہ تیل دریافت کیا۔ 1970ء تک (یعنی 110 سال تک) انہوں نے تیل

کی قیمت 3 ڈالر فی بیرل سے کم رکھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ کیونکہ مسلمان ملکوں میں صنعتی پیداوار نہیں تھی۔ تمام تر صنعتیں اور ٹرانسپورٹ مغرب کے پاس تھی اور مغرب کو سستا تیل چاہیے تھا۔ مغربی ملکوں نے تیل کی قیمت انتہائی کم رکھی کیونکہ تیل مسلم ممالک میں پایا جاتا تھا۔ سستے تیل کی فراہمی کی بدولت انہوں نے اپنی معیشت کو تو بہتر بنا لیا لیکن امریکی قوم کو کنزیومر سوسائٹی بنا دیا اور ہر امریکی شہری کو قرضے کی لت میں ڈال دیا۔ جب آپ ڈالر چھاپ رہے ہوں تو آپ کو دنیا سے خریدی جانے والی چیزیں مفت پڑتی ہیں۔ تیل بھی ان کو مفت ہی مل رہا تھا کیونکہ تیل کی جو قیمت وہ مسلمانوں اور اوپیک (OPEC) کو ادا کرتے تھے، وہ مسلمان واپس انہی کے بینکوں میں جمع کروا دیتے تھے۔ یوں وہ ایک ہاتھ سے مسلمانوں کو ڈالر دیتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیتے تھے۔ تسلی یہ دی جاتی کہ ہم آپ کو سود ادا کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا اپنے ریز روڈ الرمیں بناتی تھی کیونکہ تیل کا کاروبار ڈالرز میں ہوتا تھا۔

ان کا طریقہ واردات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ 1971ء کے بعد ان کو کرنسی چھاپنے کی بھی ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ الیکٹرانک کرنسی آ چکی تھی۔ انہوں نے پاکستان سے بھی رجوع کیا اور کہا کہ ہم ترقیاتی کاموں کیلئے آپ کو ایک ارب ڈالر دیں گے۔ پاکستانی حکومت بہت خوش ہوئی۔ امریکی حکومت نے سٹیٹ بینک کے اکاؤنٹ میں صرف رجسٹر ڈ انٹری کر دی کہ ہم نے ایک ارب ڈالر منتقل کر دیئے ہیں۔ کوئی پیسہ یا سونا وہاں سے یہاں منتقل نہیں ہوا۔ صرف الیکٹرانک منتقلی ہوئی۔ اس کے مطابق پاکستانی قوم ایک ارب ڈالر کی مقروض ہو چکی ہے۔ اب پاکستانی قوم سے کہا جاتا ہے کہ ایک ارب دو کروڑ ڈالر واپس کریں بمعہ سود۔ یہ وہ نظام ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا ان کی غلام بنی ہوئی ہے۔

صیہونیوں کی معاشی سازشیں

صیہونیوں کا اصل چہرہ نہایت مکروہ ہے۔ان کی حقیقت آشکار ہونے کے بعد انسان خوف اور دہشت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔لیکن در حقیقت مضبوط نظر آنے والا یہ نظام نہایت کمزور ہے۔وہ صرف مکاری سے کام لے رہے ہیں اور اللہ رب العزت ان کی چال سے خوب واقف ہے۔فرمان خداوندی ہے کہ وہ (اللہ) تمام منصوبہ سازوں سے بہترین منصوبہ ساز ہے۔صیہونیوں نے اتنا بڑا انظام قائم تو کر دیا ہے مگر یہ ایسی ایک بلا بن گیا ہے جو خود ان کے کنٹرول میں بھی نہیں ہے۔۔علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

ے یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی

یہ نظام اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔انہوں نے امریکہ میں ایک ایسا نظام متعین کیا ہے کہ امریکی معیشت اب محض ایک ڈیجیٹل معیشت بن کر رہ گئی ہے۔ہر شخص مقروض ہے۔حقیقی دولت موجود ہی نہیں ہے۔اب لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ آپ کریڈٹ کارڈ استعمال کریں۔ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ کرنسی نوٹ استعمال نہ کریں۔دکاندار اپنی رقم آپ کے ڈیبٹ کارڈ سے نکالے گا اور تنخواہیں آپ کے اکاؤنٹس میں جائیں گی۔ پیسے ڈیبٹ کارڈ سے کٹتے رہیں گے اور کرنسی کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔کوئی بھی شخص جب کریڈٹ کارڈ یا ڈیبٹ کارڈ کا استعمال کرتا ہے تو اس ٹرانزیکشن کو ان کے کمپیوٹر کنٹرول کرتے ہیں اور با آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص نے ٹرانزیکشن کی ہے۔آپ سنگاپور کے کسی بینک سے پیسے نکالیں۔ جاپان میں آپ کسی ہوٹل میں یا کسی کافی شاپ میں جاکے کافی پیئیں، نیویارک میں آنے کے بعد کپڑے خریدیں یا ترکی میں ٹکٹ بک کریں۔آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں، وہ آپ کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

امریکی ڈالر پر احرام مصر کی شکل کا ایک آنکھ کا نشان ہے۔جس کا ذکر پچھلے ابواب میں ہوا تھا۔ یہ ایسی آنکھ ہے جو پوری دنیا پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ایسی ہی آنکھ نیویارک کے سب وے سٹیشن پر بھی نظر آتی ہے۔امریکہ میں کئی جگہوں پر یہ نشان نظر آئیگا۔ یہ اصل میں انسانوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم ہر جگہ

تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔صیہونی علی الاعلان یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم دنیا میں ایک عالمی سلطنت اور حکومت بنانا چاہتے ہیں جہاں ہر انسان ہمارا غلام ہوگا۔ہم اس کی نگرانی کریں گے اور کوئی انسان اس نظام سے باہر کام نہیں کر سکے گا۔ان لوگوں نے کریڈٹ کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ سے نہ صرف پوری دنیا کو مقروض کیا ہوا ہے بلکہ ان کارڈز کو جاسوسی کیلئے بھی استعمال کیا جانے لگا ہے۔دنیا کا ہر انسان حیران ہے کہ وہ جو بھی کر رہا ہو، ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے کہاں سے کتنے روپوں کی منتقلی کی ہے۔غرض یہ کہ اب آپ کی زندگی کا کوئی پہلو خفیہ نہیں رہا۔

اب صیہونیوں کا زیادہ انحصار RFID چپس پر ہے جو ایک برقی سرکٹ ہے۔انہوں نے یہ تصور دیا ہے کہ اب ڈیبٹ کارڈ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔آپ کے ہاتھوں یا جسم میں انجیکشن کے ذریعے یہ برقی چپ داخل کردی جائے گی اور یہ چپ آپ کا شناختی کارڈ ، ڈرائیونگ لائسنس اور بینک اکاؤنٹ ہوگا۔اس کا تجربہ امریکی قوم پر کیا جائے گا۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا کی سب سے احمق قوم امریکی ہیں۔یہودی جو چاہے ان سے منوا لیتے ہیں۔میڈیا ان میں اتنا جوش اور ولولہ پیدا کرتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں جیسے یہ کوئی آسمانی حکم ہو۔امریکی اب خود اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کر رہے ہیں کہ ان کے جسم میں RFID چپس داخل کرنے کا تجربہ کیا جائے۔اس سے یہ ہوگا کہ یہ چپس جب جسم میں داخل کی جائے گی تو پوری دنیا میں بالعموم اور امریکہ میں بالخصوص آپ جہاں بھی سفر کریں گے، شاپنگ کریں گے، کوئی ٹکٹ خریدیں گے، ہوٹل میں کھانا کھائیں گے، کوئی نقدی، رقم یا کارڈ دینے کی ضرورت نہیں۔آپ خود جائیے۔آپ کے اوپر سے صرف میٹر ریڈر ریڈنگ لے گا۔ان کا کہنا ہے کہ آپ دنیا میں کہیں بھی ہوں گے، آپ کے سیکورٹی کے لیے ہم آپ کا سراغ لگا لیں گے۔چونکہ دہشت گردی کا خطرہ ہے لہذا آپ یہ چپس اپنے جسم میں داخل کیجیے۔انکا اصل مقصد لوگوں کو غلام بنانا ہے۔یہ چپس جرائم پیشہ افراد کے اندر بھی لگائی جا رہی ہیں تا کہ اس کے ذریعے ان پر نظر رکھی جا سکے۔

RFID چپ

جس طرح کتوں کے گلوں میں پٹے ڈالے جاتے ہیں اس طرح اب یہ انسانوں کے ساتھ بھی یہی

معاملہ کر رہے ہیں۔ اب جس انسان کو انہوں نے پکڑنا ہوگا تو وہ صرف یہ کریں گے اس کی چپ آف (off) کر دیں گے۔ پھر وہ شخص نہ کچھ خرید سکے گا اور نہ ہی کہیں سفر کر سکے گا۔ انہوں نے جگہ جگہ شہروں میں سینسر لگائے ہوئے ہیں کہ جب کوئی شخص ریلوے سٹیشن یا ایئر پورٹ سے گزرے گا تو اس کی ڈاکومنٹیشن خود بخود ہوتی رہے گی کہ یہ شخص جس میں ٹیگ (Tag) لگا ہوا ہے وہ یہاں سے اس وقت گیا ہے اور جس شخص کا ٹیگ بند ہوگا اس کو وہیں روک لیا جائے گا یعنی پورا شہر جیل خانہ بن جائیگا۔ کوئی بھی انسان آزادی سے گھوم پھر نہیں سکے گا۔ یہ کوئی کہانیاں نہیں ہیں۔ انہوں نے واقعی انسانوں میں ٹیگ ڈالنا شروع کر دیے ہیں۔ امریکہ میں یہ سب تحفظ اور آزادی کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا ہے کہ آپ آسانی سے جو چاہے خرید سکتے ہیں اور جہاں چاہے گھوم پھر سکتے ہیں۔ لہذا سونا ہمارے پاس جمع کروا کے رسیدیں حاصل کرلو۔ کل وہ کہیں گے کہ یہ چپس لے جاؤ، سارے کام اس سے ہوجائیں گے۔ Satellite Tracking System کے ذریعے سراغ لگانے کے منصوبے پر بھی کام شروع کیا گیا ہے۔ کائنات میں اب تک اس سے بڑا اغلامی کا کوئی منصوبہ تیار نہیں کیا گیا۔ ہم جس دور میں رہ رہے ہیں اس کے بارے میں حضورؐ نے احادیث مبارکہ میں نشانیاں بتائی ہیں کہ فتنے ہمارے گھروں میں اس طرح داخل ہو رہے ہوں گے جیسے بارش کے قطرے برس رہے ہوتے ہیں۔ اب بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمام انبیاء نے کیوں اپنی امتوں کو دجال کے فتنے سے ڈرایا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد بریٹین ووڈ کے معاہدہ میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دنیا میں جتنی بھی کرنسیاں ہیں، وہ سونے کی نہیں ہونگی۔ اسی دور میں انہوں نے آئی ایم ایف اور اقوام متحدہ کی بنیاد بھی رکھی۔ اس کے بعد اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ اقوام متحدہ ایک صیہونی ادارہ ہے جو کہ صیہونیوں کے پروٹوکول کے مطابق بنایا گیا ہے۔ یہ عالمی حکومت بنانے کا ایک تجربہ ہے جس کو صیہونی چلائیں گے۔ اس میں تمام حکومتیں ان کی رکن ہونگی جو کہ صوبوں یا ریاستوں کی طرح ہوں گی۔ اقوام متحدہ درحقیقت ایک فریب ہے۔ بغور جائزہ لیا جائے تو اقوام متحدہ نے آج تک کوئی بڑی جنگ نہیں رکوائی۔ بلکہ جنگیں رکوانے کے بجائے اس نے جنگیں برپا کی ہیں۔

2006ء میں حزب اللہ اور اسرائیل کی فوج کے مابین زبردست لڑائی ہوئی جس میں اسرائیلی فوج نے

اقوام متحدہ کے ایک کمپاؤنڈ کو بموں سے اڑا دیا۔اقوام متحدہ نے کچھ نہیں کیا۔اس سے پہلے انہوں نے لبنان اور فلسطینیوں کے مہاجر کیمپوں میں قتل عام کیا۔اقوام متحدہ نے اس سے متعلق بھی کچھ نہیں کیا۔اقوام متحدہ عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے ذریعے قوموں کو غلام بناتی ہے۔ یہ لوگوں کو ایسے سبز باغ دکھاتے ہیں کہ لوگوں کو سرمایہ دارانہ نظام پر یقین ہونے لگتا ہے۔لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بہترین زندگی بسر کرنے کا طریقہ اس نظام کے ذریعے ملتا ہے تو پھر ہم کہیں اور کیوں جائیں۔

دوسری طرف 25 کروڑ امریکی عوام دو وقت کی روٹی کیلئے خوار ہو رہی ہے۔انسان جو کچھ کماتے ہیں، وہ بھی بچت وسود کی نذر ہو جاتا ہے۔اب امریکہ میں بھی یہ تشویش پائی جارہی ہے کہ یہ نظام ان کے ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے۔اب ان کے پاس صرف چار ٹریلین ڈالر کے بینک نوٹ ہیں اور امریکہ 75 ٹریلین ڈالرز کا مقروض ہو چکا ہے۔امریکی حکومت قیامت تک کوشش کرے تو بھی یہ قرض ادا نہیں کرسکتی۔لہذا وہ مکمل طور پر روتھس چائلڈز اور دوسرے صیہونی بینکرز کی غلام بن چکی ہے۔لیکن اب تمام ممالک جنہوں نے اپنے فارن ایکسچینج ریزرو ڈالر میں بنائے تھے، ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ امریکی حکومت دیوالیہ ہوگئی ہے۔

جب ایک آدمی حد سے زیادہ مقروض ہو جائے تو لوگ اس کو مزید قرض دینا بند کر دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ روس، چین، جاپان، سعودی عرب اور خلیجی ممالک جن کے پاس ڈالرز کے انبار لگے ہوئے ہیں، وہ امریکی حکومت کو قرض دینے سے ہچکچا رہے ہیں اور مزید یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ اپنے ڈالرز کے ذخائر یورو میں تبدیل کریں۔ریزرو دوسری کرنسی میں تبدیل ہونے شروع ہونگے تو یہ تمام ڈالر واپس امریکہ جائیں گے۔نتیجتاً ان کا معاشی نظام تباہ ہو جائیگا۔

اب پوری دنیا میں امریکی ڈالر کی قیمت گر رہی ہے۔اس کا حل وہ یہ نکال رہے ہیں کہ شمالی امریکہ کا ایک اتحاد بنایا جائے جس میں کینیڈا، شمالی امریکہ اور میکسیکو شامل ہوں۔اسکے بعد ڈالرز کو کرنسی کے طور پر ختم کیا جائیگا۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پوری دنیا میں جس کسی نے بھی ڈالرز میں اپنے اثاثے رکھے ہونگے ان کی ذمہ داری امریکی حکومت پر نہیں ہوگی۔ یہ ردی کے کاغذ مزید استعمال نہیں کیے جاسکیں گے۔امریکہ نئی کرنسی جاری کرے گا جس کا نام انہوں نے ''ایمرو'' رکھا ہے۔جس طرح یورو کا بلاک بنا ہے اسی طرح

امریکہ ایمرو کے نام سے ایک بلاک بنا رہا ہے۔

یہ سارا منصوبہ تیار ہے اور کسی مناسب وقت میں اس پر عملدرآمد شروع ہو جائیگا۔ جب دنیا کے تمام بڑے بڑے ممالک ڈالر کو دوسری کرنسی میں تبدیل کرنا شروع کر دیں گے تو ڈالر کی قیمت گر جائے گی اور امریکیوں کو ہر چیز مہنگی ملنا شروع ہو جائے گی۔ ڈالر کی قدر میں کمی کی وجہ سے ان پر اتنا قرضہ چڑھ چکا ہے کہ اس کی ادائیگی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ اگر انہوں نے ڈالر کو ختم کر دیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ ایمرو کو کرنسی کے طور پر رائج کر دیا جائے تو پھر دنیا کی معیشت کا کیا حشر ہوگا۔ دنیا میں تو لوگوں کے پاس ڈالرز یعنی ردی کے کاغذ بھی نہیں ہیں اور لوگوں نے صرف کریڈٹ کارڈز اور ڈیبٹ کارڈ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک ڈیجیٹل معیشت ہے۔ ایک خوفناک معاشی نظام ہے جسے یہ پچھلے چار سو سال سے چلاتے چلے آ رہے تھے۔ اب اس نظام کا زوال بہت قریب ہے۔

صیہونیوں نے اپنے اثاثے سونے میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہی کہ تیل کی قیمتیں آسمان پر کیوں جا رہی ہیں اور سونا اتنا مہنگا کیوں گیا ہے۔ صیہونی اپنے اثاثے نکال کر سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ ہر ممکن طریقے سے تیل خریدا جا رہا ہے۔ تیل بھی حقیقی دولت ہے۔ لہذا یہ لوگ بڑی ہوشیاری سے اس تباہ حال معاشی نظام سے بچنے کے لیے اپنے اثاثے اور اپنے سٹاکز نکال رہے ہیں۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ عالمی معیشت تباہ ہونے والی ہے۔ عالمی معیشت ایک ایسی نہج پر پہنچ چکی ہے کہ آنے والے وقت میں جنگ کا سبب بن سکتی ہے۔

صیہونی بینکاری کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ جس معاشرے میں یہ رہ رہے ہیں خود ہی اس کو ہڑپ کر رہے ہیں یعنی انہوں نے امریکی قوم کو غلام بنایا ہوا ہے اور ان کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کا ہونا ہی فتنہ ہے۔ یہ جس جگہ بھی جائیں گے، فساد پھیلائیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر تھوڑے عرصے کے بعد عیسائی یہودیوں کو اپنے بیچ سے مار کے نکال دیتے ہیں۔ انکا مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ یہودیوں کے علاوہ پوری دنیا کے انسان، انسان ہی نہیں ہیں اور ان کا خون اور ان کا جان و مال ان کے لیے جائز ہے۔ کسی بھی ملک کو ہڑپ کرنے کیلیئے ان کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ اس قوم پر، مکار، بدکردار اور بددیانت حکمران مسلط کر دیا جاتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے مصر کے خزانے کے امور کو سنبھالنا شروع کیا تو

آپؐ نے دوخوبیوں کا ذکر کیا۔فرمایا''میں حفیظ بھی ہوں اورعلیم بھی ہوں''یعنی میں اس معاشی نظام کوسمجھتا بھی ہوں اور چلانا بھی جانتا ہوں اور میں خیانت بھی نہیں کرتا یعنی میں حفاظت کرنے والا ہوں۔صیہونی اس شخص کوملک کا سربراہ بناتے ہیں جس میں یہ خوبیاں نہ ہوں۔وہ حکمران ان ممالک کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

آئی ایم ایف اور عالمی بینک کے ذریعے کسی ملک کوقرضہ دیا جاتا ہےتو اس کی کئی شرائط ہوتی ہیں۔ اسکےعوض سٹیٹ بینک میں اپنی مرضی کےلوگوں کوتعینات کیا جاتا ہے۔سی بی آر،نجکاری اورمنصوبہ بندی کمیشن میں ان کے آدمی ہوتے ہیں۔اسکےعلاوہ خاص اہمیت کی حامل جگہیں جہاں ملک کے معاشی اور دفاعی فیصلے کیے جاتے ہیں وہاں یہ حفیظ اورامین کی جگہ خائن اور بدکارلوگ متعین کرتے ہیں۔ہماری تاریخ ایسےلوگوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ملک کونقصان پہنچایا۔یہ لوگ مالی امورکی نگرانی کررہے تھے۔

ہم بڑے بڑے عہدوں پرمتعین افراد باہر سے درآمد کررہے ہیں۔حتیٰ کہ ہمارے کئی وزراءاعظم ان بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے باقاعدہ ملازم رہے ہیں۔وہ عالمی بینک اورآئی ایم ایف کے متعین کردہ ہوتے ہیں۔اس پورے کھیل کوسمجھنے کے لیے جان پرکنز(John Perkins) کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت اورمعلوماتی کتاب(The Confessions of an Economic Hitman) کا مطالعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس کتاب کا مصنف آئی ایم ایف میں کام کرتا رہاہےاوراس نے ساری عمرآئی ایم ایف کےساتھ مل کرملکوں کوتباہ کیا۔اب آخری عمر میں اس نے یہ کتاب لکھ کراپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔یہ شخص حکومتیں گرانے،بغاوتیں برپا کرنے اورملکوں کو ہڑپ کرنے میں ملوث رہا ہے اوراس کا ثبوت کتابی صورت میں موجود ہے۔یہ لوگوں کورشوت اور دھمکیاں دے کر اپنے مقاصد حاصل کرتا رہا۔آپ حیران ہونگے کہ ہمارے ملک کے کتنے حکمران ان اداروں میں سابق ملازم رہ چکے ہیں اور ان کے بینک اکاؤنٹس دوسرے ممالک میں ہوتے ہیں۔وہ ان کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے کہنے پرعمل کروگےتو تمہاری حفاظت بھی کریں گےاورحکومت بھی دیں گےاوراگر
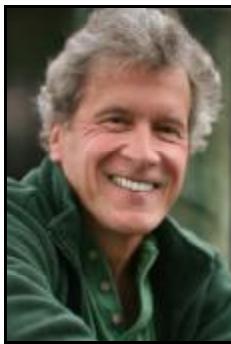
جان پرکنز

ہماری حکم عدولی کی تو تمہارا خاتمہ کر دیں گے۔

1953ء میں مصدق ایران کے وزیراعظم تھے۔انہوں نے ایران کے تیل کے تمام ذخائر قومی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا۔سی آئی اے نے باقاعدہ مہم جاری کر کے اپنے آدمی ''روسٹٹ سٹڈی روز ویلٹ'' کے ذریعے بغاوت کروا کر حکومت کا تختہ الٹ دیا۔انہوں نے تجارتی یونین اوراخبارات کوخریدا اور بغاوت برپا کرنے کیلئے بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔اس کے بعد رضا شاہ پہلوی کوحکومت میں لے کر آئے جوکہ ان کا سب سے بڑا نوکر و غلام تھا۔ 1974ء میں شاہ فیصل نے امریکہ کے خلاف یہ اقدام کیا کہ انکا تیل بند کر دیا۔انہوں نے شاہ فیصل کوقتل کروا دیا۔ یہ ان کا بلٹ فارمولا ہے جس کے ذریعے یہ کام کرتے ہیں۔

زمین کے خزانے نجی نہیں بلکہ سرکاری ملکیت ہوتے ہیں۔نجکاری مسلمان معاشرے میں نہیں پنپ سکتی۔فائر فیول اینڈ پریشر یعنی آگ جس میں کوئلے اور گیس سے لیکر پٹرولیم بھی شامل ہے اس کے علاوہ پانی کے تمام ذخائر اور جنگلات جوکہ تمام مسلمانوں کی ملکیت ہیں،انکی نجکاری نہیں کی جاسکتی۔زمینی خزانے مثلاً تانبا،سونا،کوئلہ اور تمام معدنیات ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں۔یہ ملکی منبع ہیں۔اب صیہونی پاکستان کونشانہ بنا رہے ہیں تا کہ پاکستان کے عوام کو غلام بنائیں اور قدرتی وسائل پر قبضہ کریں۔اس کے لیے پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ غدار لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے۔ ہمارا بیڑہ غرق کرنے کیلئے میر جعفر اور میر صادق جیسے غدار کافی ہوتے ہیں۔

ہماری تاریخ میں یہ سلسلہ چلتا رہا ہے۔ یہ انکا پہلا قدم ہوتا ہے۔اس کے بعد اگلا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر وہ اس ملک کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم آپ کو ایک ارب ڈالر قرضہ دینا چاہتے ہیں۔ وہ قرضہ نہیں دیتے بلکہ صرف اکاؤنٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ حکمرانوں کو اہداف دیتے ہیں جن کا مقصد صرف اور صرف ملک وقوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا ہوتا ہے۔انہوں نے پاکستان کو مقروض کر دیا ہے اور یہاں اپنے ایجنٹ بٹھا دیئے ہیں۔وہ پاکستان سے کہتے ہیں کہ چونکہ ہم نے آپ کو ڈالر میں قرض دیا ہے لہذا ہم ڈالر میں ہی آپ سے سود لینگے اور ہم وہ سود دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ پاکستان سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے قدرتی زمینی خزانے ہمیں برآمد کریں۔

آپ حیران ہونگے کہ قدرتی اشیاء غریب ملک برآمد کرتے ہیں لہذا ان کی قیمتیں پچاس پچاس سال

اپنی جگہ پر رہتی ہیں، بڑھتی نہیں ہیں۔ایک بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ وہ حقیقی دولت لے کر ہمیں ردی کاغذ کے ڈالر بھی نہیں دے رہے۔ بلکہ صرف لکھ رہے ہیں اور جو نقدی دے رہے ہیں وہ بھی سود کی ادائیگی میں واپس لے جاتے ہیں۔وہ بتدریج ہمارا ملک لوٹ رہے ہیں۔وہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعے ہمارے بدعنوان حکمرانوں پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ کرنسی کو ڈی ویلیو کریں۔مثلاً اگر ڈالر دس روپے کے بجائے بیس روپے کر دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مزدور جو ایک دن کام کر کے ایک ڈالر کماتا تھا،اب وہ دو دن کام کر کے ایک ڈالر کمائے گا یعنی پورے ملک نے جو قرضہ پانچ سال میں اتارنا تھا،اب وہ قرض دس سال میں اتارے گا۔یوں یہ تاریک دور ختم ہی نہیں ہوتا۔جب ملک قرضہ اتارنے کے قریب پہنچتا ہے تو وہ کرنسی ڈی ویلیو کروا دیتے ہیں اور اس ملک میں فساد،جنگیں یا خانہ جنگی کروا دیتے ہیں اور یا پھر حکومتوں کا تختہ الٹ دیتے ہیں۔

آج پاکستان سیاسی بحران کا شکار ہے۔ پاکستان کے سیاستدانوں اور سی آئی اے کا اس میں بہت اہم کردار ہے۔دنیا کی سب سے بڑی دہشت گرد تنظیم سی آئی اے ہے جو حکومتوں کے تختے الٹتی ہے اور محبّ وطن حکمرانوں اور بادشاہوں کو قتل کراتی ہے۔ایک بات ہماری قوم کو معلوم نہیں کہ جمہوریت کا سب سے بڑا فساد جو ہم پر مسلط کیا جاتا ہے،وہ سی آئی اے اور صیہونیوں کا ایجنڈا ہے۔ان لوگوں کو اس بات سے بہت تکلیف ہوگی جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جمہوریت اس ملک کے مسائل کا سب سے بڑا حل ہے۔درحقیقت اس وقت ملک میں جمہوریت نہیں ہے۔جہاں سی آئی اے کی فنڈنگ ہوتی ہو،جہاں حکمران اور میڈیا خریدا جا چکا ہو،غداروں کی بھرمار ہو اور ڈھائی سو سیاسی جماعتیں ہوں وہاں سیاسی استحکام کیونکر ہو سکتا ہے۔اپنے ملک میں تو انہوں نے دو سیاسی جماعتیں رکھی ہیں جبکہ دوسرے ممالک میں سینکڑوں سیاسی جماعتوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔جس ملک کو انہوں نے تباہ کرنا ہو اس میں سیاسی انتشار برپا کر دیا جاتا ہے۔اس ضمن میں علامہ اقبال کا ایک خوبصورت شعر ہے۔

اگر فکر ہو خام تو آزادیء افکار
قوموں کو تباہ کرنے کا ہے بہانہ

یعنی اگر قوموں کو تباہ کرنا ہو تو بیوقوف لوگوں کو آزادی اظہار دے دو۔ ہمارے میڈیا کو دیکھ لیجیئے۔وہ

غیر ضروری بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ سیاستدانوں کو دیکھ لیجیے۔ ہمیں کبھی جمہوریت تو کبھی آمریت جیسے تصورات کے ذریعے بیوقوف بنایا جاتا ہے۔ ہمیں محکوم رکھنے کیلئے سی آئی اے کی طرف سے مالی امداد دی جاتی ہے۔ یہاں کوئی بھارت کے ہاتھوں بکا ہوا ہے تو کوئی امریکہ کے ہاتھوں۔ جو لوگ ملک کیلئے کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو قتل کر دیا جاتا ہے یا کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا جاتا۔ پھر جب ملک قرض ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا تو ملک میں فسادات اور انتشار برپا کر کے ملک کی کرنسی ڈی ویلیو کر دی جاتی ہے۔

دنیا میں سٹیل کی بہت مانگ ہے۔ ہمارا اسٹیل کا خرچ کم از کم تین سو ارب ڈالر تھا۔ ان بدعنوان حکمرانوں نے 21 ارب ڈالر میں سٹیل مل بیچ ڈالی۔ بعد میں اسکو روک دیا گیا۔ حبیب بینک پلازہ کی قیمت 140 ارب تھی۔ اس کو 14 ارب میں بیچ ڈالا گیا۔ پی ٹی سی ایل کی قیمت تقریباً آٹھ سو یا نو سو ارب ہونی چاہیے تھی۔ اس کو تقریباً 120 ارب بشمول کسٹم کے بیچ ڈالا گیا۔ دنیا میں سونا اور پیتل جیسے قدرتی وسائل پاکستان میں دریافت ہوئے ہیں اور پاکستانی قوم کو معلوم بھی نہیں کہ گزشتہ حکومت نے قوم کو بتائے بغیر خاموشی سے صیہونیوں کے ہاتھ سب بیچ ڈالے۔ بلوچستان میں ایک مقام پر دنیا کا سب سے بڑا سونے کا ذخیرہ دریافت ہوا ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ استعمال ہونے والی چیز پیتل ہے کیونکہ یہ بجلی کی تاروں اور پنکھوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ گزشتہ حکومت نے ایک معاہدہ کیا کہ پیتل کے ذخائر میں وفاقی حکومت اور پاکستانی قوم کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ نہ ہی سٹاک ایکسچینج میں ان کا حصہ ہے۔ صرف بلوچستان حکومت کو 25 فیصد حصہ دیا گیا ہے۔ 25 فیصد سونا باہر کی کمپنی لے جائے گی جس کو صیہونی کنٹرول کرتے ہیں۔ اس سونے کو نکالنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے اور وہاں پلانٹ لگا دیئے گئے ہیں۔ اس ضمن میں سارا خرچ بلوچستان حکومت کر رہی ہے۔ جب کہ سارا فائدہ صیہونیوں کو پہنچ رہا ہے۔ یہ قوم کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اگر یہ حکومت غیرت مند ہے تو یہ معاہدہ فوراً ختم کروا سکتی ہے۔

یہ زمین کے خزانے ہیں جو پاکستانی قوم کی فلاح کیلئے استعمال ہونے چاہئیں۔ پاکستان میں کروڑوں روپے کے معدنی ذخائر ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا کوئلے کا ذخیرہ لکھڑا سندھ میں ہے۔ امریکہ ابھی تک تیس فیصد کوئلہ اپنے ملک میں توانائی پیدا کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے۔ چین میں اس کا تناسب 60 فیصد

ہے۔ انڈیا میں 40 فیصد ہے جبکہ پاکستان میں صرف ایک فیصد ہے۔ پاکستانی حکومت نے ابھی تک وہ کوئلہ نہیں نکالا جو ہماری سرزمین میں موجود ہے۔ منصوبے تیار ہوتے ہیں لیکن صیہونی ایجنٹ یہ کام نہیں ہونے دیتے کیونکہ اگر پاکستان اپنا کوئلہ استعمال کرنے لگے تو ہمارے توانائی اور ایندھن کے حوالے سے اخراجات بہت کم ہو جائینگے۔ اس بات کے بھی بہت زیادہ امکانات ہیں کہ کوئلے کے ان ذخائر میں ہیرے بھی موجود ہوں۔

Degas دنیا کی سب سے بڑی ڈائمنڈ کنٹرول کمپنی ہے۔ وہ یہاں سے کچھ نمونے لے جا چکی ہے۔ اللہ رب العزت نے اس ملک کو بیش بہا قدرتی خزانوں سے نوازا ہے۔ ہمارے سندھ، بلوچستان اور سرحد میں تیل اور گیس کے اتنے ذخائر ہیں کہ آپ کہیں بھی کنواں کھود یں، آپ کو یہ دونوں چیزیں ملیں گی۔

ملک دشمن عناصر نے بلوچستان لبریشن آرمی کی صورت میں اپنے اثاثے چھوڑ رکھے ہیں تا کہ صوبے میں قدرتی وسائل دریافت کرنے کا کام نہ ہو سکے۔ جو وسائل پہلے دریافت کیے جا چکے ہیں ان پر بھی دہشت گرد عناصر حملے کر رہے ہیں۔ جہاں تک گوادر کی بندرگاہ کا تعلق ہے تو اس کے بہت سے پہلو ہیں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ ہم یہ بندرگاہ چین کے تعاون سے بنا رہے ہیں۔

اس وقت پوری دنیا بشمول پاکستان کا بیڑا اغرق کیا جا رہا ہے۔ برازیل پر کئی سو ارب ڈالر کا قرضہ چڑھ چکا ہے۔ سود اور ربا ء پر مشتمل ان کے شیطانی نظام سے پورا کرہ ارض تباہ ہو رہا ہے۔ برازیل کے Rain Forest جو کہ ہزاروں میل رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں، ان کو جلایا جا رہا ہے تا کہ کاشت کاری کے لیے ان کے پاس زمین آ جائے۔ برازیل کا یہ جنگلی علاقہ دنیا کی 70 فیصد آکسیجن پوری کرتا ہے۔ اس علاقے کے جنگلات تباہ ہونے سے اوزون کی تہہ کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ دنیا میں آکسیجن کی قلت ہو رہی ہے۔ گلوبل وارمنگ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ فیکٹریاں دنیا میں 24 گھنٹے کام کر رہی ہیں۔ جن سے کاربن مونو آکسائیڈ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج ہو رہا ہے۔ برازیل جنگلات جلا کر زراعت کیلئے زمین اس لیے خالی کر رہا ہے تا کہ سود کا بوجھ اتار سکے۔ بین الاقوامی مالیاتی ادارے اور بینک ان کی جان کو آئے ہوئے ہیں۔ جبکہ جنگلات جلانے سے گلوبل وارمنگ ہو رہی ہے۔ سمندر آلودہ ہو رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں موجود گلیشیئر تیزی سے پگھل رہے ہیں۔ سمندر کی سطح بلند ہو رہی ہے اور یہ اندازہ لگایا گیا

ہے کہ آئندہ 25 سال میں سارا ساحلی علاقہ ڈوب جائیگا۔

ان بدبختوں نے اتنا فساد برپا کررکھا ہے کہ بارش جو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوا کرتی تھی اب تیزاب کی شکل میں برستی ہے جس سے زمین پر درخت، حیوان، انسان سب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ صیہونی دنیا میں غذائی قلت برپا کرکے لوگوں کو بھوکا مارنا چاہتے ہیں تاکہ دنیا کی آبادی کو کنٹرول کیا جاسکے۔ ہم نے اس باب میں بتایا ہے کہ یہ وہ مراحل ہیں جس کے ذریعے وہ دنیا کے مختلف ممالک کو کنٹرول کرتے ہیں۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو قدرت نے ہمیں ہر قسم کے قدرتی خزانوں سے نوازا ہے۔ ہمیں صرف حضرت یوسفؑ جیسے حکمران کی ضرورت ہے جو امین بھی ہو اور مخلص بھی۔ ہمیں دشمن کی چالوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ چینی فلاسفر Sun Tsu نے کہا تھا کہ "Know your enemy and know yourself" ۔ یعنی کامیابی کیلئے دشمن کے علاوہ اپنے آپ کو بھی جاننا ضروری ہے۔ اپنی صلاحیتوں کا ادراک رکھیں اور مایوس اور ناامید مت ہوں۔

پاکستان کی معاشی صورتحال

جیسا کہ پچھلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے کہ اگر آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور صیہونی بینک کسی ملک کو قرض دیتے ہیں تو اس قرض کے بدلے میں اس ملک سے حقیقی دولت وصول کرتے ہیں۔ جب وہ ملک قرض کی ادائیگی میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ کرنسی کی قدر میں کمی کر دیتے ہیں۔ جس کے باعث قرض دار ملک ان کے رحم و کرم پر آ جاتا ہے۔ اسکے بعد اس ملک کے اداروں کی نجکاری کا عمل شروع ہوتا ہے اور ان اداروں کو کوڑیوں کے بھاؤ خرید کر ملک کو اپاہج بنا دیا جاتا ہے۔ یہ معاملہ صرف پاکستان تک محدود نہیں ہے بلکہ بہت سے دوسرے ممالک بھی انہی مسائل کا شکار ہیں۔ درحقیقت صیہونی ان ممالک کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ صیہونیوں کا مقصد ہے کہ تمام انسانوں کو غلام بنائیں اور یہ تبھی ممکن ہے جب انہیں چھوٹے چھوٹے طبقات میں تقسیم کیا جائے۔ اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ قوم پرستی اور لسانی فسادات کو بھی ہوا دیتے ہیں۔ انہی حربوں کے نتیجے میں پہلی جنگ عظیم کے بعد بہت سے نئے ممالک وجود میں آئے۔ اب مشرق وسطیٰ کو بھی از سر نو ترتیب دینے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ چھوٹے ممالک قدرتی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور صیہونی نہایت آسانی سے انہیں اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔

موجودہ دور میں تمام ممالک صیہونیوں کے بینکاری نظام کے ذریعے تجارت کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ پاکستان اور ایران بھی لین دین اور قرضوں کی ادائیگی ڈالرز میں ہی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں ممالک بین الاقوامی تجارت سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے میں ناکام ہیں۔ یہی صیہونی نظام لاگو کر کے صیہونیوں نے ایک ایک کر کے دنیا کے تمام ممالک کو نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ اگر اپنا ملک اور اسلامی نظام بچانے کے لیے ہمیں اس نظام سے لڑنا بھی پڑے تو ہم ضرور لڑیں گے۔ پہلے صیہونیوں نے عراق اور افغانستان کو تباہ کیا اور اب وہ ایران اور پاکستان کو تباہ کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ صیہونی مسلمان ممالک کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں اور خود بڑے بڑے بلاک بنا رہے ہیں

تا کہ ان کا اپنا دفاع مضبوط رہے۔اس ضمن میں یورپی یونین اور شمالی امریکی یونین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

یہ لوگ نہیں چاہتے کہ پاکستان اور اسلامی ممالک، نیٹو یا ایشیائی خطے کے ساتھ سیکورٹی بلاک بنائے۔اسی لیے وہ پاکستان کو کمزور کر کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بلوچ لبریشن آرمی اور پختونستان کے دعویداروں کی پشت پناہی بھی کی جارہی ہے۔ بالکل اسی طرح کردستان میں بھی انہوں نے کردوں کو استعمال کیا اوراب مختلف ممالک کے صوبوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں تا کہ ان کے درمیان انتشار پیدا ہو اور ممالک ٹوٹ جائیں۔

ایک طرف لسانیت اور قومیت کو بنیاد بنا کر ملکوں میں فساد برپا کیا جارہا ہے اور دوسری طرف مسلمان ممالک کی آبادی کم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ان تمام کارروائیوں کا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک ان کے شکنجے میں جکڑے جائیں۔قدرتی وسائل سے مالا مال ملک جو ایٹمی طاقت بھی ہے،اسے قابو کرنا صیہونیوں کے لیے اتنا آسان نہیں ہے۔اس لیے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ صوبائیت، لسانیت اور قومیت کی بنیاد پر جنگیں برپا کر رہے ہیں۔

اکیسویں صدی کی امریکی خارجہ پالیسی 1974ء میں ہنری کسنجر نے ترتیب دی تھی۔ ہنری کسنجر نے

1974ء میں امریکی خارجہ پالیسی کے لیے ایک منصوبہ بنایا تھا۔جس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک کی آبادی کو کم کیا جائے کیونکہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی امریکی مفادات کیلئے نقصان دہ ہے۔ظاہر ہے اگر کوئی ملک آبادی اور وسائل کے لحاظ سے مضبوط ہو تو اس کو توڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس لیے ان کا پہلا قدم یہی ہے کہ ان ممالک کی آبادی کو کم کیا جائے اور ان کے قدرتی وسائل پر قبضہ کیا جائے۔اس کے بعد ان ممالک کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔
ہنری کسنجر کے اس مسودے میں Control as a tool لکھا ہوا ہے لیکن اس کے اندر بڑی واضح تعریف دی گئی ہے کہ ان ممالک میں جنگیں برپا کروائی جائیں گی۔اس ضمن میں جن تیرہ ممالک کی فہرست دی گئی تھی اس میں پاکستان کا نام بھی شامل تھا۔
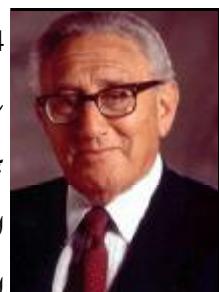
ان ممالک میں نائیجیریا، انڈیا اور برازیل بھی شامل ہیں۔ان تمام ممالک کی آبادی کو کم کرنا اور معاشی حوالے سے انہیں کمزور کرنا امریکی مفادات میں شامل ہے۔ان کے نزدیک غربت ختم کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ غریب ختم کردیئے جائیں۔قرآن پاک نے اس طرح کے منصوبے بنانے والوں کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔قرآن ان لوگوں سے کہتا ہے کہ زمین میں فساد مت برپا کرو جبکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو لوگوں کی اصلاح کررہے ہیں۔ہنری کسنجر کے اس نسل کشی کے منصوبہ پرعمل درآمد شروع ہو چکا ہے۔اب ان ممالک میں بیماریاں، قحط اور جنگیں برپا کی جارہی ہیں۔

پاکستان سمیت پوری دنیا میں اس وقت خوراک کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔تمام اقوام مہنگائی کا شکار ہیں۔اپنے مقاصد کے حصول کے لیے صیہونیوں نے عالمی معاشی نظام بنایا۔اس کام کے لیے فیڈرل ریزروبینک Federal Reserve Bank وجود میں آیا۔اس کے تحت دنیا کی تمام معیشت پر امریکی ڈالر کا قبضہ ہے۔اسی طرح دنیا میں جتنا بھی غلہ پیدا ہوتا ہے اس کو دنیا کی گیارہ بڑی کمپنیاں کنٹرول کرتی ہیں۔یعنی کھیت سے لیکر سپر مارکیٹ تک تمام پیداوار کو امریکی، سوئس، برٹش اور فرنچ کمپنیاں کنٹرول کرتی ہیں۔

آج پوری دنیا میں تیل کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔اس کی ایک بڑی وجہ امریکی معیشت کا تباہ ہونا ہے۔امریکی ڈالر کی قدر میں کمی ہورہی ہے۔نتیجتاً تیل مہنگا ہورہا ہے جس کا براہ راست اثر غریب ممالک پر پڑ رہا ہے۔تیل مہنگا ہونے کے سبب غریب ممالک میں خوراک مہنگی ہورہی ہے۔ذرائع آمدورفت سے متعلق خرچوں میں اضافہ ہورہا ہے۔نتیجتاً قحط بھی پڑنا شروع ہوجائے گا۔ایسی صورتحال میں کرپشن بڑھ جاتی ہے اور پورے معاشرے میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔صوبوں کے درمیان تعصب کو ہوا ملتی ہے اور حکومت اور عوام کے درمیان فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔

اب امریکہ نے بائیوفیول یعنی ایتھنول بنانا شروع کردیا ہے کیونکہ قدرتی تیل امریکہ کو بہت مہنگا پڑ رہا ہے۔لہذا اب وہ خود بائیوفیول پیدا کررہا ہے۔اس وجہ سے امریکہ جیسے طاقتور ملک میں بھی قحط برپا ہورہا ہے۔امریکہ کی مکئی کی 30% فصل بائیولوجیکل فیول میں تبدیل کی جارہی ہے تاکہ امیروں کی گاڑیاں چل سکیں۔امریکہ کا منصوبہ ہے کہ 2025ء تک امریکہ میں چلنے والی تمام گاڑیاں بائیوفیول سے

چلائی جائیں گی۔یعنی دوسرے الفاظ میں دنیا میں قحط برپا کر دیا جائے۔

ان کا منصوبہ یہ ہے کہ تکنیکی طور پر تیار کردہ فصل ہونی چاہیے جو صرف ایک ہی مرتبہ استعمال کے قابل ہو۔اس کا بیج اگلی فصل اگانے کے لیے بے کار ہو جاتا ہے۔لہذا کسان اپنی فصل کا بیج نہیں بو سکتا اور اگلے سال فصل کاشت کرنے کے لیے اسے نئے بیج خریدنے پڑتے ہیں۔اسے مہنگا بیج بیچا جاتا ہے لہذا فصل بھی مہنگی ہو جاتی ہے۔معیار بے شک بہتر ہوتا ہے مگر بھوکوں کو کھانا کھلانے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔اس طرح ملکی صنعت تباہ ہو جاتی ہے۔اگر سو روپے کی گندم پیدا ہو تو حکومت اس کے 80 روپے دیتی ہے ،کسان کو 20 روپے کا نقصان ہوتا ہے۔لہذا کسان 125 روپے میں اپنی گندم مارکیٹ میں لا کر بیچتا ہے۔ بڑے ممالک گندم برآمد کرتے ہیں اور غریب ممالک کو کوئی رعایت نہیں ملتی۔

پچھلے دنوں ورلڈ بینک نے حکومت پاکستان کو کہا کہ بجلی ، پانی اور گیس پر رعایت ختم کر دے اور حکومت پاکستان نے یقین دلایا کہ ہم دسمبر تک رعایت ختم کر دیں گے۔اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے غریب کسانوں کو ملنے والے فوائد اور سہولت ختم کر دیں گے۔امریکہ کو اپنے ملک کی گندم مہنگی پڑتی ہے جبکہ اگر امریکہ باہر سے گندم درآمد کرے تو اسے نسبتاً سستی پڑتی ہے۔مقامی گندم کے مقابلے میں درآمد شدہ گندم سستی ہو تو کسان کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔لہذا ہوتا یہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں مقامی کسانوں کا نام و نشان ختم ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی یہی حال ہے کہ ہم سستی گندم برآمد کرتے ہیں اور گندم کی کمی کی صورت میں پھر مہنگی گندم درآمد کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا بلکہ ایک عالمی منصوبہ تیار کیا گیا ہے تاکہ پوری دنیا میں قحط برپا کیا جائے۔ دنیا میں اس وقت سالانہ تین ہزار بلین ٹن غلے کی ضرورت ہے۔جبکہ اس وقت صرف انیس سو بلین ٹن غلہ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ سب غلے کی پیداوار کم کرنے کے نتیجے میں ہوا۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر کبھی غلے کی پیداوار میں کمی ہو جاتی تھی تو غریب ممالک امیر ممالک سے سستے داموں گندم خرید لیتے تھے یا غریب ممالک کو غلہ بطور امداد دے دیا جاتا تھا۔اُس وقت غلے کی کثرت تھی۔اب اگر امیر ملک غلہ تقسیم کرنا بھی چاہیں۔تو غلہ کا اتنا قحط ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔دنیا میں شدید قحط پیدا کیا جا رہا ہے۔

1950ء اور 1960ء کی دہائی میں پاکستان میں منگلا ڈیم اور تربیلا ڈیم جیسے بڑے بڑے منصوبوں پر

کام ہوا۔اُس وقت پوری دنیا میں یہی صورتحال تھی کیونکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کو تعمیرات اور کھانے پینے کی اشیاء کی ضرورت تھی۔یورپ جنگ سے تباہ ہو چکا تھا۔ان کی زراعت اتنی مضبوط نہیں تھی لہذا انہوں نے پوری دنیا میں زراعت کے نظام متعارف کروائے۔جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام غریب ممالک گندم پیدا کریں تاکہ اسے درآمد کر کے یورپ اپنے لیے خوراک کی فراہمی کو یقینی بنائے۔اس طرح انہوں نے غریب ممالک کو اپنے مقصد کیلئے استعمال کیا۔

اس وقت دنیا میں گیارہ سوملین ٹن خوراک کی کمی ہے۔امیر ملک خوراک خریدنا چاہتے ہیں مگر انہیں خوراک دستیاب ہی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ خوراک مہنگی ہورہی ہے۔امریکہ اور یورپ میں خوراک کی کمی کی بنیادی وجہ خوراک کا بائیوفیول میں تبدیل ہونا ہے۔اس سے پہلے ان کے پاس وافر مقدار میں ذخیرہ ہوا کرتا تھا لیکن عالمی منڈی میں کم قیمت ملنے کی وجہ سے وہ بہت سا غلہ ضائع کر دیتے تھے۔

ساری قوم کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آنے والے وقت میں قحط پڑنے والا ہے اور جب ملکوں میں قحط پڑتے ہیں تو وسائل کے حصول کے لیے جنگیں ہوتی ہیں۔جنگوں سے ملکوں کی آبادی کم ہوتی ہے۔صیہونیوں نے روانڈا میں لاکھوں انسانوں کو قتل کروایا۔دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں کہ جہاں یہ لوگ جنگیں برپا نہیں کررہے۔اب غریب ملکوں اور ترقی پذیر ملکوں کو وہ بائیولوجیکل وارفیئر یعنی بیماریوں کے ذریعے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔اس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ انہوں نے خود لیبارٹری میں ایڈز وائرس تیار کیا تھا اور سب سے پہلے کانگو (افریقہ) میں لوگوں کے جسم میں داخل کیا۔وہاں سے یہ ایڈز وائرس پوری دنیا میں پھیلایا گیا۔ایک بڑا فائدہ ان کو یہ ہوا کہ پوری دنیا میں ایڈز پھیلنے سے دنیا کی آبادی کم ہورہی ہے۔دوسرا ایڈز کے علاج کیلئے استعمال ہونے والی ادویات بھی وہ خود ہی بناتے ہیں۔جن کی فروخت سے ان کو کئی بلین ڈالرز کا فائدہ ہوتا ہے۔

یہ لوگ دنیا میں خوف پیدا کررہے ہیں اور خود وسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔برڈ فلو کا وائرس ہو، انتھراکس ہو یا ایڈز کا وائرس، ہر جگہ ان کا کردار نظر آتا ہے۔پاکستان بھی ان کا ہدف ہے اور وہ پاکستان کو اندرونی طور پر بہت نقصان پہنچارہے ہیں۔یہ ایک گھناؤنا عالمی کھیل ہے جسکا آغاز ہنری کسنجر نے کیا تھا۔

بھارت پاکستان کا پانی بند کررہا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ اگلے چند سال میں قحط برپا ہونے والا

ہے۔ بنگلہ دیش کا پانی بھی وہی روک رہا ہے۔اس نے اپنے دریاؤں کو آپس میں ملا کر باقاعدہ نہری نظام بنا دیا ہے۔اس صورتحال کے پیش نظر دنیا میں آئندہ جنگیں پانی کی وجہ سے برپا ہوں گی۔وہ قوم بچ جائے گی جس کے پاس پانی کے ذخائر اور غلہ ہوگا۔اس ضمن میں حضرت یوسفؑ کی مثال بہت اہمیت کی حامل ہے۔حضرت یوسفؑ نے بادشاہ وقت کو خواب کی تشریح بتائی تھی۔جو کہ کچھ یوں تھی کہ ملک میں سات سال غلے کی فروانی ہوگی۔ان سات سالوں میں غلہ جمع کرو کیونکہ اس کے بعد سات سال کا قحط آئے گا اور وہ قحط اتنا خوفناک ہوگا کہ پورے خطے میں غلہ نہیں ملے گا۔جس کو اللہ نے سمجھ دی ہے وہ اپنی حکمت عملی کی وجہ سے بچ جائے گا ورنہ قحط، جنگ، بھوک، بیماریاں فاقے تم پر مسلط ہو جائیں گے۔

عقلمندوں کے لیے اس قصے میں بہت اشارے ہیں۔پاکستان کی سیاسی وجغرافیائی حالت کو دیکھتے ہوئے پاکستانی قوم کیلئے بھی تنبیہ ہے کہ ہوشیار ہو جائے کیونکہ چند سالوں میں پاکستان میں خوفناک قحط برپا ہونے والا ہے۔صیہونیوں نے پاکستان کے حصے بخرے کرنے کے منصوبہ پر بھی عمل شروع کر دیا ہے جس کے تحت صوبے آپس میں لڑیں گے اور قحط برپا ہوگا۔نتیجتاً سندھ کہے گا کہ پنجاب غلہ لے گیا ہے۔پنجاب کہے گا کہ سندھ ہماری رسد روک رہا ہے۔بلوچستان کہے گا کہ میرے حقوق عقب کیے جا رہے ہیں۔سرحد کہے گا کہ مجھے بجلی کی رائیلٹی نہیں ملی۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگلے چند سال ہمارے لیے بہت نازک ہیں۔ایک بات ہم واضح کر رہے ہیں کہ کالا باغ ڈیم منسوخ کرنے کا فیصلہ اسلام آباد میں نہیں ہوا بلکہ دہلی اور واشنگٹن میں ہوا ہے۔جن لوگوں نے کالا باغ ڈیم بنانے کا منصوبہ منسوخ کیا ہے وہ اللہ کے عذاب سے ڈریں۔یہ لوگ مسلمان امت کو بھوکا، پیاسا مارنا چاہتے ہیں۔منگلا ڈیم یا تربیلا ڈیم کے بننے سے ملک میں خوشحالی آئی تھی تو پھر کالا باغ ڈیم بننے سے قحط کیسے آئے گا؟ آئندہ دنیا میں صرف وہی قومیں زندہ رہیں گی جن کے پاس پانی کے ذخیرے موجود ہونگے اور خوراک کی فروانی ہوگی۔اگر پاکستان خوراک کی فراہمی کو یقینی نہ بنا سکا تو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔دو طرح کے لوگ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ایک وہ معصوم ہیں جوان پڑھ ہیں اور ان کو حقیقت کا علم نہیں ہے۔وہ اپنی قیادت پر یقین رکھتے ہیں جو کہ ان کو بیوقوف بنا کر اپنا فائدہ حاصل کر رہی ہے ان کا تناسب 80 فیصد ہے۔دوسرے قسم کے لوگ جو کالا باغ ڈیم کی

مخالفت کرتے ہیں، وہ صیہونی اثاثے ہیں جو اس منصوبے کی مخالفت کر کے ملک کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی بھی پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔قوم پرست عناصر خصوصاً سرحد اور سندھ کے لوگ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ سب بھارتی اثاثے ہیں۔ یہ لوگ اللہ سے ڈریں ورنہ ہر مسلمان ان کے لیے بدعا کرے گا۔حکمرانوں کو خوف آنا چاہیے کہ وہ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو بھوکا پیاسا مار رہے ہیں۔

آپ غور کریں کہ وہ لوگ جو کالا باغ ڈیم کی تعمیر روکنے کی کوشش کرتے رہے ہیں وہ بھارت سے شکایت نہیں کرتے کہ وہ ہمارا پانی کیوں روک رہا ہے۔ وہ ملٹی نیشنل اور عالمی کمپنیوں سے شکایت نہیں کرتے کہ وہ ہمارے ملک میں سستی خوراک مہنگے داموں کیوں بیچ رہے ہیں۔ نہ ہی یہ لوگ بلوچ لبریشن آرمی کے خلاف بات کرتے ہیں جو ریاست کے خلاف بغاوت برپا کروار ہی ہے۔ جبکہ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کی جاتی ہے۔ کیوں پارلیمنٹ میں کالا باغ ڈیم کے مسئلے پر سیر حاصل بحث نہیں ہوئی؟ کیونکہ کالا باغ ڈیم سے متعلق فیصلہ واشنگٹن سے آیا تھا۔اب پوری قوم کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اگر پانی کے ذخائر نہیں ہونگے تو اس کا نتیجہ پاکستانیوں کو بھگتنا پڑے گا۔ان کو شدید بھوک اور پیاس دیکھنی پڑے گی جبکہ حکمرانوں کو کوئی فرق نہیں پڑنا۔

ہم نے اان کا پورا منصوبہ بیان کر دیا ہے۔ انشاءاللہ تبدیلی آنی چاہیے اور آئے گی کیونکہ پاکستانی قوم یہ منصوبہ سمجھ گئی ہے۔اب ان کو بے وقوف بنانا آسان نہیں ہے۔ یہ عالمی سازش ہے جس کے تحت ہمارے ملک میں پانی کی کمی کر کے صوبوں کو آپس میں لڑوایا جا رہا ہے۔

اگر سندھ میں بندرگاہ ہے تو پورے پاکستان کو اس سے فائدہ ہونا چاہیے۔ بلوچستان میں گیس ہے تو پورا پاکستان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ سرحد کی بجلی سے پورا پاکستان استفادہ حاصل کرتا ہے۔ کشمیر کے پانی سے پورا پاکستان مستفید ہوتا ہے اور اگر پنجاب غلہ پیدا کرتا ہے تو پورا پاکستان اسے استعمال کرتا ہے۔ تمام صوبے ایک ہی وجود کا حصہ ہیں۔ جو بھی لسانیت، قومیت اور صوبائیت پر بات کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ، مسلمانوں اور پاکستان کا بدترین دشمن ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جو حکمران اعلیٰ وزارتوں پر فائز ہیں وہ اپنی ذمہ داری میں خیانت نہ

کریں۔موجودہ صورتحال میں اگر پاکستان کے خلاف ایک بڑی جنگ مسلط کی گئی تو دشمن کو ہم پر ایٹم بم گرانے کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ وہ ہمیں آپس میں لڑوا کر ہی تباہ کر دیں گے۔ ہماری صفوں میں میر جعفر اور میر صادق جیسے لوگ شامل ہیں۔ان کو پہچان لینا چاہیے۔جو کھیل صیہونیوں کے کہنے پر کھیلا جا رہا ہے،ہمیں اس کھیل کو ناکام بنانا چاہیے۔

ہماری قیادت کو اس بات کا جواب دینا ہے کہ انہوں نے بھارت سے پانی بند کرنے پر شکایت کیوں نہیں کی؟انہوں نے یہ فیصلہ کیوں نہیں کیا کہ اگر ایک ڈیم کا منصوبہ ختم کیا گیا ہے تو اس کے متبادل کونسا ڈیم بنایا جائے گا۔خوراک کے بحران اور پانی کی کمی جیسے مسائل کا حل کیا ہے؟ ڈیموں کی تعمیر روکنا ان کے لیے آسان ہے مگر ذمہ داری لینے کو کوئی تیار نہیں ہے۔ ہماری قیادت منافق ہے،ان سے محتاط رہیے۔جس طرح صیہونی بیماریاں پھیلاتے ہیں تو جنگیں خود بخود برپا ہو جاتی ہیں۔اسی طرح جب قومیں بھوکی پیاسی ہونگی تو انتشار پھیلے گا۔جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1601ء میں مختلف ممالک پر قبضہ کیا اس وقت سے ان کا ایک ہی طریقہء کار رہا ہے کہ انہوں نے ملٹی نیشنل کارپوریشن،صیہونی بینکرز اور حکومتوں کے ذریعے اس ملک یا علاقے پر قبضہ مضبوط کیا ہے۔ایسٹ انڈیا کمپنی کو تمام پیسہ صیہونی بینکرز دیا کرتے تھے۔وہی صیہونی بینکرز بینک آف انگلینڈ کے ذریعے برطانوی حکومت کو قرضے دے رہے تھے۔آج کے دور میں بھی اگر ہم اُن کمپنیوں کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے نام اٹھا کر دیکھیں تو ان کی اکثریت مشکوک کردار کی مالک ہے۔

اب ہم تاریخی پس منظر میں جائینگے کیونکہ جو کچھ آج ہو رہا ہے وہ یکدم وجود میں نہیں آیا۔اس کے پس منظر کیلئے ہمیں نوآبادیاتی نظام کی تاریخ میں جانا پڑے گا۔ پانچ سو سال پہلے صیہونیوں نے دنیا پر قبضہ کرنا شروع کیا تھا۔تب سے انہوں نے دنیا میں قتل و غارت اور بربادی پھیلا رکھی ہے۔جس سودی نظام کی ہم بات کر رہے ہیں،اس سارے فساد کی جڑ صیہونی بینکرز ہیں۔ وہ برطانوی حکومت کو پیسے دے رہے تھے اور برطانوی حکومت ان کی مقروض تھی۔ملٹی نیشنل کمپنیز اور مختلف حکومتوں کے پیچھے بھی یہی لوگ ہیں۔اس نکتے کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ یہودی،عیسائی دنیا کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ وہ عیسائیوں کے ذریعے تباہی پھیلاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ عیسائیوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔

صلیبی جنگوں میں عیسائی نائٹس لڑنے میں پیش پیش ہوتے تھے۔ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ اس وقت بھی فری میسنز یہودیوں نے اسرائیل بنانے کی کوشش کی تھی۔ عیسائی دنیا صلیبی جنگوں کے نام پر ایک طوفان برپا کیے ہوئے تھی۔ یہودیوں کا مقصد تھا کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے لڑوا کر بیت المقدس پر خود قبضہ کرلیں۔ اب بھی بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ عیسائیوں کو مسلمانوں سے لڑوا کر یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا ہے۔ پوری دنیا میں مسلمان اور عیسائی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اس تمام فساد کے پیچھے یہودیوں اور صیہونیوں کا ہاتھ ہے۔

ماضی میں عیسائی یہودیوں کے قریب بھی نہیں بھٹکتے تھے۔ جہاں کہیں ان کو یہودی نظر آتا اسے مار مار کر نکال دیتے تھے۔ رومن کیتھولک چرچ تو کبھی یہودی کو معاف ہی نہیں کرتا تھا۔ عیسائیوں کے اور ہمارے مفادات اور یہودیوں سے اختلافات بالکل ایک ہی جیسے ہیں۔

تاریخ میں کئی سو سال سے بادشاہت کا نظام رائج تھا۔ فرانس ، برطانیہ وغیرہ یہ سب عیسائی سلطنتیں تھیں۔ عیسائی دنیا کی خواہش شہنشاہت تھی۔ یہودیوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بری طرح بھڑکایا اور انہیں مسلمان علاقوں پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ اگلے ابواب میں ہم اس پر بات کریں گے کہ یہ کس طرح آج دنیا کی قیادت کررہے ہیں؟ وہ حکومت اور بادشاہوں کو قابو کر کے، ملٹی نیشنل کارپوریشن کو ترقی دے کر، عیسائیوں کی نفرت کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر کے اور عیسائیوں کے ڈیزائن کو خراب کر کے پوری دنیا میں تباہی برپا کرتے ہیں۔ یہ کئی سو سال سے ہورہا ہے۔ عیسائی دنیا اپنا تعلق یہودیوں سے جوڑ رہی ہے لیکن یہودیوں نے ان کا بھی بیڑا غرق کردیا ہے۔

ہم صرف امریکہ یا مغربی معاشرے کی مثال لے لیتے ہیں۔ مغربی دنیا فیڈرل ریونیوز کی غلام ہوچکی ہے۔ قرض کی وجہ سے امریکی معیشت تباہ ہورہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشرتی نظام بھی تباہ ہوگیا ہے۔ اس وقت مغربی سوسائٹی کا حال یہ ہے کہ ان کے خاندان کی ساخت تباہ ہوچکی ہے۔ ان کا معاشرہ اور اخلاقیات تباہ ہوچکی ہیں۔ وہ ایسے بدکار اخلاق کے مالک ہیں کہ جن کے پاس کوئی مقصد اور روحانیت نہیں ہے۔ انہوں نے اس مادیت اور پر تعیش طرز زندگی کی بہت بھاری قیمت ادا کی ہے۔

مغربی معاشرے کی تباہی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہاں یہودیوں کے خلاف نفرت بڑھنا شروع ہوگئی ہے۔

یہ ایک عجیب وغریب کیفیت ہے۔ پڑھے لکھے عیسائی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ہمیں تباہ و برباد کرنے والے یہودی ہیں۔ یہودیوں کا یہ پرانا طریقہ رہا ہے کہ جب عیسائی ان کے خلاف اٹھنا شروع ہوتے ہیں تو عیسائیوں کی توجہ مسلمانوں کی طرف مبذول کردی جاتی ہے۔

اگلے ابواب میں ہم عیسائیوں کی مسلمانوں پر چڑھائی کے اسباب پر تفصیلی بات کریں گے۔عیسائی دنیا میں یہودیوں کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے یعنی خود یورپ میں نیو نازی پارٹی کا عروج ہو رہا ہے اور آسٹریلیا میں تو باقاعدہ ہیڈل کے نام سے سیاسی پارٹی طاقت میں آئی تھی جسے انہوں نے بڑی مشکل سے ختم کیا۔ جرمنی میں بھی یہی سوچ جنم لے رہی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد کی صورتحال

صیہونیوں کی معاشی دہشت گردی کی پالیسیوں میں خوراک کی رسد پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کو غلام بنانا بھی شامل ہے۔ انکا مقصد صرف اور صرف دنیا میں واحد حکومت کا قیام ہے جو وہ فلسطین میں بیٹھ کر چلائیں گے مگر ان مقاصد کے حصول کیلئے ان کو مغرب میں بھی ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہے جو ان کے اس منصوبے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ انہوں نے نہایت ہی منظّم منصوبے کے ذریعے مغربی معاشرے پر غلبہ حاصل کیا۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ انہوں نے کس طرح معاشی، اخلاقی اور خاندانی نظام کو تباہ و برباد کیا؟ اس ضمن میں مغرب کے ساتھ ساتھ جاپان کی مثال بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔

جاپان نے دوسری جنگ عظیم کے بعد صیہونیوں کے معاشی نظام کو سو فیصد اپنا لیا اور اسکے نتیجے میں اب جاپان کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ صیہونی یہی تجربہ پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک میں بھی کرنا چاہ رہے ہیں۔

ہماری نوجوان نسل اپنی تاریخ سے ناواقف ہے۔ آج مغربی تہذیب آنکھوں کو خیرہ کیے ہوئے ہے۔ مغرب کی ترقی کو رشک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی جمہوریت، تہذیب اور روایات اپنائی جاتی ہیں اور ان کو ترقی یافتہ قوم کہا جاتا ہے لیکن جتنا نقصان انہوں نے ہمیں اور ہماری تہذیب کو پہنچایا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے پوری دنیا میں تباہی اور بربادی برپا کی ہے۔ لہذا یہ بات واضح ہے کہ ان کی طرف سے دیا گیا کوئی حل ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ متبادل تجاویز اور حل کیا ہیں؟

پچھلے ڈیڑھ سو سال کے پراپیگنڈہ اور نفسیاتی جنگ کی بدولت انہوں نے اپنی تہذیب اور روایات ہمارے ذہنوں پر حاوی کر دی ہیں اور ہماری سوچ اور فکر کو تبدیل کر دیا ہے۔ لوگ یہ سوچنے سے قاصر ہیں کہ مغربی تہذیب کا کوئی متبادل بھی ہوسکتا ہے۔ انہوں نے ہمیں احساس کمتری کا شکار بنا دیا ہے۔ ہمارے

حکمران بھارت سے تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر لیتے ہیں مگر جب امریکہ اور مغرب کی بات آتی ہے تو یہ ہکلا جاتے ہیں کیونکہ مغرب ہم پر حکومت کر چکا ہے۔ ہم اسکی تہذیب کو بہت اعلیٰ تصور کرتے ہیں۔ ابھی ہمارے درمیان ایسے لوگ بھی ہیں جو ظاہراً تو گورے ہیں مگر اندر سے انتہائی کالے ہیں اور نعوذ باللہ انگریزوں کی ہر چیز کو خدا سمجھتے ہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ مغربی تہذیب جس چیز کو بھی ہاتھ لگا دے اسکا کیا حشر کرتی ہے؟ یہ لوگ اپنے معاشی نظام کو سہارا دینے کیلئے دنیا میں جنگیں برپا کرتے ہیں، خوراک کی رسد پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ قوموں کی اخلاقیات، انکا دین، انکی تہذیب، ان کی ثقافت کا بھی بیڑہ غرق کر کے رکھ دیتے ہیں۔

آج مغربی معاشرہ روحانی اور اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ انکا خاندانی نظام یعنی والدین اور بزرگوں کا دھیان رکھنا، اولاد کے ساتھ محبت، فیملی یونٹس، شادی کا نظام جس کے ذریعے میاں بیوی مل کر خاندان بناتے ہیں، غرضیکہ ان کے نظام کا بیڑہ غرق ہو چکا ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟ اس حوالے سے ہم آپ کو ذیل کی سطور میں آگاہ کر رہے ہیں۔

راک فیلر، روتھس چائلڈز کی طرح ایک یہودی فیملی ہے۔ ''راک فیلر فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک بہت بڑا ادارہ ہے جو پوری دنیا میں منصوبوں کے لیے معاونت فراہم کرتا ہے۔ 50 اور 60ء کی دہائی میں امریکہ کی صنعت عروج پر تھی اور ان کو ملازموں کی ضرورت تھی۔ اس وقت امریکہ میں بسنے والے عیسائیوں کی روایات بہت اعلیٰ تھیں۔ تب امریکی خاندان والدین، بچوں اور ایک کتے پر مشتمل ہوتا تھا۔ 30 اور 40ء کی دہائیوں تک 80 فیصد امریکیوں کے پاس اپنی زمین تھی۔ یعنی یہ لوگ کسان تھے۔ راک فیلر نے جب پوری دنیا میں اپنا معاشی نظام پھیلانا شروع کیا، اپنی اشیاء برآمد کرنا شروع کیں تو ان کو ملازموں کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے ایک مہم شروع کی جس کو ''وومن لبریشن'' کا نام دیا گیا۔ اس کے ذریعے پروپیگنڈہ شروع کیا گیا کہ عورتوں پر گھروں میں بہت ظلم ہو رہا ہے اور عورتوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں عورتوں کو بھی گھروں سے باہر نکلنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ ظاہراً یہ نعرے بہت اچھے لگتے ہیں کہ ملکی ترقی کیلئے ملک کی نصف آبادی جو عورتوں پر مشتمل ہے، وہ بھی گھروں سے باہر نکلے اور فیکٹریوں میں کام کرے، ملازمتیں کرے، لیکن انکا مقصد بہت ناپاک تھا۔ یہودی خود بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نے

مغربی معاشرے کو تباہ کیا۔ اس سے پہلے صرف مرد کام کیا کرتے تھے لہذا صرف مردوں کی آمدنی پر انکم ٹیکس لگا کرتا تھا۔ صرف مرد ہی قرض لیا کرتے تھے اور بینکوں سے معاملات طے کیا کرتے تھے۔ یہودیوں نے سوچا کہ ملک کی بقیہ نصف آبادی کو کس طرح مقروض کریں اور کس طرح ان کو گھروں سے باہر نکالیں کیونکہ جب عورتیں گھروں سے باہر نکلیں گی، فیکٹریوں میں کام کریں گی تو پیداوار بڑھے گی۔ عورتوں کی آمدنی بھی آئے گی اور وہ مردوں کے اثر ورسوخ سے آزاد ہونا شروع ہو جائیں گی۔ پھر وہ ان کی آمدنی پر بھی انکم ٹیکس لگا سکیں گے۔ اسکے علاوہ عورتیں بھی کریڈٹ کارڈز کے ذریعے قرض لینا شروع کریں گی۔ پہلے نصف آبادی مقروض تھی۔ اب تمام آبادی مقروض ہو جائے گی۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ جب مرد اور عورت دونوں فیکٹریوں میں کام کریں گے تو بچوں کو کون پالے گا؟ تب یہودیوں نے پبلک سکولوں کا جال پھیلایا جس کا مقصد یہ تھا کہ نرسری اور پرائمری کلاسز سے ہی بچوں کو سکولوں میں داخل کروا دیا جائے۔ ماں باپ فیکٹریوں میں کام کرتے تھے اور بچے پبلک سکولوں میں پڑھتے تھے۔ ان پبلک سکولوں نے بچوں کی سوچ وفکر ہی تبدیل کر کے رکھ دی۔ یوں 50,40,30 اور 60ء کی دہائیوں میں انتشار کا شکار ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جو یہودیوں کے معاشی نظام کو چیلنج نہیں کر سکتی تھی۔ اس نسل کو صرف وہی کچھ معلوم تھا جو ان کو یہودیوں کے قائم کردہ پبلک سکولوں میں پڑھایا جاتا تھا۔ اس نسل کا اپنے ماں باپ کے ساتھ تعلق برائے نام تھا۔ نتیجتاً شادیاں ناکام ہونے لگیں۔ طلاق کی شرح بڑھنے لگی۔ خاندانی نظام تباہ ہو گیا کیونکہ لوگ شادی کو بوجھ سمجھنے لگے اور اس سے جان چھڑانے لگے۔ یوں آبادی کی شرح افزائش کم ہوتی ہوتی صفر تک پہنچ گئی۔ دوسرے الفاظ میں اس معاشرے میں نئی نسل پیدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آج دنیا جاپان کی معاشی ترقی کا اعتراف کرتی ہے۔ جاپان پوری دنیا کی فیکٹری بنا ہوا ہے۔ پاکستان میں بھی کچھ لوگ یہ بات کرتے ہیں کہ پاکستان کو اپنے ایٹمی ہتھیار تباہ کر کے جاپان کی طرح صنعتی معاشرہ بن جانا چاہیے۔ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ 1945ء کے بعد جاپان نے جو معاشی نظام اپنایا، اس کی کیا قیمت ادا کی؟ جاپانی معاشرہ ایک روایتی مشرقی معاشرہ تھا جہاں محبت، پیار، خاندان وغیرہ جیسی روایات بہت مضبوط تھیں۔ 1945ء کے بعد یہودیوں نے جاپانی معاشرے کا یہ حال کر دیا کہ اب وہاں نوجوانوں کی تعداد صرف بیس یا پچیس فیصد ہے۔ باقی

معاشرہ بوڑھے افراد پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے بچے پیدا ہی نہیں کیے۔ یوں خاندان تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔ پچھلے دس سال سے ان کو ہر سال دو تین سو سکول بند کرنے پڑتے ہیں کیونکہ ان کے پاس سکولوں میں داخل کرنے کیلیئے نئی نسل نہیں ہے۔ 30 فیصد نوجوان 70 فیصد بوڑھوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ جاپانی اتنے غیور ہیں کہ وہ اپنے ملک میں مزدوری کے لیے باہر سے لوگ نہیں بلواتے۔ نتیجتاً ان کی فیکٹریوں کی پیداواری صلاحیت کم ہو رہی ہے۔ معاشرہ تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ یہی حال مغرب کا بھی ہے۔

2005ء میں جب فرانس میں گرمی کی شدید لہر آئی تو پندرہ ہزار بوڑھے، جن کو ان کے بچے گھروں اور اولڈ ہومز میں چھوڑ گئے تھے، مر گئے۔ ان کے بچے اپنے اپنے کام چھوڑ کر اپنے ماں باپ کو دفن کرنے نہیں آئے اور حکومت کیلیئے پندرہ ہزار لاشوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ یہ مغربی معاشرے کے انحطاط کی ایک مثال ہے۔

آج مغرب میں کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو جوانی کی حد چھونے سے پہلے ہی اپنی عزت و آبرو گنوا نہ چکا ہو۔ ان کے معاشرے کی اخلاقی اقدار اس قدر زوال کا شکار ہو چکی ہیں کہ والدین کو بچوں کا کوئی خیال نہیں ہے۔ بچوں کو ماں باپ کا ادب نہیں ہے۔ بالغ ہوتے ہی وہ گھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ خاندان بڑھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یورپ میں صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ حکومت ان لوگوں کو پیسے آفر کر رہی ہے جو بچے پیدا کریں تاکہ آبادی کو بڑھایا جا سکے۔

مغرب میں راک فیلر کی چلائی ہوئی حقوق نسواں کی تحریک کا مقصد بہت گھناؤنا تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جب ماں اور باپ دونوں کام کریں گے تو وہ نہ صرف دونوں سے ٹیکس لیں گے بلکہ سود بھی لیں گے اور ان کے بچوں کو پبلک سکولوں کے ذریعے بگاڑا جائے گا۔ نتیجتاً پورے خاندانی نظام کا بیڑہ غرق ہو گیا۔ اس وقت مغربی معاشرے سے روحانیت اور اخلاقی اقدار ختم ہو چکی ہیں۔ اخلاقی اقدار اس قدر انحطاط کا شکار ہیں کہ لوگ ہر ایسے کام میں ملوث ہیں جس سے حضرت عیسیٰؑ نے منع فرمایا اور ہر وہ گناہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔ ان کو اپنی فیکٹریاں چلانے کیلیئے افرادی قوت کی ضرورت ہے۔ آئندہ چند سالوں میں ان کی اپنی آبادی ختم ہو جائے گی لہذا کچھ عرصے سے انہوں نے باہر سے لوگ منگوانے شروع کیے ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا جیسے ملک اگر باہر سے لوگوں کو بلوا رہے ہیں تو اسکی وجہ

پیار اور محبت نہیں ہے بلکہ ان کو اپنا نظام چلانے کیلئے غلام درکار ہیں۔

یہ لوگ اپنی چالیں چلتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی چالیں چلتا ہے۔ یہ لوگ منصوبے ترتیب دیتے ہیں لیکن اکثر حالات ان کے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔اب لاکھوں کی تعداد میں لوگ باقی دنیا سے مغرب کی طرف جانا شروع ہوئے ہیں۔اس کے نتیجے میں وہاں موجود سفید نسل، جو اپنے آپ کو"اعلیٰ ترین نسل" سمجھتی ہے، کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے کیونکہ باہر سے آنے والے لوگ زیادہ محنت کرنے والے اور جان مارنے والے ہیں۔لہذا وہ مغربی لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر اس معاشرے میں اپنی جگہ بناتے چلے جا رہے ہیں۔

باہر سے آنے والے لوگوں کی بدولت مغربی معاشرے کو دوسرا بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ باہر کے لوگ اپنی تہذیب، روایات اور اپنا دین ساتھ لے کر آ رہے ہیں۔خصوصاً مسلمانوں نے اس معاشرے میں جا کر اپنی اخلاقی اقدار، روایات اور دین پھیلانا شروع کیا ہے۔اگر چہ مسلمانوں میں کمزوریاں ہیں اور وہ کوتاہیاں بھی کرتے ہیں لیکن یہ بات اس دیوالیہ معاشرے کو ایک نعمت کے مانند لگی کہ مسلمانوں کے پاس ابھی بھی اخلاقی اقدار موجود ہیں۔وہ حیران تھے کہ مسلمان مغرب میں رہ کر بھی اپنا خاندان بڑھاتے ہیں۔ مغربی معاشرہ اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ مسلمان اپنے بچوں کا خیال رکھتے ہیں اور بچے بھی والدین کی خدمت کرتے ہیں۔ یوں بہت سے لوگوں نے مسلمانوں کے خاندانی نظام اور اخلاقی اقدار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔اس وقت یورپ خصوصاً انگلینڈ میں اتنے زیادہ مسلمان ہیں کہ انگریزوں کو خدشہ ہے کہ کہیں انکا اگلا وزیر اعظم مسلمان ہی نہ ہو۔ وہاں کئی علاقوں میں صرف مسلمان اور ایشیائی آباد ہیں۔ یہ تمام عوامل اس معاشرے پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔مسلمان جہاں اپنا دین، اخلاق اور تمدن ساتھ لے کر جاتے ہیں وہاں غیر مسلموں خصوصاً یہودیوں کیلئے نفرت بھی ساتھ لیکر جاتے ہیں۔

مغرب کے حوالے سے علامہ اقبال نے کہا تھا:

؎ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

یہ بعید نہیں کہ کچھ عرصے بعد یورپ مسلم تہذیب کا گہوارہ بن جائے۔ یہودیوں کا منصوبہ یہ نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے بہت سے عوامل ان کے ہاتھ میں نہیں رہے۔ یہودیوں کے متعارف شدہ نظام کا ایک اور

نقصان ان کو یہ ہوا کہ یورپ میں ان کے خلاف نفرت پھیلنے لگی۔انہوں نے اسکا یہ حل نکالا کہ صلیبی جنگوں کے ذریعے عیسائیوں کومسلمانوں سے تصادم کے راستے پر ڈال دیا۔عیسائی آج بھی مسلمانوں کے ساتھ متصادم ہیں۔صدر بش نے نائن الیون کے سانحے کے بعد ''صلیبی جنگوں'' کا لفظ استعمال کیا۔ بعد میں وہ اپنے الفاظ سے پیچھے ہٹ گیا مگر تب تک اس کے دل کی بات عیاں ہوچکی تھی۔موجودہ دور کی صلیبی جنگ اورصلاح الدین ایوبیؒ کے دور کی صلیبی جنگوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہودی جتنا زیادہ مسلمانوں کو بدنام کررہے ہیں، اسی رفتار سے مغربی لوگ اسلام قبول کررہے ہیں۔برطانوی صحافی ایوان ریڈلی افغانستان آئی اور طالبان کی قیدی بن گئی۔لیکن وہ طالبان کے رویے سے اتنی متاثر ہوئی کہ قید سے رہائی کے بعد مسلمان ہوگئی۔اسکے علاوہ بھی بہت بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔وہ معاشرہ جوخود کو سیکولر، لبرل اور آزاد خیال کہتا ہے اور مسلمانوں کو تنگ نظر اور تنگ خیال سمجھتا ہے، اس نے ایوان ریڈلی کے قبولِ اسلام کے بعد اسکے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔مغربی معاشرہ ایک تنگ نظر اور متعصب معاشرہ ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ان المال والیسرہ"

یعنی ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔اگر کسی کام میں انسان کے لیے تنگی، برائی اور تکلیف ہے تو اسی کام میں اللہ نے خیر کا پہلو بھی رکھا ہوا ہوتا ہے۔اس کو تلاش کرنا چاہیے۔ہم یہودیوں کا ناپاک چہرہ بھی بے نقاب کریں گے اور اسی نظام میں موجود مواقع کو استعمال کرتے ہوئے اسکا حل بھی تجویز کریں گے۔ہم ان کی چال انہی پر الٹ دیں گے انشاء اللہ۔ یہودیوں کا ردعمل بہت واضح ہے۔وہ مغربی فوجوں کے ذریعے مسلمان ملکوں میں داخل ہوکر تباہی مچارہے ہیں۔دوسری جانب ان کی معیشت اور معاشرتی واخلاقی نظام تباہ و برباد ہورہا ہے۔مغربی معاشرہ یہ اعتراض کرتا ہے کہ ماضی میں جب مسلمانوں کو مواقع ملے تو انہوں نے بھی دوسرے ممالک پر قبضہ کیا۔لیکن یہ بات جاننا بہت ضروری ہے کہ جب مسلمان دوسرے ممالک پر قبضہ کرتے تھے تو انکا سلوک کیسا ہوتا ہے تھا اور جب عیسائی اور یہودی دوسرے ملکوں پر قبضہ کرتے ہیں تو ان کا عمل کیسا ہوتا ہے؟

اس ضمن میں سب سے بڑی مثال حضور اکرمؐ کی ہے۔ کفار مکہ نے آپؐ کو 22 سال شدید تکالیف سے دوچار کیا۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر ہر طرح کا ظلم ڈھایا لیکن جب آپؐ اور مسلمانوں نے کفار مکہ پر غلبہ پایا اور مکہ فتح کر لیا تو آپؐ نے سب کیلئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ یعنی اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرمادیا۔ ہمارا دین ہمیں معاف کر دینے کا حکم دیتا ہے۔

اگرچہ اس وقت مسلمانوں نے بہت نقصان اٹھایا لیکن وہ اپنی اخلاقی اقدار پر قائم رہے اور اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کیا تو وہاں داخل ہوتے ہی عام معافی کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں نے سپین میں 800 سال حکومت کی۔ اس عرصے کے دوران عیسائی مورخین کوئی ایک بھی ایسا واقعہ لکھنے سے قاصر رہے جس میں مسلمانوں نے عیسائیوں کا استحصال کیا ہو۔ ان پر ظلم کیا ہو۔ حقوق غصب کیے ہوں یا ان کیلئے کوئی مشکل پیدا کی ہو۔ مسلمانوں کے دور حکومت کے دوران سپین میں یہودی اور عیسائی اتنے امن وسکون سے رہ رہے تھے کہ پوری دنیا سے عیسائی حصول تعلیم کیلئے وہاں آیا کرتے تھے۔ جارج برنارڈ شا سے کسی نے پوچھا کہ اگر مسلمان سپین سے نہ جاتے تو کیا ہوتا؟ اس نے جواب دیا ''انسان دوسو سال پہلے چاند پر پہنچ جاتا۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تہذیب کتنے عروج پر تھی۔ تب مغرب میں ''تاریک دور'' (Dark Age) تھا۔ مغربی لوگ پتھر کے دور میں رہتے تھے۔ پیرس اور فرانس میں اتنا کیچڑ اور غلاظت تھی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چل کر جانا مشکل ہو جاتا تھا۔ کئی لوگوں کو جادوگر کہہ کر زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے وہاں جا کر ایک ترقی یافتہ اور سلجھی ہوئی تہذیب کی بنیاد رکھی۔

مسلمانوں نے خلافت عثمانیہ قائم کی اور وہاں 800 سال حکومت کی۔ جب عیسائیوں نے سپین میں مسلمانوں کو شکست دی اور وہاں سے یہودیوں اور مسلمانوں کو مار مار کر باہر نکالا گیا تو مسلمان اور یہودی دونوں خلافت عثمانیہ میں آئے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ یہودی سپین میں مار کھانے کے بعد پناہ کیلئے خلافت عثمانیہ کے پاس آئے اور مسلمانوں نے ان کو پناہ دی یعنی مغربی تہذیب نے ان کو رسوا کر کے باہر نکالا اور مسلم تہذیب نے انکو پناہ دی۔

اسکے علاوہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک ہندوستان پر بھی حکومت کی۔ اس دوران ایک بھی مثال ایسی نہیں کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور پر کسی کو مسلمان کیا ہو بلکہ یہاں اسلام، پیار اور محبت کے ذریعے

پھیلا۔صوفیاء نے ملک کے گوشے گوشے میں جا کر تبلیغ کی۔اجمیر میں معین الدین چشتیؒ، لاہور میں داتا گنج بخشؒ اور دہلی میں نظام الدین اولیاءؒ پہنچے اور اسلام کی تبلیغ کی۔اس طریقے سے برصغیر میں اسلام پھیلا۔

ہر تہذیب کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظریات ہوتے ہیں۔بیت المقدس 90 سال تک عیسائیوں کے قبضے میں رہا۔اس دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کا اتنا خون بہایا کہ وہ خون ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔اس سے پہلے بیت المقدس میں ایسا قتل عام نہیں دیکھا گیا تھا۔90 سال بعد جب صلاح الدین ایوبیؒ نے دوبارہ بیت المقدس پر قبضہ کیا تو اس کو بھی اسی طرح انتقام لینا چاہیے تھا مگر اس کا ظرف اتنا بڑا تھا کہ اس نے ہر جنگجو کو یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ جاؤ اپنا سامان لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔تمام تر تعصب کے باوجود آج بھی عیسائی صلاح الدین ایوبی کے بارے میں کوئی غلط لفظ نہیں بولتے۔وہ اسکو ایک عظیم اور قابل احترام شخصیت تسلیم کرتے ہیں۔یہ وہی رویہ تھا جو حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کرتے ہوئے اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ نے فتح مکہ کے موقع پر ہمارے سامنے رکھا۔یہ وہی کردار تھا جو سپین اور خلافت عثمانیہ میں مسلمانوں نے اپنایا۔

تاریخ اسلام میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ جب مسلمانوں نے کسی ملک پر قبضہ کیا ہو اور اس کی تہذیب کا نام ونشاں تک مٹا دیا ہو۔یہ ہماری اخلاقی اقدار ہیں۔اگرچہ ہم نے غلطیاں اور کوتاہیاں کیں، جنگیں لڑیں، مگر غیر ملکی تہذیبوں سے معاملات طے کرتے وقت ہم اپنی اخلاقی روایات ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔غیر مسلموں کو جو امن وسکون مسلمان سلطنتوں میں ملتا تھا وہ اپنی سلطنت میں بھی کبھی نصیب نہیں ہوا۔وہ مسلمان ملکوں میں امن وسکون سے رہتے تھے اور آج وہی لوگ ہمیں یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔

روم اور ایران کی سلطنتیں تاریخ میں بہت طاقتور سمجھی جاتی تھیں۔یہ کئی ہزار سال پرانی تہذیبیں تھیں۔پھر عرب سے مسلمان فوجیں ان کو فتح کرنے کیلئے روانہ ہوئیں۔مسلمان فوجیں جنگی لحاظ سے بہت کمزور تھیں۔یہ ایک غیر متوازن جنگ تھی جس میں دونوں پارٹیاں ہم پلہ نہیں تھیں۔دونوں کا کوئی جوڑ ہی نہ تھا۔اسکے باوجود روم اور ایران کی سلطنتیں شکست کھا گئیں۔یہ سوچنے کی بات ہے کہ وہ طاقتور سلطنتیں فاقہ کش مسلمان فوج سے، جس کے پاس جنگی ساز وسامان کی کمی تھی، جن کے کپڑے پھٹے ہوتے تھے،

کیونکر شکست کھا گئیں؟اس میں کون سی طاقت مضمر تھی؟ روم اور ایران کے بعد مسلمانوں نے بہت سے ممالک جن میں ایران،شام،مصر وغیرہ شامل تھے پر قبضہ کرلیا۔وہاں قبضے کے بعدانہوں نے مقامی آبادی کوقتل نہیں کیا بلکہ محبت اور پیار کارویہ اپنایا۔نتیجتاً چودہ سوسال پہلے ان لوگوں نے مسلمانوں کے حسن سلوک سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا اور آج تک مسلمان ہیں۔

آج سب سے بڑا مسلم ملک انڈونیشیا ہے۔انڈونیشیا فتح کرنے کیلیئے کوئی مسلم فوج نہیں گئی بلکہ وہاں تاجر محبت اور امن وآشتی کا پیغام لیکر گئے تھے۔اس پورے علاقے میں اسلام،مسلمان تاجروں کی بدولت پھیلا۔یورپ اور امریکہ میں اس وقت سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا دین اسلام ہے جوتلوار کے ذریعے نہیں پھیل رہا۔یہ الزام اس لیے لگایا جاتا ہے کیونکہ مسلم تہذیب،نظریات،اخلاقی اقدار اور اصول ان کیلیئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔مغربی تہذیب کی اپنی یہ حیثیت ہے کہ جب یہ غالب ہوتے ہیں تو دوسروں کی نسل ختم کردیتے ہیں۔ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔پچھلے پانچ سوسال کے نوآبادیاتی دور کی مثال لے لیجیے۔جب جنوبی امریکہ،شمالی امریکہ،افریقہ، آسٹریلیا اور برصغیر پر مغربی تسلط قائم ہوا تو انہوں نے تباہی اور بربادی کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔جنوبی اور شمالی امریکہ اور آسٹریلیا کی مقامی آبادی لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں تھی۔آج وہ تمام مقامی لوگ موجود نہیں ہیں کیونکہ ان لوگوں نے وہاں جاکر کروڑوں کی تعداد میں لوگ قتل کیے۔یہ تہذیب قبروں،لاشوں اور انسانی خون پر تعمیر کی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

ایشیا میں مغربی نظام کی آمد

ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنگال آمد کے بیس سال کے اندر اندر ہی وہاں صورتحال ایسی ہوگئی تھی کہ کروڑوں انسان بھوک، قحط اور فاقے سے مرنے لگے تھے۔ اس سے پہلے نواب سراج الدولہ کے اور اس سے بھی پہلے مسلمان حکومتوں کے ادوار میں بنگال سب سے زیادہ زرخیز صوبہ تھا۔ ہر گاؤں میں مچھلیوں کا ایک تالاب ہوا کرتا تھا۔ لوگ اپنا اناج اور غلہ خود اگایا کرتے تھے اور ہر سو خوشحالی تھی۔ بنگال کو ہندوستان کا سرسبز کوچہ کہا جاتا تھا۔ یہ صوبہ ہندوستان کا غلہ دان تھا جہاں سے پورے علاقے کی غذائی اجناس کی ضرورت پوری ہوتی تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں آنے کے بعد ایک منظّم استحصال شروع کیا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ شروع میں وہاں حکومت کرنے کی غرض سے نہیں آئے تھے۔ نہ ہی یہ لوگ تاجر تھے۔ وہ صرف صورتحال کا فائدہ اٹھا رہے تھے اور خوب لوٹ مار کر رہے تھے۔ درحقیقت یہ لوگ ڈاکو تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی لوٹ مار اور بربادی کرنے کے بعد بھی مغل حکومت انہیں وہاں قیام کی اجازت دے دے گی اور وہ ہندوستان جیسی بڑی سلطنت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر انکی خوش نصیبی اور مسلمانوں کی بدنصیبی کہ مغل حکومت اس وقت مرکز میں کمزور ہو چکی تھی۔ 1757ء میں نواب سراج الدولہ کی شہادت ہوئی۔ 1783ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کا حشر نشر کر کے رکھ دیا۔ بنگال میں انہوں نے دو فصلیں اگانا شروع کیں اور بنگال کے مقامی کسانوں کو کہا کہ آپ اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے والی فصلیں نہیں بلکہ نقد آور فصلیں اگائیں۔ ان فصلوں میں سے ایک فصل وہ تھی جس سے رنگ بنتا تھا جو کپڑا وغیرہ رنگنے کے کام آتا تھا اور ٹیکسٹائل انڈسٹری میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتا تھا۔ دوسری فصل افیون تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ افیون اگانے کا مقصد کیا تھا؟

انگریزوں نے اپنے گناہ، ظلم و ستم، تباہ کاریاں، خون خرابہ اور فساد کی داستانیں تاریخ کی کتابوں سے

نکال دی ہیں۔ چونکہ انڈیا کے ایک جانب چین ایک بہت بڑے ملک اور بڑی تہذیب کی حیثیت سے موجود تھا لہذا برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی جب اس علاقے میں پہنچی تو انکو چین سے بہت سی ایسی چیزیں ملنا شروع ہوئیں جو یورپ میں بہت اچھے داموں فروخت ہوسکتی تھیں اور وہ ان سے بہت منافع کما سکتے تھے۔ ان میں پورسلین، سلک اور چائے شامل تھی۔ ان چیزوں کی یورپ میں بہت کھپت تھی اور وہ کافی مہنگے داموں بکا کرتی تھیں۔ ان لوگوں نے جب بنگال کو کمزور بناتے ہوئے چین کیساتھ تجارت کرنا شروع کی تو چین ان سے سونے اور چاندی میں قیمت وصول کرتا تھا۔ ان دونوں فریقوں کی تجارت اس طرح کی تھی کہ یہ لوگ چین سے خریداری کرتے تھے جبکہ چین ان سے کچھ نہیں خریدتا تھا کیونکہ چین کو ایسی کسی چیز کی ضرورت نہ تھی جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی یورپ سے لیکر آتی۔ اس مسئلے کا حل ایسٹ انڈیا کمپنی نے کچھ اس طرح نکالا کہ چینی لوگوں کو افیون استعمال کرنے کا عادی بنا دیا۔ چینی لوگ افیون کے عادی ہوتے گئے اور ساتھ ساتھ بنگال میں افیون پیدا کر کے چین کو بیچی جاتی رہی۔ اپنے اس حربے کے ذریعے انہوں نے تجارتی توازن برقرار رکھا۔ دوسرے لفظوں میں سرکاری سطح پر منشیات کے کاروبار کا آغاز کیا گیا۔ یہ آغاز برطانوی سلطنت کی جانب سے ہوا۔ سلطنتِ برطانیہ نے اس کاروبار کو پورا تحفظ دیا اور برطانوی جنگی جہاز اور فوجی بھی اس مقصد کیلئے استعمال کیے گئے۔ چنانچہ وہ کثیر سرمایہ جو برطانیہ سونے اور چاندی کی شکل میں چین کو دے رہا تھا اس سے کہیں زیادہ سرمایہ انہوں نے چینی قوم کو بھنگ، افیون اور دوسرے نشوں میں مبتلا کر کے واپس وصول کرنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف چینی حکومت نے منشیات پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ جو چیزیں ان سے ایسٹ انڈیا کمپنی خریدتی تھی وہ قانونی طور پر خریدی جاتی تھیں۔ چینی حکومت کی منشیات پر پابندی کی وجہ سے یہ لوگ قانوناً افیون برآمد نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے افیون کی سمگلنگ شروع کر دی اور دنیا کا سب سے بڑا نیٹ ورک بنایا تا کہ چین کو ڈبویا جا سکے۔ بنگال کو مرکز بنا کر وہ چین میں افیون سمگل کرتے تھے۔ اس کے لیے وہ مقامی کسانوں کو افیون اگانے کے لیے کہتے تھے۔ بنگال کے کسانوں پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ غذائی اجناس نہیں اگا سکتے۔ جس کے نتیجے میں بنگال میں قحط پڑ گیا اور دو تین کروڑ انسان مارے گئے۔ منشیات کے باعث بیس سے تیس سال میں ڈھائی سے تین کروڑ چینی لوگ مارے گئے اور اڑھائی کروڑ کے لگ

بھگ بنگالی بھی متاثر ہوئے۔تاریخ میں ایسے ظلم اور قتل وغارت کی مثال نہیں ملتی۔

چین کے حکمران نے طاقت استعمال کرتے ہوئے 1830ء کی دہائی میں منشیات کی سمگلنگ روکنے کے لیے انہیں متنبہ کردیا کہ وہ اپنے بحری جہاز لیکر چین کے قریب نہیں آسکتے لیکن سلطنت برطانیہ نے اپنے جنگی جہاز بھیجے اور باقاعدہ جنگوں کا آغاز کردیا جنہیں تاریخ میں ''اوپیم وارز'' (منشیات کی جنگیں) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ برطانیہ نے ٹیکنالوجی میں برتری کی بناء پر چین کو شکست دے دی۔

ہانگ کانگ جو ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے چین کو واپس ملا ہے تقریباً ڈیڑھ سو سال تک انگریزوں کے قبضے میں رہا۔ پہلی اوپیم وار کے نتیجے میں انگلینڈ نے اس جزیرے پر قبضہ کرکے اس کو اپنا مرکز بنالیا تھا۔ یہاں وہ مال ذخیرہ کرتے تھے اور پھر اسے چین سمگل کرتے تھے۔ جب چین کو شکست ہوگئی تو انہوں نے امن سازی کے لیے جو شرائط طے کیں وہ بہت شرمناک اور چین مخالف تھیں۔ چین کو مجبوراً اپنی ساری بندرگاہیں انہیں دینی پڑیں اور انہیں یہ اجازت دے دی کہ وہ چینی شہروں میں آکر تجارتی مرکز بنائیں۔ چین کا بادشاہ بے بس ہوکر دیکھتا رہا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے چینی قوم کو بھنگ اور افیون پر لگا دیا۔اب منشیات کی کھپت اس قدر زیادہ ہوچکی تھی کہ اگر یہ لاکھوں روپے کی چائے خریدتے تھے تو بدلے میں کروڑوں کی افیون بیچتے تھے یعنی تجارتی توازن اب الٹ سمت میں جارہا تھا اور تمام فائدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہورہا تھا۔سلطنت برطانیہ کی بنیاد مشرقی ایشیا اور مشرقی بعید میں منشیات پر رکھی گئی تھی یعنی کائنات کی سب سے بڑی ڈرگ سمگلر سلطنت برطانیہ تھی۔ یہ انکا آغاز تھا۔چینی حکمرانوں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ انکی ان مجرمانہ سرگرمیوں کو روکیں۔ایک دفعہ پھر 1858ء میں چین کو دوبارہ جنگ لڑنی پڑی جسے ''سیکنڈ اوپیم وار'' کہا جاتا ہے۔اس جنگ کے نتیجے میں چین کو ایک مرتبہ پھر شکست ہوئی اور برطانیہ کو تمام بڑے بڑے علاقوں حتیٰ کہ شنگھائی تک رسائی حاصل ہوگئی۔

یہ تاریخ کا ایک بہت ہی خطرناک لیکن اہم پہلو ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک طرف تو چین کو منشیات کے خلاف جنگوں میں الجھائے رکھا لیکن دوسری طرف ان منشیات سے مغربی تہذیب بھی نشانہ بنی۔سکون کے نام پر وہاں عوام کو منشیات کا عادی بنایا گیا۔ چونکہ یہ لوگ بنیادی طور پر صیہونی تھے لہذا ان میں عیسائیوں کیلیئے یا مغرب کیلیئے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

مغرب میں یہ صنعتی انقلاب کا دور تھا اور انہیں اپنی صنعت کیلئے کارکن اور مزدوروں کی ضرورت تھی۔ اس زمانے کے لحاظ سے زندگی کی دوڑ کافی بڑھ گئی تھی۔ لوگ فیکٹریوں میں کام کررہے تھے اور کئی کئی شفٹوں میں کام ہورہا تھا۔ پوری دنیا میں انکا سیٹ اپ پھیلا ہوا تھا۔ ان کی کیفیت ایسی تھی جیسے آجکل کے دور میں لوگ کام کرکے تھک جاتے ہیں تو رات کو سونے سے پہلے کوئی نشے کی گولی لے لیتا ہے یا کوئی سگریٹ پی لیتا ہے۔ اس زمانے میں انہوں نے ان نشہ آور ادویات کو متعارف کروایا اور لوگ سکون کیلئے ان ادویات کو استعمال کرنے لگے۔ آپ یہ سن کر حیران ہونگے کہ افیون سے ہیروئن مغربی دواساز کمپنیوں نے بنائی ہے۔ اسی طرح کوکین بھی انہی مغربی دواساز کمپنیوں نے باقاعدہ ایک نشہ آور شے کے طور پر تیار کی ہے۔

اس زمانے میں ڈرگ مافیا نہیں تھی اور یہ چیزیں یورپ میں نئی نئی متعارف ہوئی تھیں۔ تقریباً ساٹھ سال تک ڈاکٹرز اور دواساز کمپنیوں نے ان نشہ آور اجزاء کی تشہیر کی۔ اسکے لیے بڑے بڑے اشتہارات چھپوائے جاتے تھے۔ کوکین، افیون، ہیروئن جیسی خطرناک ادویات یورپ اور امریکی بازاروں میں کھلم کھلا فروخت ہوا کرتی تھیں کیونکہ اس وقت کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ ان اشیاء کے استعمال سے کیا منفی نتائج مرتب ہونگے۔ جب کبھی بھی معاشرے میں کوئی نئی چیز متعارف کروائی جاتی ہے تو اسکے فوائد ونقصانات جاننے میں کئی برس لگ جاتے ہیں۔ 1920ء تک لاکھوں لوگ نشے کے عادی ہوچکے تھے اور انہیں منشیات مہیا کرنے والے یہی یہودی تھے۔ روسی اور یورپی مافیا یہودی تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی بنیادی سپلائر تھا۔ امریکہ اور یورپ میں 1920ء کی دہائی میں منشیات پر پابندی لگائی گئی جو کہ سول سوسائٹی اور مذہبی حلقوں کے شدید ردعمل کے باعث لگائی گئی۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان تمام نشہ آور اشیاء کے کتنے برے اثرات ہیں۔ جب منشیات کی کھپت کیلئے اتنی بڑی منڈی موجود ہو تو اگر آپ راتوں رات کسی چیز پر پابندی لگاتے ہیں تو وہ ختم نہیں ہوتی بلکہ وقتی طور پر زیرزمین چلی جاتی ہے۔ یہ وہ دور تھا کہ جب منشیات فروشوں کے خفیہ نیٹ ورک بننا شروع ہوئے۔ جنہیں ہم مافیا کہتے ہیں۔ پھر منشیات کی فروخت سے وابستہ ان تمام حلقوں نے اپنی زیرزمین خفیہ سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ منشیات کی طلب تو تھی کیونکہ لوگ نشے کے عادی ہوچکے تھے۔ چنانچہ یہ سارا کاروبار خفیہ انداز میں چلنے لگا۔ اس وقت سے لیکر آج تک یہی لوگ منشیات کا

کاروبار کرتے چلے آرہے ہیں جو کہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آج دنیا میں موجود بڑی بڑی معیشتیں تین چیزوں کا کاروبار کرتی ہیں۔ان میں سب سے بڑی معیشت تیل کی ہے۔کھربوں ڈالر کے حساب سے توانائی کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔دوسرے نمبر پر ہتھیاروں سے وابستہ صنعت ہے جس میں اربوں بلکہ کھربوں ڈالر کا لین دین ہوتا ہے۔یہ دونوں قانونی طور پر جائز صنعتیں ہیں یعنی تمام ممالک کھلے عام ان دونوں صنعتوں میں لین دین کر سکتے ہیں۔دنیا کی تیسری سب سے بڑی صنعت منشیات سے وابستہ ہے۔اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق یہ صنعت تقریباً پانچ سو ارب ڈالر سے لیکر ایک کھرب ڈالر تک کماتی ہے۔اتنی بڑی صنعت نظروں سے اوجھل ہو کر کام کر رہی ہے جسے جرائم پیشہ مافیا کنٹرول کرتی ہے۔اسکی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ یہ صنعت پوری دنیا کو کنٹرول کر رہی ہے اور اس میں کئی با اثر لوگ اور گروپ ملوث ہیں جن میں بینکنگ کا شعبہ بھی شامل ہے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی صنعت سے حاصل ہونے والا اربوں ڈالر کا منافع کہاں جاتا ہے۔

چین، مشرق بعید، تھائی لینڈ، برما، ویتنام غرضیکہ اس سارے خطے سے منشیات کی پیداوار حاصل ہو رہی تھی۔یہ علاقے جنگ عظیم دوم سے متاثرہ خطے تھے۔فرانسیسی اور امریکی پہلے ویتنام اور پھر برما گئے۔اس خطے کا نام ہی گولڈن ٹرائی اینگل تھا۔سی آئی اے چونکہ اس سارے خطے میں گوریلا فوجوں کی مدد کر رہی تھی جو کہ کمیونزم کے خلاف لڑ رہے تھے۔لہذا سی آئی اے اپنے مالی وسائل بڑھانے کیلئے منشیات کے کاروبار کے حوالے سے دنیا کا سب سے بڑا گروہ بن گیا۔اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی منشیات فروش تنظیم سی آئی اے ہے۔اس پر سات سات سو صفحات کی کتب لکھی گئی ہیں اور اس موضوع پر کافی مواد بھی موجود ہے۔

منشیات کے پیسے کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا۔اس کے لیے کانگرس سے اجازت نہیں لینی پڑتی کیونکہ یہ پیسہ امریکی خزانے سے نہیں آتا۔پوری دنیا میں سی آئی اے کو خفیہ کام سونپے جاتے ہیں۔مثلاً حکومتوں کے تختے الٹنا، بغاوتیں برپا کروانا اور فوجیں تیار کروانا۔یہ سب کام امریکی قوانین کی خلاف ورزی ہیں۔سی آئی اے یہ تمام کام منشیات کی فروخت سے حاصل کردہ رقم سے انجام دیتی ہے۔

ویتنام میں امریکہ کے نام سے ایک ایئر لائن بنائی گئی جسکا مقصد منشیات کی سمگلنگ تھا۔اس سے حاصل شدہ رقم سے سی آئی اے کمیونزم کے خلاف گوریلا افواج اور ملیشیا کی مدد کر رہی تھی۔سی آئی اے کے منشور اور ذمہ داریوں میں شامل تھا کہ انہوں نے دنیا میں ہر وہ کام کرنا ہے جو مختلف مجرم اور دہشت گرد کرتے ہیں۔ایک جگہ سے دوسری جگہ منشیات کی منتقلی اور دیگر ایسے کام جو امریکی قانون کے اندر رہ کر نہیں کیے جاسکتے وہ سی آئی اے منشیات فروشوں کی سرپرستی اور انکی معاونت کر کے حاصل شدہ رقم سے انجام دیتی ہے۔

جنوبی امریکہ میں بھی سی آئی اے نے بغاوت برپا کروائی۔اس دور میں ایران عراق جنگ بھی ہو رہی تھی۔ چنانچہ ایران کو اسلحے کی ضرورت تھی۔ایران کو زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل اور اینٹی ٹینک میزائل درکار تھے۔انکی یہ کوشش تھی کہ کہیں سے انہیں یہ اسلحہ مل جائے۔ایران بلیک مارکیٹ میں یہ اسلحہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔اس ضمن میں ''ایران کونٹرا افیئر'' کے نام سے ایک مشہور کیس بھی موجود ہے۔اس کیس میں سی آئی اے کا افسر کرنل اولور ایک اہم کردار تھا۔

ٹیپو سلطان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے زبردست مزاحمت کی۔اس نے سراج الدولہ، مغل بادشاہ اور دوسرے نوابوں کے ساتھ فوجی اور سیاسی حکمت عملی اپنائی۔اس لیے ٹیپو سلطان کی حکمت عملی کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ پہلی مرتبہ ایک منظّم حکمت عملی کے تحت ایک کامیاب مزاحمت کی گئی تھی۔

اگر نقشے پر نگاہ ڈالی جائے تو بنگال مشرق میں جبکہ میسور جنوب میں ہے۔1757ء میں جب نواب سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور بیس تیس سال کے عرصے میں بنگال کو تباہ و برباد کر دیا گیا تو اسکے بعد انگریزوں نے اپنی توجہ دوسرے علاقوں پر مرکوز کرنا شروع کی۔اس وقت میسور کے حکمران حیدر علی تھے جو ٹیپو سلطان کے والد تھے۔ یہ وہ دور تھا کہ جب سلطنت برطانیہ امریکہ میں بھی جنگ لڑ رہی تھی اور امریکی کالونیوں کو اپنے قبضے میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔امریکی جنگ آزادی بحر اوقیانوس کے پار لڑی جا رہی تھی۔ جارج واشنگٹن اور وہ تمام امریکی جو انگریزوں کو نکالنا چاہتے تھے وہاں جنگ کر رہے تھے۔جب بڑی سے بڑی عالمگیر قوتیں بھی اپنے آپکو ضرورت سے زیادہ پھیلا دیں تو وہ ہر جگہ قبضہ نہیں کر سکتیں اور بے بس ہو جاتی ہیں۔اب انگریزوں کے پاس دو ہی راستے تھے۔امریکہ پر قبضہ یا انڈیا پر قبضہ۔امریکہ

انکے ہاتھ سے نکلتا جارہا تھا۔اسی دوران امریکی جنگ آزادی بھی لڑی گئی۔ بنیادی طور پر امریکہ برطانیہ کی کالونی تھا لیکن مقامی لوگ جو وہاں آباد تھے انہوں نے باہر سے آنے والوں کو حملہ آور سمجھا۔جسکے نتیجے میں ایسٹ کوسٹ میں انگریزوں کو شکست ہوئی اور وہ کالونیاں انکے ہاتھ سے نکل گئیں۔ برطانیہ کو اس وقت امریکی مزاحمت کا شدید دکھ تھا۔انگریزوں کو یہ احساس ہوا کہ انہوں نے اتنی بڑی کالونیاں کھودیں ہیں لہذا اب انہیں اپنی پوری توجہ متحدہ برصغیر کی طرف دینی چاہیے۔

سراج الدولہ کے بعد انگریزوں کو اٹلانٹک کے اس پار بھی شکست ہوئی۔اسکے نتیجے میں انگریزوں نے کافی بڑی سلطنت کھودی۔ برطانیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ شامل ہوگیا۔ پھر سلطنت برطانیہ کا ایشیاء میں اثرورسوخ بڑھنا شروع ہوا۔متحدہ برصغیر میں انگریز نواب سراج الدولہ کی شہادت کے بعد ٹیپو کی طرف آئے۔مگر اس سے پہلے جب امریکی برطانیہ کے خلاف مزاحمت کررہے تھے تو وہ ٹیپو سلطان اور حیدرعلی کی مزاحمت کی تعریف بھی کررہے تھے۔اسی دوران امریکہ نے ایک امریکی جنگی کشتی کو" حیدرعلی" کے نام سے موسوم کردیا یعنی امریکہ نے اس تحریک مزاحمت کو سراہا جو میسور میں حیدرعلی انگریزوں کے خلاف کررہے تھے کیونکہ دونوں کا دشمن ایک ہی تھا۔حیدرعلی اور جارج واشنگٹن دونوں انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔اس لیے اس وقت دونوں نے ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کی۔حیدرعلی ان پڑھ لیکن دلیر شخص تھے۔انہوں نے اپنے بیٹے کی بہت اعلیٰ تربیت کی۔ٹیپو سلطان ایک عالم، جرنیل اور حاکم بھی تھے۔جو کچھ ٹیپو نے کیا وہ اتنا شاندار ہے کہ انڈیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ٹیپو سلطان نے جب بنگال کی حالت دیکھی کہ وہاں مغلوں سے ٹیپو سلطان کو کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ چنانچہ ٹیپو سلطان نے خلافت عثمانیہ کی طرف اپنا نمائندہ بھیجا جو اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی خلافت تھی مگر بدنصیبی یہ کہ ٹیپو سلطان کا نمائندہ استنبول پہنچا تو وہاں انکا انتقال ہوگیا۔آج بھی انکی قبر استنبول میں موجود ہے اور انکی قبر پر تحریر ہے کہ "یہ ٹیپو سلطان کے ایلچی جو اس وقت ہندوستان سے خلافت عثمانیہ کی طرف مدد کی درخواست کیلئے آئے تھے انکی آخری آرام گاہ ہے" ٹیپو سلطان کی دوسری اہم پیش رفت چین کی جانب تھی۔ٹیپو سلطان نے چین کے ساتھ تعلقات قائم کیے اور تجارتی راہداری بھی بنائی۔اس سے ریشم بنانے کی ٹیکنالوجی حاصل کی اور اس میدان میں چینی مہارت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔آج بھی میسور میں ریشم بنانے کے کارخانے موجود ہیں۔

ٹیپو سلطان نے سمندر پار خلیج میں تجارتی راہداریاں قائم کیں۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ انگریز اب مضبوط ہوتے جا رہے ہیں تو فرانس سے رابطہ کیا اور فرانس کی مدد سے فوجی ٹیکنالوجی کو فروغ دیا گیا۔ ایسے بحری جہاز تیار کیے گئے جو کہ تجارتی مقاصد اور ساحلی پٹیوں کی حفاظت کیلئے استعمال ہوتے تھے۔ ٹیپو کی سفارتی و فوجی حکمت عملی کمال کی تھی لیکن بدنصیبی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے زوال کا وقت تھا۔ آپ جو مرضی حکمت عملی اپنائیں لیکن جب قوموں کا زوال آتا ہے تو پھر نہ تدبیریں کام آتی ہیں نہ شمشیریں۔ شاید مسلمان قوموں کی تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا کہ انہوں نے اب زوال کا شکار ہونا ہے۔ نظام کی غداری، مرہٹوں کی سازشیں اور میر جعفر و میر صادق کی غداری ٹیپو سلطان کی شکست کا باعث بنی۔

1799ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے وقت انگریز جرنیل نے انکی لاش پر کھڑا ہو کر کہا کہ آج ہندوستان ہمارا ہے۔ اس سے پہلے انہیں اس بات کا یقین نہ تھا کہ وہ لوگ ہندوستان فتح کر پائینگے۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انکا یہ خواب پورا ہونا شروع ہوا۔ انہیں معلوم تھا کہ اب مغل سلطنت کمزور ہو چکی ہے اور ہندوستان میں کوئی ایسا لیڈر یا مسلم جرنیل باقی نہیں بچا کہ جو برطانوی راج کا مقابلہ کر سکے۔ ٹیپو سلطان کی فوجی حکمت عملی اتنی کامیاب تھی کہ اگر پشت سے وار نہ کیا جاتا تو یہ مجاہد تاریخ ہی بدل دیتا۔

ٹیپو سلطان چین، خلافت عثمانیہ، مشرق وسطیٰ، فرانس اور یورپ تک گیا۔ اس نے عالمی سطح پر بڑے بڑے اتحاد بنانے کی کوشش کی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو چیلنج کرنا شروع کیا۔ دوسری طرف فرانسیسیوں کو مراعات دیں تا کہ انگریزوں کو نکالا جا سکے۔ مگر شاید مسلمانوں کی تقدیر میں غلام بننا لکھا تھا۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کو کھلی چھٹی مل گئی کہ قتل و غارت اور لوٹ مار کریں۔ 1757ء سے 1857ء تک کا دور اتنا ہولناک تھا کہ ہندوستان میں کئی کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ پہلی اور دوسری افیون جنگ کے بعد چین بالکل ختم ہو چکا تھا۔ تقریباً سو سال تک پوری چینی قوم نشے، افیون اور بھنگ سے نہ نکل سکی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اس سارے غیر قانونی دھندے میں بہت اہم کردار تھا۔ 1850ء سے 1910ء تک کے ساٹھ سالہ عرصے میں یورپ اور امریکہ میں بھی منشیات متعارف کروائی گئیں اور پھر یورپی اور امریکی لوگوں کا بھی وہی حشر ہونے لگا جو کہ چینی قوم کا ہو چکا تھا۔ اس سارے دھندے سے ان لوگوں نے خوب منافع کمایا۔ اس میں سے کچھ خود رکھا اور باقی منافع سے مزید اسلحہ خریدا گیا جو باغیوں کو فراہم کیا گیا۔

امریکی حکومت نے باقاعدہ طور پر پابندی عائد کر رکھی تھی کہ کوئی بھی حکومتی ادارہ یا کوئی بھی کمپنی ایران کے ساتھ کسی قسم کا لین دین نہیں کرسکتی کیونکہ امریکہ نے ایران پر پابندیاں اس لیے عائد کر رکھی تھیں کہ ایران عراق جنگ جاری رہے۔ چونکہ ایران اس وقت کمزور پڑ رہا تھا لہذا یہ لوگ ایران کی بھی مدد کر رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے دشمن کے دشمن کو دوست بنایا ہوا تھا۔ دوسری طرف لبنان میں انکے کئی ایجنٹ گرفتار ہوگئے تھے جنہیں حزب اللہ نے اغواء کرلیا تھا۔ ایران نے انکی رہائی کیلئے شرط لگا رکھی تھی کہ اگر آپ ہمیں اسلحہ دینگے تو ہم ان ایجنٹوں کو چھڑوانے میں آپکی مدد کرینگے۔ امریکی قانون کے مطابق یہ سرگرمیاں غیر قانونی تھیں۔ سی آئی اے نے اس سارے آپریشن پر آنے والی لاگت کو منشیات کی فروخت سے حاصل کردہ آمدن کے ذریعے پورا کیا۔ یہ سی آئی اے کا بہت پرانا اور منظّم طریقہ ہے۔ سی آئی اے ڈرگ مافیا سے لین دین کرتی ہے تو وہ گروہ انہیں مجبور بھی کرتے ہیں اور ٹنوں کے حساب سے کوکین، ہیروئن اور دوسری نشہ آور اشیاء یورپ، امریکہ اور دنیا کے باقی حصوں میں پہنچائی جاتی ہیں جس کے لیے سی آئی اے اپنے ٹرانسپورٹ جہاز استعمال کرتی ہے۔ یہ کام ایئر امریکہ کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے۔ اب یہ سارے حقائق منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

اگر آپ "Protocols of the learned elders of zion" کا مطالعہ کریں تو ایک بات بہت واضح ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ ہم غیر یہودی (گوئم) کی نسلوں، بچوں، خاندانوں اور انکے معاشروں کو تباہ کرینگے اور اپنے بچوں اور معاشرے کو بچا کر رکھیں گے تاکہ وہ بیرونی اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ اسرائیل خود ان خرافات سے دور رہتا ہے جن کو یہ باقی دنیا میں پھیلاتا ہے۔ اسرائیل کی کوئی کرکٹ ٹیم نہیں ہے۔ وہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ وہ آپکو کسی قسم کے کھیلوں میں نہیں نظر آئیں گے۔ وہ حد درجہ اپنے کاروبار تک محدود رہتے ہیں۔ یہودی دنیا کے مختلف خفیہ آپریشن، جاسوسی، تجارت، ہتھیاروں کی فروخت اور حکومتوں کے تختے الٹنے کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ باقی دنیا کو انہوں نے منشیات، فحاشی، عیاشی، بدکاری اور صیہونی تجارتی نظام میں مصروف کر رکھا ہے۔ یہودی اپنے آپ کو ان کاموں سے بچا کر رکھتے ہیں۔

1979ء کے بعد جب افغانستان میں سی آئی اے کو داخل ہونے کا موقع ملا تو انہیں ایک اور ایسا خطہ مل

گیا کہ جہاں یہ منشیات کاشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسکی خفیہ منصوبہ بندی کی۔ افغان جہاد کے دوران سی آئی اے نے بہت سے ذرائع سے منشیات حاصل کر کے آگے بیچ دیں اور اس آمدن سے مختلف آپریشن کیے۔ اس وقت پاکستان میں بڑے بڑے منشیات کے ڈیلر اسی وقت کی پیداوار ہیں۔ انہیں سی آئی اے کی حمایت حاصل تھی۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ افیون افغانستان میں پائی جاتی ہے۔ اسے با قاعدہ ایک تکنیکی مرحلے سے گزارنا پڑتا ہے جسکے بعد یہ ہیروئن بنتی ہے۔ اس سارے عمل کے لیے جس کیمیکل کی ضرورت ہوتی ہے وہ صرف یورپ اور امریکہ میں بنتا ہے۔ ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ جب بھی امریکہ اس علاقے میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہوا تو یورپ سے کنٹینرز بھر بھر کر یہ کیمیکل افغانستان بھیجا گیا۔ اور اس کے لیے تجارتی راہداری کو استعمال کیا گیا۔ کیا یورپ والوں کو معلوم نہیں کہ یہ کیمیکل کس مقصد کیلئے استعمال ہوگا؟

پاکستان کی اینٹی نارکاٹکس فورس (ANF) دن رات سرفروشی سے پاکستان میں منشیات کی سمگلنگ پر قابو پا رہی ہے۔ ہزاروں ٹن منشیات پکڑ کر سرحدوں پر ہی جلادی جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو پاکستان میں بچے بچے کے ہاتھ میں ہیروئن ہو۔ سوویت یونین کے دور میں افغانستان منشیات کی ایک بہت بڑی فیکٹری بن گیا تھا کیونکہ افغانستان کی معیشت تو بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ لوگوں کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ جنگ کی حالت میں جب کوئی کنٹرول نہ ہو، خوراک اور کھانا نہ ہو، تو لوگ مجبوراً منشیات کی طرف چلے جاتے ہیں چنانچہ روسیوں نے بھی منشیات استعمال کرنا شروع کیں۔ روسی فوج کیلئے یہ ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا۔ امریکہ کی بھی یہی کوشش تھی کہ روسی فوج کو منشیات کا عادی بنا دیا جائے اور ایسا ہی ہوا۔ کئی سالوں تک ہزاروں ٹن منشیات روسی افواج کے ذریعے ایشیاء تک پہنچتی رہیں۔ روسی سلطنت کو تباہ کرنے میں منشیات کا بہت بڑا کردار تھا۔ انکی فوجیں لڑتی نہیں تھیں۔ افغانستان میں دیکھا گیا ہے کہ روسی فوجی اسلحے کا لین دین کرتی تھی تا کہ وہ منشیات حاصل کر سکیں یعنی وہ اسلحے کے بدلے میں منشیات لیا کرتے تھے اور یہ ایک باقاعدہ کاروبار بن چکا تھا۔

ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ طالبان 1995ء میں جب اقتدار میں آئے تو انکے چھ سالہ دور میں یعنی 2001ء تک افغانستان میں افیون کی کاشت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ یہ بات اقوام متحدہ نے بھی تسلیم کی

ہے۔ گولڈن ٹرائینگل پہلے ہی بند ہو چکا تھا۔ پاکستان، افغانستان اور ایران پر مشتمل علاقے کو یہ لوگ گولڈن کریسنٹ کہتے ہیں۔ طالبان کے جاتے ہی جونہی امریکیوں نے افغانستان میں قدم رکھا انہوں نے باقاعدہ منشیات کی کاشت کروانی شروع کی اور یہ سارا کام ان علاقوں میں عمل میں لایا گیا جہاں امریکی اور نیٹو افواج موجود تھیں۔ اس وقت حال یہ تھا کہ افغانستان میں منشیات کی معیشت ایک سو پچاس ارب ڈالر تک پہنچ گئی تھی۔

سی آئی اے جان بوجھ کر افغانستان میں منشیات پیدا کروا رہی ہے اور اسکے بہت بڑے بڑے مقاصد ہیں۔ اب ایک سو پچاس ارب ڈالر کی منشیات پیدا کی جا رہی ہیں جس سے ہیروئن بنائی جا رہی ہے۔ Acetic Hydrite پوری دنیا سے افغانستان میں منگوایا جاتا ہے جبکہ دنیا کے تمام ممالک اور تمام دوا ساز کمپنیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ افغانستان میں یہ کیمیکل صرف اور صرف ہیروئن بنانے کے کام آتا ہے۔ اسکے باوجود یہ لوگ افغانستان کو کیمیکل برآمد کرتے ہیں۔ پاکستان کو اجازت نہیں کہ کنٹینرز کھول کر چیک کرے کہ کس کنٹینر میں Acetic Hydrite افغانستان بھیجا جا رہا ہے۔

اس وقت افغانستان میں جو منشیات پیدا کی جا رہی ہیں وہ چین بھجوائی جاتی ہیں۔ چین کے خلاف ایک اور افیون جنگ کی تیاری کی جا رہی ہے۔ تمام مسلم دنیا میں بھی یہ منشیات بھیجی جا رہی ہے تا کہ مسلم تہذیب، ثقافت و تمدن کو تباہ کیا جائے۔ یہ منشیات وسطی ایشیائی ممالک اور روسی تہذیب و ثقافت کو ختم کرنے کیلئے بھی استعمال کی جا رہی ہیں۔ افغانستان سے بھاری مقدار میں منشیات چین، مسلم ممالک اور یورپ میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ یہ منشیات امریکہ نہیں بھیجی جاتیں۔ افغانستان کی صرف چار سے پانچ فیصد منشیات امریکہ جا رہی ہیں اور پچانوے فیصد باقی دنیا میں پھیلائی جاتی ہیں۔

اس کاروبار کا حجم ایک سو پچاس ارب ڈالر ہے جو کہ مغربی صہیونی بینکاری نظام میں جاتا ہے اور یہ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار ہیں کہ دوبارہ یہ پیسہ واپس افغانستان آ کر کسانوں اور ان لوگوں میں تقسیم ہوتا ہے جو اس کاروبار سے وابستہ ہیں۔ ان لوگوں نے چھوٹے چھوٹے مختلف الزام لگا کر ہانگ کانگ میں بی سی سی آئی بینک جو کہ ایک پاکستانی آغا حسن عابدی کی ملکیت ہے، کو بند کروا دیا۔ اس پر الزام لگایا کہ یہ بینک غیر قانونی منی لانڈرنگ میں ملوث ہے۔ دنیا کا کوئی بینک ایسا نہیں جو منشیات سے وابسطہ منی لانڈرنگ میں ملوث نہ ہو

اور اسکا منشیات کے سرمائے پر انحصار نہ ہو۔ یہ شعبہ کم از کم پانچ سو ارب ڈالر مالیت کا ہے۔ مغربی صیہونی بینکاری نظام کا انحصار اسی پیسے پر ہے۔ دنیا میں منشیات کی سمگلنگ کیلئے جن راستوں کو استعمال کیا جاتا ہے انہیں ہم ایڈز روٹ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ لوگ نشے کیلئے سرنج اور انجیکشن استعمال کرتے ہیں جو کہ دنیا میں ایڈز کے پھیلاؤ کا سب سے بڑا سبب بن رہے ہیں۔

ہزاروں ٹن افیون، ہیروئن اور دوسری نشہ آور اشیاء ہماری اینٹی نارکوٹکس کے نوجوان پکڑ کر جلاتے ہیں۔ لیکن جس کاروبار کو سی آئی اے، یورپین انڈسٹری اور یورپین صہیونی بینکنگ سسٹم سپورٹ کر رہا ہو اسے روکنا کس طرح ممکن ہے۔ لوگ محض دکھلاوے کے لیے انسداد منشیات پر کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف اربوں بلکہ کھربوں روپے اس کاروبار میں لگاتے ہیں اور پھر اس سے خوب منافع کماتے ہیں۔ آج کی یورپی تہذیب کی بقاء اسی دھندے میں مضمر ہے یعنی بینکنگ کا نظام منشیات کے کاروبار پر چل رہا ہے۔

انسان پاگل نہیں کہ اس سارے کھیل کو سمجھ نہ سکے۔ آپ اینٹی نارکوٹکس فورس کے جوانوں کو دیکھیں کہ وہ کس طرح بلوچستان میں امریکی منشیات کو پکڑ پکڑ کر جلاتے ہیں اور اسے پاکستان میں نہیں پہنچنے دیتے۔ ان لوگوں کی جدوجہد کا ایک فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ کسی حد تک منشیات پر قابو پایا جا چکا ہے۔

منشیات اب اہم مسئلہ بن چکی ہیں۔ تیس سے چالیس لاکھ ایرانی، چالیس پچاس لاکھ وسطی ایشیائی باشندے، چالیس پچاس لاکھ چینی باشندے اور اسی طرح روس میں چالیس پچاس لاکھ ایسے افراد موجود ہیں جو منشیات کی لعنت کے عادی ہو چکے ہیں۔ تصور کیجیے کہ منشیات کی کھپت کس قدر زیادہ ہے۔ 1948ء میں ماؤزے تنگ نے اقتدار میں آنے کے بعد سب سے پہلے منشیات فروشوں اور منشیات کے عادی افراد کو بے دریغ قتل کیا جنکی تعداد سینکڑوں میں تھی اور دو تین سال کے اندر اندر چین کو اس لعنت سے پاک کر دیا۔ منشیات کے خلاف پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک جب تک ردعمل نہیں اپنائیں گے اس پر قابو پانا ناممکن ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ہمیں ان مغربی کمپنیوں سے نمٹنا چاہیے جو کہ افغانستان میں Acetic Hydrite بھیج رہی ہیں۔ آخر وہ کس مقصد کیلئے یہ کیمیکل وہاں بھیج رہی ہیں؟ جبکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ افغانستان میں یہ صرف منشیات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ سی آئی اے کے تمام تر آپریشن منشیات کے کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی سے چلتے ہیں۔ دوسری طرف سی آئی اے طالبان پر الزام

تراشی کرتی ہے کہ انکی آمدنی منشیات کے کاروبار سے وابستہ ہے۔ اگر ایسا تھا تو پھر طالبان 1995ء سے 2001ء میں بھی یہی ذرائع استعمال کر سکتے تھے۔

جہاں تک اس کے سدباب کا تعلق ہے تو ایک حد تک تو اس کو روکا جا سکتا ہے لیکن مکمل طور پر اس پر قابو اس لیے نہیں پایا جا سکتا کیونکہ اس کاروبار میں بہت زیادہ سرمایہ کاری ہوئی ہے۔ مختلف حکومتیں، مغربی بینکنگ سسٹم اور سی آئی اے اس میں اس حد تک ملوث ہیں کہ اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح یہ جوہری ہتھیار، ڈیزی کٹر بم اور اپنے میڈیا کو استعمال کر رہے ہیں، اسی طرح منشیات انکا بہت بڑا ہتھیار رہے جسے مسلم دنیا، روس اور چین کے خلاف بھرپور طریقے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اختیار کیا تھا۔ اس ساری صورتحال سے نمٹنے کیلئے ہمیں پاکستان میں بہت سخت قانون بنانا ہوگا۔ پچھلے دس سالوں میں پاکستان میں ایک بھی منشیات کا ڈیلر پھانسی پر نہیں چڑھایا گیا، اور نہ ہی کسی ڈیلر کو اس سلسلے میں سزا دی گئی ہے۔ پاکستان نے جو منشیات کے ڈیلر پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیے ہیں، وہ چند ہفتوں کی سزا کاٹنے کے بعد رہا ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس خطے سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے منشیات کے ڈیلر امریکہ سے رہا ہوئے ہیں کیونکہ وہ سی آئی اے کے تنخواہ دار تھے۔ انکا آپس میں تعلق تھا اور وہ ایک ہی کاروبار میں شریک تھے۔

☆☆☆☆☆

مغربی معاشی نظام کا متبادل

پچھلے دو تین سو سال کے اندر اس صیہونی معاشی نظام نے لوگوں کی دولت پر قبضہ کیا، دنیا میں قتل و غارت کی، لوگوں میں بیماریاں، فساد جنگیں اور ہلاکتیں برپا کیں، خوراک کی رسد کنٹرول کی، معاشرے، انسانیت اور نسلیں تباہ کیں۔ پچھلے دو سو سال میں جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس سے پہلے انسانیت کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کے بارے میں تمام انبیاء نے اپنی قوموں اور امتوں کو ڈرایا تھا۔ حضورؐ نے بھی مسلمانوں کو اس وقت سے آگاہ کر کے خبردار کیا تھا کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ جس میں یہ سب کچھ ہوگا۔ یہ اتنا غیر معمولی وقت ہے کہ اس پر مستند فتوے نہیں لگائے جاسکتے۔ وہ فتوے جو چودہ سو سال میں مسلمان امت نے اپنے مختلف مسائل کے حل میں استعمال کیے ہیں، اس دور میں ان کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ جب انکے پاس آپ کوئی مسئلہ لے کر جایا کرتے تھے تو وہ پہلے پوچھا کرتے تھے کہ کیا یہ مسائل آج کے انسان کو پیش آئے ہیں۔ اگر جواب آئے کہ یہ مسائل مفروضے پر مبنی ہیں اور ہمیں پیش نہیں آئے تو وہ کہتے تھے کہ ان مسائل کا جواب وہ علماء دیں گے جن کے دور میں یہ مسائل پیدا ہونگے۔ اس وقت کے علماء اپنے آپ کو صرف ان مسائل تک محدود رکھتے تھے جو اس وقت لوگوں کو پیش آتے تھے۔ اجتہاد کی گنجائش دین میں اس لیے ہے کہ جیسے جیسے حالات بدلتے جائیں، قرآن وسنت کو بنیاد بنا کر اور شریعت کی بنیاد پر مسلمان اپنے لیے راستہ نکالتے رہیں۔

یہ ایسا دور ہے کہ تاریخ انسانیت اور تاریخ اسلام میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ تاریخ اسلام میں آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پوری دنیا نقلی کاغذی کرنسی کے نظام پر قائم ہوگئی ہو جو کہ صیہونی معیشت اور بینکاری کا نظام کنٹرول کر رہا ہو۔ یہ بھی نہیں ہوا کہ امت مسلمہ کی تمام دولت یہودیوں اور صیہونیوں کے ہاتھوں میں ہو۔ یہ بات نا قابل تصور ہے کہ خلافت عثمانیہ اسلامی ہو اور اسکے سارے خزانے یورپ کی عیسائی قوتوں کے ہاتھ میں ہوں یا مغل حکومت قائم ہو اور سارے خزانے انہوں نے دنیا کی کسی اور طاقت کے حوالے

کر دیئے ہوں۔ ہمیشہ وہ ممالک، خلافتیں اور حکومتیں اپنے خزانے اپنے پاس رکھتی تھیں۔تاریخ انسانی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کا ہر انسان مقروض ہو۔ہمیں ماضی سے بہت زیادہ فتوے، راہنمائی یا ہدایات نہیں ملے گی۔ہمیں قرآن وسنت کی حکمت اور روح کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے لیے خود راستے تلاش کرنے ہونگے۔ہمیں اس راستے پر چلنا ہے جس کی سمت کا تعین اللہ اور اسکے رسولؐ نے کر دیا ہے۔ان حالات اور واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ان وسائل کو دیکھتے ہوئے کہ جو آج ہمیں درپیش ہیں۔ہمیں اپنا راستہ خود تلاش کرنا ہے۔امت مسلمہ آج معاشی طور پر بہت زیادہ طاقتور نہیں ہے۔جو دولت ہماری ہے وہ بھی یہودیوں کے ہاتھ میں ہے یعنی تمام مسلمان ممالک کے زرمبادلہ کے ذخائر یا تو ڈالر میں ہیں یا یورو میں ہیں جو انہی کے بینکوں میں رکھے ہوئے ہیں۔

جب ہم ردعمل ظاہر کرنا شروع کریں گے تو یاد رکھیے یہ جوابی عمل نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک قدرتی ردعمل ہے جو انسان کے وجود میں ہوتا ہے۔اسے ناکامی، احساس محرومی اور کمتری کا احساس ہوتا ہے تو وہ دہشتگردی پر اتر آتا ہے لیکن ان سب چیزوں سے یہ نظام تبدیل نہیں ہوگا۔اس نظام کو تبدیل کرنے کیلئے بہت ہی محتاط حکمت عملی اپنانی پڑے گی۔اس حکمت عملی کا طریقہ کار یہ ہے کہ جن مسائل کو مرکز بنا کر یہ نظام چلایا جا رہا ہے اس کو سمجھیں۔اپنی کمزوریوں کو دیکھیں، دشمن کی طاقت کو دیکھیں۔اپنی قوت کو سمجھیں اور ایک ایک کر کے ردعمل ظاہر کرنا شروع کریں تاکہ ہم دشمن کی طاقت کو ایک ایک کر کے توڑیں۔یہ جلد بازی کا کام نہیں ہے کیونکہ جو ردعمل ظاہر ہوگا اس میں ایک بہت بڑا عنصر معاشرے کی تعمیر بھی ہے۔انسان سازی اور کردار سازی بھی ہے۔جو کچھ ہم آپ کو بتائیں گے وہ کوئی ناممکن کام نہیں ہے۔کفر کا نظام اتنا طاقتور نہیں جتنا نظر آ رہا ہے۔یہ نظام اپنے خنجر سے آپ خود کشی کر رہا ہے جب یہ نظام خود کشی کرے تو ساتھ ساتھ ہم اپنی قوت پکڑنا شروع کر دیں۔

ہم اس نظام کو پیچھے ہٹاتے ہوئے اسکی جگہ پر اپنا ایک معاشی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اور عدالتی نظام کس طرح بنائیں گے، یہ ایک محتاط اور محفوظ حکمت عملی ہوگی۔یہ انقلابی حل ہونگے۔ہماری تین چار نسلیں اس کفر کے نظام میں پیدا ہوئی ہیں جو اس بینکاری نظام کی عادی ہیں۔وہ اس کاغذی کرنسی کی عادی ہیں۔وہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ دوبارہ وہی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔جس پر ہزاروں سال سے انسانی

تہذیبیں چلتی رہی ہیں۔ایسی بڑی بڑی تہذیبیں گزری ہیں، جوسوداورربا کے نظام پر قائم نہیں تھیں، آخروہ بھی تو چلا کرتی تھیں۔ان کے پاس بھی اصل دولت تھی، ان میں بھی سونے اور چاندی کے سکے تھے۔وہ کاغذی کرنسی، صیہونی بینکاری کے نظام اور''فریکشنل ریزرو'' پرنہیں چلا کرتی تھیں۔تو آج وہ نظام دوہرایا کیوں نہیں جاسکتا۔یہ لوگ میڈیا، تعلیمی نظام اوراپنے بینکاری نظام کے ذریعے ہمیں قائل کرتے ہیں کہ وہ نظام کبھی لوٹ کےنہیں آسکتا۔

بہرحال ہماری زندگی کا مقصد صرف یہ ہے کہ عدل کا نظام صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے رائج ہونا چاہیے۔آج انسانیت تکلیف میں ہے۔یہ بات فیصلہ کن طور پر طے ہوچکی ہے کہ یہ نظام ہمیں قبول نہیں ہے۔ہمیں ہر حال میں متبادل تلاش کرنا چاہیے اسکے لیے ہمیں بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

آجکل یہ غلط تصور پایا جاتا ہے کہ اسلام نے کوئی معاشی نظام نہیں دیا لہذا اسلام کے معاشی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے نظام کے ساتھ الحاق کرنا پڑے گا۔اسلام، اسلام ہے۔اسکا کسی صورت میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اسلام کی کچھ خصوصیات سرمایہ دارانہ نظام میں بھی ہیں، کچھ باتیں اشتراکیت میں بھی ہیں لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسلام کو مکمل کرنے کے لیے اشتراکیت یا سرمایہ دارانہ نظام سے کوئی چیز ادھار مانگیں۔سرمایہ دارانہ معاشی نظام اللہ، اسکے رسولؐ اور اسلام کے معاشی نظام کے ساتھ براہ راست متصادم ہے۔ہم کسی صورت میں بھی انکو ساتھ نہیں چلا سکتے۔ہمیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق چلیں یا پھر اسلام کے مطابق چلیں۔دلائل بھی دیئے جاتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام سے اگر سود نکال دیا جائے تو وہ اسلام کے مطابق بن جائے گا۔درحقیقت اگر سود اور ربا کو نکال دیا جائے تو پھر سرمایہ دارانہ نظام تو رہے گا ہی نہیں۔دوسری بات یہ کہ ربا نکالنے کے باوجود بھی اس نظام کی وجہ سے استحصال ہوگا۔اس نظام میں اتنا فساد ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی فطرت، شریعت اور انسان کی قدرتی زندگی کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔

حضورؐ نے ہمیں اس وقت کے بارے میں خبردار کیا تھا۔ایک حدیث شریف میں آپؐ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ کوئی انسان ایسا باقی نہیں رہے گا کہ جو ربا کے نظام میں شامل نہ ہو، جو سود نہ کھاتا ہو،

اگر کوئی شخص سود نہ بھی کھاتا ہوگا تو اسکو بھی اسکا دھواں پہنچے گا۔ ہم اسی نظام میں رہ رہے ہیں۔ گویا کوئی انسان اس نظام سے باہر نہیں ہے۔ تقریباً سبھی مسلمان ممالک اس نظام کے مطابق چلنے پر مجبور ہیں۔ ایران، افغانستان کی طالبان حکومت اور صومالیہ نے اس نظام سے نکلنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو پائے۔ ہماری حکومتیں اپنے زرمبادلہ کے جو اکاؤنٹ رکھتی ہیں، اس پر بھی سود لیتی ہیں۔ جو لوگ ملازمتیں کرتے ہیں گو کہ خود وہ حلال رزق کما رہے ہیں محنت کر رہے ہیں، لیکن جن اداروں میں وہ کام کر رہے ہیں ان کے اکاؤنٹ سود پر ہیں۔

یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس پر مستند فتوے نہیں لگائے جا سکتے۔ اس معاشرے کو اگر مجموعی طور پر تقسیم کریں تو آپکو تین طرح کے انسان نظر آئیں گے۔ ایک وہ جو سود اور رباء کے نظام کی بنیاد ہیں اور اسکو مضبوط کر رہے ہیں۔ وہ اسکو قائم و دائم رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔ اس میں صیہونیوں سمیت مسلمان معاشروں کے لوگ بھی ہیں جو مجبور ہیں۔ وہ اچھے انسان ہیں لیکن ایک برے نظام میں پھنس گئے ہیں۔ وہ حلال رزق بھی کمانا چاہتے ہیں۔ محنت بھی کرنا چاہتے ہیں مگر ان تک رباء کا دھواں پہنچتا ہے۔ تیسرے لوگ وہ ہیں کہ جو اس نظام میں پھنسے تو ہوئے ہیں لیکن اس نظام کو تبدیل کرنے کیلئے کوششیں کر رہے ہیں وہ لوگ کہیں آگہی کے ذریعے، کہیں جہاد اور کہیں معیشت کے ذریعے کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ اگر آپ تبدیلی چاہتے ہیں تو اپنی نیتیں درست کر لیجیے۔ اپنے آپ کو اور اپنے مرکز کو دوبارہ منظّم کریں۔ کیونکہ اب تمام راستے اس نظام کے اندر سے ہی نکلیں گے۔ وگرنہ ہم اس کفر کے نظام کا حصہ بن جائیں گے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کر نہیں سکتے لیکن کم از کم دل میں اس نظام کو برا کہہ سکتے ہیں اور تیسرے وہ لوگ ہیں کہ جو اس نظام کو تبدیل کرنے کی منظّم کوشش کریں گے۔ یہ تھوڑے لوگ ہونگے لیکن یہ لوگ اس کام کو کرنے کا بہت بڑا خطرہ مول لیں گے۔

کفر کا نظام فرعون کی ذہنیت اور سوچ کی مانند ہے۔ جب فرعون کو یہ معلوم ہوا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو اسکی بادشاہت کے لیے خطرہ ہوگا تو اس نے اس بچے کو مروانے کے لیے لاکھوں لوگ مروا دیئے تھے۔ یہ ایسا نظام ہے کہ اسکے ڈالر پر فرعون کی قبر اور دجال کی آنکھ بنی ہوئی ہے۔ اس نظام کو جب یہ اندازہ ہوگا کہ کسی قوم ملک یا گروہ میں تحریک پیدا ہو رہی ہے جو لوگوں کو تعلیم اور آگہی دے رہی ہے، ردعمل بھی پیدا

کررہی ہے تو وہ اپنا ردعمل ضرور دکھائیں گے۔ان کا یہ ردعمل قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہوگا۔اس سارے معاملے کو کفر کے نظام میں رہتے ہوئے کیسے تبدیل کریں؟ اسکا رستہ ہمیں حضورؐ کی سنت سے ملتا ہے۔

یہ واقعہ ہماری تاریخ کا حصہ ہے کہ حضورؐ تب بھی خانہ کعبہ کا طواف فرمایا کرتے تھے۔ جب کعبے میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ حضورؐ اور مسلمان اس پر راضی نہیں تھے لیکن خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا تھا۔ان بتوں کو اس وقت توڑا گیا جب مسلمانوں کے پاس اتنی قوت آئی کہ وہ غلبہ پا سکتے۔ جب فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں تو اپنے دست مبارک سے کعبے میں ایک ایک بت کو توڑا۔ ہمیں اس سے حکمت ملتی ہے کہ اگر آغاز میں ہی ردعمل ہوتا اور اس وقت مسلمان ایک بغاوت برپا کردیتے تو قتل و غارت کی صورتحال پیدا ہوجاتی۔اگر براہ راست کفار سے ٹکراتے تو چھوٹا سا مسلمان گروہ تو وہیں ختم کردیا جاتا۔مگر مسلمانوں نے اس ظلم کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ردعمل کے لیے حکمت عملی بنائی۔ان پاس روحانی قیادت موجود تھی۔مسلمانوں کا ایک مرکزی گروہ بنا جسکو اپنے مقصد سے بہت لگاؤ تھا اور حکمت عملی کے ساتھ انہوں نے اپنا راستہ بنایا۔کسی بھی موقع پر اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا لیکن بلا وجہ اپنے آپ کو تصادم اور خطرے میں بھی نہیں ڈالا۔ مکہ میں تیرہ سال مسلمانوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی، جنگ نہیں کی، قتل و غارت نہیں کیا، دشمنوں سے مقابلہ نہیں کیا۔ ہجرت کے بعد جب اسلامی ریاست وجود میں آئی تو اس ریاست کو منظّم کرنے میں بھی کئی سال لگے۔اس میں جنگیں بھی ہوتی رہیں، وقفے بھی آتے رہے۔ معاشی نظام بھی بنتا رہا۔ بھائی چارہ بھی ہوتا رہا۔سماجی انصاف کا نظام بھی قائم ہوا اور آخر میں نویں ہجری میں فتح مکہ ہوا۔

آخر انسانی تاریخ ہزاروں سال سے سونے اور چاندی میں کاروبار کررہی تھی۔ یہ صرف ایک پراپیگنڈہ کا حصہ ہے کہ سونے اور چاندی سے انتظام نہیں چل سکتا۔ یہ قوموں کو بیوقوف بنانے کا طریقہ ہے جو میڈیا پراپیگنڈے کے ذریعے انہوں نے پھیلایا ہے۔ بظاہر عظیم الشان نظر آنے والی یہ معیشتیں جعلی ہیں۔جس دن ڈالر کی قدر میں کمی سے کسی نے انکار کیا تو پوری دنیا کی معیشت ایک ہی رات میں تباہ ہوجائے گی۔

بظاہر یہ بہت مستحکم نظر آتی ہے لیکن ہے نہیں۔اسکا متبادل راستہ ڈھونڈیں۔مسلمان سکالرز نے اس پر تحقیق کی ہے کہ حضورؐ کے وقت میں چودہ سو سال پہلے ایک مرغی ایک درہم کی آیا کرتی تھی اور آج ایک

مرغی کی قیمت نکالی جائے تو وہ بھی ایک درہم میں آتی ہے۔سونے اور چاندی کی کرنسی اس وقت کے لحاظ سے اور آج قدر اور وزن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اشیاء کی قدر بالکل ویسی ہی ہے۔حضورؐ کی ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ بنی نوع انسان پر سوائے درہم اور دینار کے ہر چیز کی قدر ناقص ہو جائے گی۔اب ایک لمحے کے لیے اس بات کو سوچیئے کہ یہ حدیث ایک ایسے ماحول میں بیان فرمائی جا رہی ہے۔جہاں درہم اور دنیار کے علاوہ کوئی تیسری کرنسی ہے ہی نہیں۔وہاں کے لوگوں کے لیے یہ بات بہت عجیب تھی کہ درہم اور دینار کے علاوہ کوئی کرنسی ہوگی جو ردی ہو جائے گی۔

آج ہمیں اس حدیث کی حکمت سمجھ میں آتی ہے۔اگر انسانیت کو بچانا ہے تو ہمیں حقیقی دولت پر جانا ہوگا۔یہودی صیہونی بینکرز خود اپنے پاس تو سونے اور چاندی کے ذخائر رکھ رہے ہیں لیکن بنی نوع انسان کو ردی کاغذ پکڑا دیا ہے۔تو اسکا ردعمل اسی طرح شروع ہوگا کہ ہم سونے کے درجات پر چلے جائیں۔جس کی ذاتی قدر اور افراط زر میں اضافہ بھی نہیں ہوتا۔حکومتیں اپنی مرضی سے اسکی قیمت اور قدر تبدیل نہیں کرسکتیں سونے کو اگر سو سال زمین میں دبا دیں تو بھی اس کی قدر کم نہیں ہوگی۔سونا ہمیشہ سونا رہے گا۔اسلام کے اولین دور اور خلفاء راشدین کے دور میں، مسلمان ایرانی سلطنت کے سونے کے سکے استعمال کرتے تھے کیونکہ اس وقت مسلمانوں نے اپنے سکے نہیں ڈھالے تھے۔حضرت عثمانؓ کے زمانے میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے اسلامی ریاست میں اپنے سکے بنائے۔وہ بھی سونے اور چاندی کے سکے تھے لہذا وہ پوری دنیا میں مانے جاتے تھے۔چونکہ وہ سونا تھا اور وزن کے حساب سے لیا جاتا تھا لہذا ان کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس پر مہر کیا لگائی گئی ہے۔

بلاشبہ وہ سب سے زیادہ ناپاک معیشت کا نظام ہوگا کہ جس میں آپ حقیقی دولت نہیں بلکہ ان کی رسیدوں سے کام کریں۔حقیقی دولت کے مقابلے میں اس دولت کی کوئی قیمت اور قدر نہیں ہے۔لیکن رباء کا نظام معاشرے میں اس بری طرح سرایت کر چکا ہے کہ اسکو نکالنا آسان نہیں ہے۔یہ مشکل کام ہوگا۔ چودہ سو سال پہلے بھی یہ مشکل کام تھا۔حضورؐ کا خطبہ حجتہ الوداع اٹھا کر دیکھیں جو آپؐ نے آخری حج کے موقع پر بیان فرمایا ہے جبکہ اسلام کی تبلیغ اور نفاذ میں تقریباً 23 سال ہو چکے ہیں۔اس دوران غزوات ہوئے۔ جہاد ہوا۔پورا معاشرہ قائم کیا گیا۔اسکے باوجود اکا دکا لوگوں پر قرض تھا یا لوگوں کے پاس ایسے قرض باقی

تھے جن سے وہ سود لیا کرتے تھے۔حضورؐ نے خطبہ حجتہ الوداع میں اعلان فرمایا تھا کہ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود معاف کرتا ہوں۔انہوں نے یہ فرمایا کہ آج کے بعد رباء اور سود کے تمام نظام ختم کیے جاتے ہیں۔یعنی اس وقت تک یہ نظام چل رہے تھے کیونکہ اس سے نکلنا آسان نہیں تھا۔بالکل ایسے ہی جیسے شراب کو بتدریج حرام قرار دیا گیا مگر فوری طور پر اس سے چھٹکارا ممکن نہ تھا۔

خطبہ حجتہ الوداع انسانی حقوق کا بنیادی اعلامیہ ہے۔انسانی حقوق سے متعلق اس سے بہتر دستاویز کائنات میں نہ اس سے پہلے بنی اور نہ مستقبل میں دی جاسکتی ہے۔اس میں جن جن عناصر کو بیان کیا گیا ہے،آج کے معاشرے میں اگر ہم صرف اس کو بنیاد بنالیں تو ہر قسم کا ظلم اور استحصال ختم ہوسکتا ہے اور ایک قابل رشک معاشی نظام بن سکتا ہے۔حضورؐ نے سب سے پہلے بنیادی عقائد توحید، رسالت، آخرت، عقیدہ اور اللہ تعالیٰ کی واحدانیت بتائے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے بعد حضورؐ نے صاف صاف بتادیا کہ مسلمان نہ تو رباء لے سکتا ہے اور نہ رباء دے سکتا ہے۔رباء ایسے معاشرے میں ہوتی ہے کہ جہاں پر لوٹ کھسوٹ ہو، مادہ پرستی ہو۔جو مادہ پرست معاشرہ ہو۔ایک روحانی معاشرہ میں جہاں پیار و محبت ہو، تعلق ہو، غریبوں، یتیموں، مسکینوں، بیواؤں کا دھیان کیا جائے وہاں تو یہ بالکل مخالف تصور ہے۔رباء تو استحصال ہے۔رباء کے نظام کو حرام قرار دینے کے بعد حضورؐ نے بھائی چارے کی بات کی۔آپؐ نے فرمایا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں یعنی آپؐ نے ایک مسلمان معاشرے میں بھائی چارہ کے تصور کو دوبارہ زندہ کیا۔آپؐ نے مدینے کی طرف ہجرت کرتے ہوئے مواخات کا تصور قائم کیا تھا۔مکہ کے ایک مسلمان اور مدینے کے ایک مسلمان کو آپس میں ساتھ کھڑا کر کے بھائی بنایا تھا اور ان سے کہا تھا کہ تم اپنے بھائی کی مدد کرو کیونکہ وہ مہاجر تھے اور ہجرت کرنے والوں کے پاس کچھ نہیں تھا۔انصار، جنکے پاس مدینے میں نہ کوئی وراثت تھی اور نہ جائیداد تھی، انکو حق دیا کہ تم لوگ ایک دوسرے کا اس طرح خیال کرو جس طرح کہ تم اپنے سگے بھائی کا خیال کرتے ہو۔اس مواخات کے حوالے سے ہم صرف ایک مثال بیان کریں گے کہ جنگ بدر میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی کافروں کی طرف سے گرفتار ہوئے جبکہ آپؓ مسلمانوں کی طرف سے تھے۔جب انہوں نے اپنے سگے بھائی کو گرفتار دیکھا تو اپنے مسلمان بھائی سے کہا کہ اسکو پکڑو کیونکہ اسکی ماں بہت امیر ہے وہ اس کو چھڑانے کے لیے تمہیں پیسے دے گی۔انکے سگے بھائی نے اعتراض کیا کہ تم

میرے سگے بھائی ہوتو معصبؓ نے کہا کہ نہیں میرا خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میرا سگا بھائی وہ ہے جو اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لاتا ہے۔ یہ وہ مواخات تھی جسکی حضورؐ نے اسلامی معاشرے کو تاکید فرمائی اور خطبہ حجۃ الوداع میں واضح طور پر فرمایا کہ تم اپنے معاشرے میں سماجی اور معاشی استحصال مت کرو یعنی آج کی زبان میں اگر اسکا مفہوم بیان کریں تو وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی جان و مال اور جائیداد ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ جبکہ رباء کے نظام کی بنیاد ہی استحصال پر ہے۔

اسکے بعد عورتوں کے حقوق کی بات کی گئی ہے۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے حضورؐ نے کئی باتیں بیان فرمائی ہیں جس کا اسلامی معاشی نظام میں بہت اہم کردار ہے۔ مثلاً عورتوں کا وراثت میں حصہ ہوتا ہے۔ عورتوں کو کاروبار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حضورؐ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ خود ایک تاجر خاتون تھیں۔ آپؐ نے بار بار اسکی یقین دہانی اور تاکید فرمائی ہے کہ ان کے حقوق ادا کرنا اسلامی معاشرے کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے رباء کا نظام ختم کروایا اور کہا کہ آج کے بعد سارے جاہلیت کے سود معاف کیے جاتے ہیں۔ اسلام میں کسی گورے کو کالے پر فضیلت نہیں دی گئی اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے۔ فضیلت کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ تقویٰ ایک روحانی تصور ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم کچھ ٹکڑوں میں اصول اور ضابطے رائج کر دیں اور کہیں کہ ہم نے اسلامی معاشی نظام نافذ کر دیا ہے یا شریعت نافذ کر دی ہے۔ اسلامی معاشی نظام کیا ہے؟ اسکے اصول کیا ہیں؟ بنیادی تصور کیا ہیں؟ اور اس کے نتیجے میں کیسا معاشرہ تشکیل پائے گا؟ مثالی نمونے کیا ہیں؟ سب سے پہلی بات ہے کہ وہ ایک روحانی معاشرہ ہوگا۔ اس معاشرے کے قائدین اعلیٰ ترین انسان ہونگے۔ اس کی قیادت وہ ہوگی جو کہ ایک محبت کرنے والے شفیق باپ کی طرح پورے معاشرے کی ذمہ داری اٹھائے گی۔ یہ وہ لوگ ہونگے کہ جن کے جسم پر اگر دو چادریں آ جائیں تو کوئی بھی شخص اٹھ کر سوال کر سکے گا کہ ہم سب کو ایک چادر ملی ہے تو آپ کو دو چادریں کہاں سے ملی ہیں۔ اس اسلامی ریاست کے امیر ایسے ہونگے جو اگر چراغ جلا کر رات کو کام کر رہے ہوں اور انکا ملازم آ جائے تو پہلے ملازم سے یہ پوچھیں کہ ذاتی کام ہے یا سرکاری کام ہے؟ اگر ذاتی کام ہے تو چراغ بجھا دیتے ہیں کہ یہ چراغ مجھے سرکاری کام کے لیے دیا گیا ہے۔ گویا امانت اور دیانت کا یہ معیار ہوتا۔

سب سے خالص تصور حرام اور حلال کا تصور ہے۔ ہم مسلمان ہدایات سے بہت زیادہ باخبر رہنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے ہاں صرف شراب اور سود حرام نہیں ہے بلکہ آٹا، دال، روٹی، چاول، گندم بھی حرام ہے، اگر وہ حرام کمائی سے خریدا گیا ہو۔ ایک ایسے معاشرے میں کہ جہاں لوگ حرام چھوڑنے پر تیار نہ ہوں اور جہاں لوگ رزقِ حلال اور حرام میں تمیز نہ کریں۔ وہاں اگر کوئی یہ کہے کہ ہم ان حالات میں اسلامی معاشی نظام قائم کریں گے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ سب سے پہلے اسلامی معاشرے کی بنیاد ایک روحانی معاشرہ ہے۔ ایسے معاشرے تاریخ میں پہلے بھی قائم ہو چکے ہیں جیسے خلافت عثمانیہ، اندلس کی مسلمان حکومت، مدینے کی اسلامی ریاست وغیرہ۔ یہ تمام ریاستیں انصاف پر قائم تھیں۔ ان میں رباء اور سود کا نظام نہیں تھا۔ ان معاشروں میں رائج کرنسی حقیقی زر پر چلا کرتی تھی۔ معاشرے میں استحصال کا نظام نہیں تھا۔ عدل وانصاف تھا۔ یہ ایسے مثالی کردار تھے جو اسلامی معاشرے کے خدوخال بتاتے تھے۔ اسلامی معاشرے کا معاشی نظام حقیقی زر پر ہے۔ کاغذی کرنسی جعلی ہے۔ اسکے اندر رہتے ہوئے کسی قسم کا کوئی اسلامی سماجی ضابطہ قائم نہیں ہوسکتا۔

جو نظام ہم آپ کو بتا رہے ہیں یہ اسلامی سماجی و معاشی ضابطہ کی شکل ہے جسکا سرمایہ دارانہ نظام سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے کیونکہ اسکی بنیاد تجارت پر ہے۔ اسلامی معاشرے میں دولت کی تقسیم کو یقینی بنانے کا حکم ہے۔ احادیث مبارکہ میں ہے کہ دولت کو چند ہاتھوں میں جمع مت ہونے دو جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد اسی پر ہے کہ چند لوگ پورے معاشی نظام کو کنٹرول کریں۔ مسلمانوں کو واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ دولت پر کوئی مرکزی کنٹرول نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ حکومت بھی دولت کو اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتی کیونکہ معاشرے میں دولت اس طرح تقسیم ہوتی ہے کہ انسان آزاد رہیں۔ ہم آپ کو ایک مثالی معاشرے کا تصور بتا رہے ہیں جو ہم نے حاصل کرنا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں رباء نہ ہو۔ حقیقی زر ہو۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں دولت پر محصول نہیں ہے۔ اسلام میں صرف بچت پر محصول ہے اور زکوہ بچت پر منحصر ہے۔ یہ ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے کہ جس میں ملکی وسائل کو غیر سرکاری ہاتھوں میں نہیں دیا جاتا۔ یہ اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام نے ہر چیز غیر سرکاری کر دی ہے۔

حضورؐ کی اس حوالے سے بہت خوبصورت حدیث ہے جس میں سرکاری و غیر سرکاری جائیداد کی تقسیم کے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔اس حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ آگ، پانی اور رفاہ عامہ کے علاقے اور ادارے، تمام کے تمام سرکار کے قبضے میں ہونگے۔اسلامی نظام میں زمین کے حوالے سے اصول وضوابط، زرعی زمین کے حوالے سے قوانین، وراثت کی تقسیم یعنی وراثت کے اور جائیداد کے اصول بہت صاف الفاظ میں بیان ہوئے ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام میں ویسے اصول وضوابط قطعاً نہیں ہیں۔

اسکے بعد اسلامی معاشرے میں سماجی انصاف اور خوراک کی حفاظت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔حضرت عمرؓ کا یہ بیان ہے کہ دجلہ کے کنارے اگر ایک کتا بھی بھوکا مر جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری بھی مجھ پر عائد ہوگی۔یعنی سماجی انصاف اور سماجی سلامتی کا وہ معیار مقرر کر دیا گیا ہے کہ آجکل کے سب سے عمدہ معاشی نظام بھی اسکی مثال نہیں پیش کر سکتے۔اس وقت کے خلیفہ ہر چیز کے لیے ذمہ دار تھے۔چاہے وہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔سماجی انصاف اور عدل اس حد تک کہ خلیفہء وقت کو بھی کٹہرے میں بلایا جا سکتا تھا۔

یہ تمام باتیں صیہونیوں کے سرمایہ دارانہ اور اشترا کی نظام سے ٹکراتی ہیں۔مسلمانوں کے پاس اپنا مثالی معاشی نظام موجود ہے۔ہمیں قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے کہ مشرق سے یا مغرب سے کوئی چیز ادھار لے کر اپنائیں۔ان کے نظام میں اگر کوئی اچھی بات ہے تو وہ انہوں نے اسلامی معاشی نظام سے ہی لی ہے۔

جو عناصر ہم نے بیان کیے ہیں یہ سرمایہ درانہ نظام اور معاشی نظام کا تقابلی جائزہ تھے۔جن میں موجودہ حالات اور واقعات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔اس نظام کو تباہ کرنے کی یا توڑنے کی مثالیں ہمیں ماضی میں نہیں ملیں گی۔ کیونکہ یہ نظام پہلی دفعہ قائم ہوا ہے لہذا اسکے لیے ہمیں آج کے حالات اور مسلمانوں کی صلاحیتوں کے مطابق ردعمل تیار کرنا ہے۔آجکل کے ماحول کو سمجھتے ہوئے ہم نے جو علامات بتائیں ہیں، ان مسائل کا حل بھی انہی میں موجود ہے۔اگر وہ کاغذی کرنسی جاری کرنا چاہتے ہیں تو ہم سونے اور چاندی کے سکوں کی بات کریں گے۔اگر وہ بینک کی بات کرتے ہیں تو ہم بیت المال کی بات کریں گے۔اگر وہ دولت کو چند ہاتھوں میں جمع کرنے کی بات کرتے ہیں تو ہم دولت کی منصفانہ تقسیم کی بات کریں گے۔اگر وہ ہر چیز کی نجکاری کرنا چاہتے ہیں تو ہم ہر چیز کو حکومت کے زیر سایہ کرنا چاہیں گے۔ ہر اس عنصر کو جو سرمایہ

دارانہ نظام لاگو کرنا چاہتا ہےہمیں اسکا متبادل اپنانا ہے۔ یہ ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔ جب یہ سب ہو جائے گا تو پھر ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے قرآن وسنت کے مطابق ایک متوازن اور انصاف پر مبنی اسلامی سماجی ضابطہ تخلیق کیا ہے۔ جب آپ اس نظام کو قائم کرنے کی کوشش کریں گے تب آپ پر جنگیں مسلط ہونگی۔ بغاوتیں بھی برپا ہونگی۔ تختے بھی الٹے جائیں گے۔ جب ایک اسلامی مثالی نظام قائم کردیا گیا تو پھر یاد رکھیے گا کہ پوری دنیا اسکا تعاقب کرے گی۔ اگر یہ سلسلہ شروع ہوگیا تو ایران کے پورے نظام کو خطرہ ہے۔ جیسا کہ فرعون کو جب یہ پتہ چلا کہ ایک بچہ اسکے نظام کو تباہ کرے گا تو اس نے لاکھوں بچے قتل کروادیئے تھے۔ صیہونی بھی اپنے نظام کو قائم کرنے کے لیے بے دریغ جنگیں برپا کرواتے ہیں۔ ہم ان کی تاریخ دیکھ چکے ہیں اور یہ مستقبل میں بھی یہی کریں گے۔ ان سارے خطرات کیلئے ہم نے ردعمل مرتب کرنا ہے۔ ہمارے پاس بالکل صاف اور واضح راستہ موجود ہے اور وہ ہے اسلامی نظام کا نفاذ۔

جدید معاشی نظام کے ستون

موجودہ نظام معیشت راتوں رات وجود میں نہیں آیا۔اسے قائم ہونے میں کم ازکم 400 سال لگے۔ معاشی نظام کسی بھی معاشرے کی سوچ اور تہذیب بدل سکتا ہے۔ جب ہم ایک ایسے معاشی نظام کی تبدیلی کی بات کرتے ہیں جس کی بنیاد ظلم، زیادتی اور استحصال پر ہو تو ایسے نظام کو معاشرے کی رگ رگ اور جڑ سے اکھاڑنا پڑتا ہے۔ ایسا نظام جو دوسروں کے استحصال اور لوٹ کھسوٹ کی ترغیب دیتا ہو، آپس کے تعلقات خراب کر کے نفرتیں پیدا کرنے کا باعث بنتا ہو، ہم نے ایسے نظام سے پیدا شدہ نقصان کا ازالہ کرنا ہے اور پورے معاشرے کی ازسرنو تشکیل کر کے اسے اچھا انسانی معاشرہ بنانا ہے۔اس وقت پوری دنیا میں ایک شیطانی معاشرہ قائم کر دیا گیا ہے۔ مسئلہ صرف معاشی پالیسیاں تبدیل کرنے کا نہیں بلکہ پہلے ہمیں مسئلے کو سمجھنا ہے۔

ہمارے دین کی بنیاد پانچ ارکان نماز، کلمہ طیبہ، روزہ، حج اور زکوۃ پر ہے۔ یہ وہ پانچ ستون ہیں جن پر ہمارے دین کی عمارت کھڑی ہے۔ان میں سے اگر ایک ستون بھی گر جائے تو دین کی عمارت گر جائے گی یا کمزور پڑ جائے گی۔ اسی طرح کفر کا نظام بھی چند ستونوں پر قائم ہے۔ اگر ہم ان ستونوں کی شناخت کر لیں اور ان میں سے چند کو گرا دیں یا کمزور کر دیں تو کفر کی عمارت گر جائے گی اور پھر ہم اسکا متبادل تعمیر کر سکتے ہیں۔ جب تک معاشرے کی تہذیب نہ بدلی جائے اور عدل وانصاف کو معاشرے کی رگ رگ اور خون کے ایک ایک ذرے میں نہ سمو دیا جائے، اس وقت تک عدل و انصاف پر مبنی اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکتا۔عدل و انصاف خلاء میں نہیں بلکہ انسانوں پر قائم ہوتا ہے۔ لہذا انسان سازی بھی ضروری ہے کیونکہ انسانوں نے ہی عدل وانصاف پر مبنی نظام نافذ کرنا ہے۔

نظام کفر کا بنیادی عنصر اور اہم کھلاڑی ''انسان'' ہیں جو اس نظام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان انسانوں کو ہم فری میسن اور صیہونی کہتے ہیں۔ بظاہر تو وہ انسان ہیں مگر حقیقت میں شیطان ہیں۔ یہ لوگ

ہمارے درمیان بھی موجود ہیں اور مغربی معاشرے میں بھی ہیں۔ان کو پہچاننا بہت ضروری ہے۔ ہماری حکومت، میڈیا، معاشرے اور تعلیمی نظام میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ان کا بنیادی ستون ''پیپر کرنسی'' ہے۔ پیپر کرنسی کی موجودگی میں نظام عدل قائم نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ پیپر کرنسی کے ذریعے پوری دنیا میں استحصالی نظام جس کاروباری طریقے سے قائم کرتے ہیں، اس کو سود اور رباء کا نظام کہتے ہیں۔قرضوں کے ذریعے قوموں کو پہلے مقروض اور پھر غلام بنایا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اسکے رسولؐ نے رباء اور سود کے نظام کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔حضرت عمرؓ کا مشہور قول ہے کہ ''اللہ نے انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے،تم نے کب سے ان کو غلام بنالیا۔''

غلامی کا عمل قرض لینے سے ہی شروع ہوتا ہے۔فری میسن پیپر کرنسی کو استعمال کر کے سود پر قرضہ دیتے ہیں۔ یہ ان کے تین ستون ہیں جس کو استعمال میں لا کر انہوں نے جدید بینکاری نظام قائم کر رکھا ہے جہاں لوگ اپنی رقوم جمع کراتے ہیں۔ اسی کے ذریعے یہودیوں نے دنیا سے سونا غائب کیا، رسیدیں جاری کیں اور فریکشنل ریزرو بینکنگ کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیا۔ یہ سارا کھیل رچانے کے لیے ان کو ایک ادارہ چاہیے جسے وہ بینک کہتے ہیں۔اس جدید معاشی نظام کے استحکام کیلئے وہ نجکاری اور اجارہ داری کی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں۔ دولت کی مساوی تقسیم کو ترک کر کے دولت چند لوگوں تک محدود کردی جاتی ہے اور یوں ان کی اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے۔

اس وقت پوری دنیا کی خوراک کی سپلائی 12 بڑی کمپنیاں کنٹرول کر رہی ہیں جن کا تعلق مغربی دنیا سے ہے۔ ہر وہ چیز جس کا تعلق معاشرے کی ترقی سے ہو، وہ اس کو کارٹیلز بنا کر اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرتے ہیں اور اس کو تقسیم ہونے سے روکتے ہیں۔ ان میں گولڈ کارٹیلز، تیل کارٹیلز، ڈائمنڈ کارٹیلز، فوڈ کارٹیلز اور انرجی کارٹیلز وغیرہ شامل ہیں۔ایسے اداروں کے ذریعے اجارہ داری قائم کرنا اور زمینی خزانوں کی نجکاری کرنا ان کی بنیادی حکمت عملی کا حصہ ہے۔اس کام کیلئے اقوام متحدہ، عالمی بینک، آئی ایم ایف، ایشیائی ترقیاتی بینک، سوئس بینک اور وہ تمام آف شور بینک جو کالے دھن کو سفید کرنے کا کام کرتے ہیں، استعمال ہوتے ہیں۔ جو لوگ رباء اور سود کے نظام سے بچنے کی کوشش کریں، ان کو غلام بنانے کیلئے وہ ٹیکسوں کا نظام یعنی انکم ٹیکس عائد کرتے ہیں۔ کفر کا نظام قائم رکھنے کیلئے رباء کیساتھ ساتھ انکم ٹیکس بھی ایک

بنیادی ستون ہے۔صیہونی رباء کے ذریعے مقروض لوگوں سے پیسے وصول کرتے ہیں اور جو مقروض نہ ہونا چاہے، اس پر ٹیکس عائد کر کے اس کو لوٹا جاتا ہے۔ان سارے اقدامات کا مقصد لوگوں کو غلام بنانا اور انکا معاشی استحصال کرنا ہے۔

یہ نظامِ کفر کے وہ ستون ہیں جن پر یہ عمارت تعمیر کی گئی ہے۔اگر کوئی ایسا نظام پیش کیا جاتا ہے جن میں ان ستونوں میں سے کوئی ایک ستون بھی شامل ہو تو اس نظام کو اسلامی نظام نہیں کہا جا سکتا۔اگر کسی نظام کو فری میسن چلا رہے ہوں ،اس میں پیپر کرنسی اور ڈیجیٹل کرنسی استعمال ہو رہی ہو، حقیقی دولت شامل نہ ہو، بینکوں کے ذریعے کاروبار ہو، فریکشنل ریزرو بینکنگ استعمال ہو رہی ہو اور اس کے نتیجے میں دولت کسی خاص بینک یا چند لوگوں تک محدود ہوتی جا رہی ہو جو دولت کی گردش کو کنٹرول کرتے ہوں ،اگر اس نظام میں معاشی استحصال کے تمام ہتھکنڈے استعمال ہوتے ہوں تو ایسے نظام کو اسلامی نظام کہنا شریعت اور انسانیت کے ساتھ مذاق ہے۔حیرانی اس بات کی ہے کہ موجودہ دور کے فلاسفروں نے پیپر کرنسی پر مبنی معاشی نظام کو جائز اور حلال کیسے قرار دے دیا؟ اگر آپ کسی سکالر کے پاس یہ سوال لے کر جائیں کہ مرغی حلال ہے یا حرام تو وہ جواب دے گا کہ مرغی حلال ہے۔لیکن اگر اس سکالر کو بعد میں یہ بتا دیا جائے کہ جن پیسوں سے وہ مرغی خریدی گئی وہ حرام کے ہیں اور یہ بتانے کے بعد رائے لی جائے تو وہ حلال مرغی بھی حرام ہو جائے گی۔

اس وقت نظام کفر اس بری طرح رائج ہے کہ اس کا اثر ہر شخص تک پہنچتا ہے۔حضورؐ نے فرمایا کہ ’’جو سود نہیں کھاتا، اس تک بھی سود کا دھواں پہنچتا ہے‘‘۔اب مسلمانوں کو ایک متبادل معاشی نظام اپنانا ہوگا جو کفر کے معاشی نظام سے مختلف ہو۔اگر اسلامی معاشی نظام کا مطلب صرف سود سے پاک معاشی نظام لیا جا رہا ہے تو پھر سود تو کفر کے معاشی نظام کے کرنٹ اکاؤنٹس میں بھی نہیں ہے۔کرنٹ اکاؤنٹ ایسے اکاؤنٹس ہیں جن میں نہ سود لیا جاتا ہے، نہ دیا جاتا ہے لیکن اسکے باوجود ہم ان کو اسلامی نظام کا حصہ نہیں کہہ سکتے۔ہمیں تو اسلامی بینکنگ کی اصطلاح پر بھی شدید اعتراض ہے۔بینک کی اصطلاح ہی قرضہ دینے اور سود اور رباء کے نظام کے لیے استعمال ہوتی ہے۔جس طرح اسلامی شراب خوری، اسلامی جواء، اسلامی سود خوری جیسی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اس طرح اسلامی بینک بھی نہیں ہو سکتا۔اصطلاحیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔آپ مسجد کو مندر اور مندر کو مسجد نہیں کہہ سکتے۔ہمارے مذہب نے ہمیں اصطلاحیں دی ہوئی ہیں۔ہمیں غیر مسلموں کی

اصطلاحیں ادھار لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ صرف انتشار اور ابتری پھیلاتی ہیں۔

کاغذ کے نوٹ استعمال کرنا چونکہ موجودہ نظام میں ناگزیر ہے لہذا ہم اس کو حرام نہیں کہتے۔ ہم سب اس نظام میں پھنسے ہوئے ہیں لہذا وہ حلال ہیں۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ شرعاً وہ کاغذ کے نوٹ جائز ہیں۔ چونکہ ان کے پیچھے رسید نہیں ہے لہذا وہ جعلی ہیں۔ ان کو کفر کا نظام کنٹرول کرتا ہے اور وہی ان کی قدر کم کرتا ہے۔

مسلمان ممالک کی حکومتوں نے اپنے عوام کے پیسے فارن کرنسی کی صورت میں صہیونیوں کے بینکوں میں رکھوائے ہوئے ہیں۔ یوں مسلمانوں کی دولت کفار کو دے دی گئی ہے۔ لیکن اگر کوئی حکومت اس کے خلاف لائحہ عمل ترتیب دینا چاہے تو ہم اسکا طریقہ ضرور بتائیں گے۔

بین الاقوامی سطح پر مسلمان ریاستیں دوسرے مسلم ملکوں کیساتھ مل کر یا پھر ان غیر مسلم ریاستوں کیساتھ مل کر کام کریں جو کفر کے نظام کے خلاف کام کرنا چاہتے ہوں۔ دیگر ممالک مثلاً کیوبا، وینزویلا وغیرہ بھی اس نظام کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ امریکہ میں بھی ایسے عناصر موجود ہیں جو اس نظام کے خلاف صف آراء ہیں مثلاً امریکی صدارتی امیدوار رون پال۔ ماضی میں کینیڈی اس نظام کے خلاف کام کر چکا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے اسلامی نظام کی مضبوطی کیلئے ایسے لوگوں کیساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔

بہت سے بینک مکمل طور پر کفر کا نظام اپنائے ہوئے ہیں مثلاً سٹی بینک۔ یہودی صہیونیوں کے بنائے ہوئے یہ بینک سود اور رباء کیلئے ہی بنائے گئے ہیں۔ یہ بینک اگر ایک کھڑکی کھول کے یہ کہیں کہ ہم نے اسلامی بینکاری شروع کر دی ہے تو یہ بات مذاق کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتی۔ مسلمان دنیا میں بھی کچھ ایسے بینک قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان بینکوں کا کہنا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کا کاروبار نہیں کریں گے جو حرام ہیں مثلاً شراب اور سود۔ ان کے مطابق یہ نظام شراکت داری کی بنیاد پر چلایا جائے گا۔ ان بینکوں کے معاملات بھی مشکوک ہیں۔

بہت سے اسلامی مالیاتی ادارے اسلامی معاشی نظام قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ ابھی ان کو اسلامی بینک کہا جاسکتا ہے کیونکہ کرنٹ اکاؤنٹ کو سود اور رباء سے پاک ہونے کے باوجود اسلامی اکاؤنٹ نہیں کہا جاسکتا۔ موجودہ معاشی نظام کا حصہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی پیپر کرنسی

استعمال کرتے ہیں۔کئی اسلامی بینک ایسے ہیں جو سود اور رباء سے آلودہ بینکوں میں اپنا پیسہ رکھ کر سود بھی لیتے ہیں اور اسلامی بینک ہونے کا دعویٰ صرف اس لیے کرتے ہیں کیونکہ وہ اکاؤنٹ ہولڈرز کے پیسے اس کاروبار میں لگاتے ہیں جو حرام نہ ہو۔ایسے نظام کو اسلامی معاشی نظام کہہ دینا اور اس پر مطمئن ہو جانا کہ ہم نے اسلامی معاشی نظام بنا دیا ہے، ایک غلط نظریہ ہے جو دھوکہ دہی پر مبنی ہے۔

فی الحال ہم کفر کے نظام میں رہ رہے ہیں۔اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کفر کے موجودہ نظام کو تباہ نہیں کر دیا جاتا۔ یہ نام نہاد اسلامی بینک، ریزرو بینکاری میں شامل ہیں یعنی ان کے پاس سو روپے ہوتے ہیں مگر قرض ہزار روپے کا دیتے ہیں خواہ وہ قرض شراکت داری کی بنیاد پر دیں یا نفع ونقصان کی شرط پر۔ چند اسلامی بینک تو ایسے ہیں جن کے مالک فری میسنز اور صہیونی ہیں اور انہوں نے مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کے لیے یہ نظام قائم کیا ہوا ہے۔ یہ کہنا کہ ایک بینک مکمل طور پر اسلامی ہے، نا قابل یقین ہے۔''اسلامی بینک'' کی اصطلاح ایک شرمناک اصطلاح ہے۔ اسے استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے۔ اسلامی سود خوری، اسلامی میخانہ، اسلامی رباء جیسی کوئی چیز اس دنیا میں نہیں ہو سکتی۔ یہ اصطلاحیں مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لیے ایجاد کی گئی ہیں۔اللہ کی نظر میں اس شخص کا مقام بہت بلند ہے جو کفر کے نظام کی موجودگی میں بھی حلال روزی کمانے کی کوشش کرتا ہے اور جو مجبوراً اس نظام میں پھنسا ہوا تو ہے مگر اس نظام سے اپنا تعلق کم سے کم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

موجودہ بحران ایسا ہے جسکی مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔مسلمان فلاسفروں اور علماء کو یہ اصطلاحیں سمجھنی چاہئیں۔مسلمان مفکرین اور ذرائع ابلاغ وغیرہ کو ان پر بات کرنی چاہیے۔ یہاں پر بہت بڑے بڑے مسلم سکالرز اور علماء غلطی کر رہے ہیں کیونکہ وہ فریکشنل ریزرو بینکنگ کے نظام کو نہیں سمجھتے۔اس نظام کے تحت تمام بینکاری سود پر مبنی ہوتی ہے۔جس طرح مسلمان کفر کے نظام سے وابستہ اداروں سے معاملات طے کرتے ہیں، اس طریقے کو اسلامی طریقہ نہیں کہا جا سکتا۔محض دل بہلانے کو ''اسلامی بینک'' کی اصطلاح ایجاد کر لی گئی ہے۔اس غیر اسلامی طریقے کا گناہ عام مسلمان پر نہیں ہے کیونکہ عوام کو حکومت، بینک یا اس ادارے کی طرف سے یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ غیر سودی بینکاری ہے اور وہ اس پر یقین کر کے اس میں اپنے پیسے جمع کراتا ہے۔دودھ میں اگر ایک قطرہ بھی حرام کا شامل ہو جائے تو وہ

ناپاک ہوجاتا ہے۔ایسا معاشی نظام جس میں کفر کے نظام کا ایک ستون بھی شامل ہو وہ اسلامی نظام نہیں کہلایا جاسکتا۔مسلمانوں کو ایک بالکل مختلف نظام چاہیے۔موجودہ نظام میں ردوبدل کر کے ہم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے۔اس کو مکمل طور پر بدلنے کی ضرورت ہے۔اس نظام کو بدلنے کیلئے ہم انفرادی، اجتماعی،قومی اور بین الاقوامی سطح پر حل تجویز کریں گے لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ موجودہ نظام ،چاہے وہ کفر کا ہو یا نام نہاد اسلامی بینکنگ کا نظام،قابلِ قبول نہیں ہے۔

مسلمان چونکہ اپنے آپ کو رباء کے نظام سے الگ کرنا چاہ رہے تھے تو یہودیوں نے ایک بہت گھناؤنا کھیل کھیلا کہ مسلمانوں کے فنڈز، وسائل اور حقیقی دولت جو تجارت میں استعمال ہو رہی تھی،ان کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو بالخصوص اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو بالعموم مدعو کیا کہ ہم شرعیہ کمپلائنٹ بینکنگ قائم کریں گے۔ہم آپ کی طرف سے کاروبار میں سرمایہ کاری کریں گے اور آپ کو اس کا منافع دے دیا جائیگا۔دوسری طرف اسلامی معاشی نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمان اپنا پیسہ کسی اور کو دے کر منافع کمانے کے بجائے خود محنت کر کے کمائے۔سود اور تجارت دو مختلف طریقے ہیں۔ غیر مسلم اسلامی سودخوری اور اسلامی رباء کے نام پر مسلمانوں کا پیسہ اپنی طرف لانا چاہتے ہیں۔اسی لیے تمام بڑے صہیونی بینکوں نے اسلامی ونڈوز کھولی ہوئی ہیں۔

اسلامی بینک کی اصطلاح مسلمانوں کی ایجاد کردہ نہیں ہے۔ ہماری زیادہ تر اصطلاحات مغرب کی بنائی ہوئی ہیں۔ہماری جمہوریت اور ہمارا معاشی،سیاسی اور قانونی نظام مغرب سے درآمد شدہ ہے۔اگر یہ نام نہاد اسلامی بینک واقعی اسلامی بینک ہوتے تو کفر کا نظام ان کو اڑا کے رکھ دیتا۔جب کفر کے نظام کی جڑ پر چوٹ پڑے گی تو وہ کسی بھی اسلامی بینک کو برداشت نہیں کریگا۔اگر کفر کا نظام ان کو برداشت کر رہا ہے اور اپنی عمارتوں میں ان کو کھڑکیاں کھول کے دے رہا ہے تو پھر یہ اسلامی بینک نہیں ہیں بلکہ اسلام کے نام پر فساد ہے۔

ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان معاملات میں قوم کو خواہ مخواہ الجھایا جاتا ہے تا کہ اہم اور بنیادی ستونوں پر بات نہ کی جاسکے۔آج تک جب بھی کسی مسلمان گروہ نے آپس میں ان معاملات پر بات کی ہے تو ان آٹھ یا نو بنیادی ستونوں پر بات نہیں کی گئی۔ہمیشہ یہ چیز زیر بحث رہی کہ فلاں چیز شرعیہ کمپلائنٹ

ہے یا نہیں۔ مسلمانوں میں کونسا مکتبہ فکر رباء کے نظام، پیپر کرنسی اور صیہونی اور فری میسنز کے معاشی نظام کو جائز قرار دے گا؟ کونسا ایسا مکتبہء فکر ہوگا جو یہ کہے گا کہ معاشی استحصال ہونا چاہیے اور دولت کی تقسیم کو روکنا چاہیے؟ مسلمانوں میں کونسا مکتبہ فکر اس بات کی تائید کریگا کہ مسلمانوں کا نظام عدل جو حضورؐ کی تعلیمات پر مبنی ہے، مسلم معاشرے میں نافذ نہیں ہونا چاہیے؟

یہ لوگ تضویاتی منصوبوں پر بات نہیں کرنے دیتے۔ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں پھنسا دیتے ہیں۔ اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ کفر کا نظام نہیں چل سکتا۔ ہمیں اس نظام کا متبادل تلاش کرنا ہے۔ یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ زمانہ اتنا آگے نکل چکا ہے کہ اب حقیقی دولت سے کام نہیں چل سکتا۔ ایسے اداروں کا قیام ممکن نہیں جن کے ذریعے معاشرے میں دولت کی مساوی تقسیم کو ممکن بنایا جا سکے۔ ایسا معاشرہ نہیں بنایا جا سکتا جہاں لوگ زکوۃ لے کر گھومیں اور کوئی لینے والا نہ ملے۔ اتنے بڑے معاشی نظام بنے ہوئے ہیں، بڑی بڑی عالمی ریاستیں بن گئی ہیں لہذا یہ ممکن نہیں کہ انسان اس معاشی نظام کو اپنائے رکھے جس پر ہزاروں سال سے عمل پیرا ہے۔ یہ سب پروپیگنڈہ لوگوں کو مضطرب اور پریشان کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

جب انسان یہودیوں کا ناپاک چہرہ دیکھتا ہے جو پوری دنیا کو غلام بنانا چاہتے ہیں تو وہ لامحالہ کسی متبادل نظام کے بارے میں سوچتا ہے۔ ہمیں یہودیوں کے حوالے سے قرآن میں ایک بہت خوبصورت مثال ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کو کہا تو وہ گائے ذبح کرنے کے بجائے اس بحث میں پڑ گئے کہ گائے کس رنگ کی ہو، چھوٹی ہو، بڑی ہو، کیا کھاتی ہو، کیا پیتی ہو۔ اس طرح انہوں نے اللہ کے غضب کو دعوت دی اور اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کر لیا۔

ایک بات طے ہے کہ یہ ناجائز اور حرام نظام ہے جس نے پوری دنیا کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اب اس سوال کی گنجائش نہیں رہتی کہ کیا یہی نظام چلایا جائے یا اسکا متبادل تلاش کیا جائے۔ ہمیں متبادل تلاش کرنا ہی پڑے گا۔ معاشی نظام معاشرے سے الگ کر کے نہیں بنایا جا سکتا۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ جب تک انسان کی کردار سازی نہ ہو، تب تک معاشرہ سازی نہیں ہو سکتی اور معاشی، معاشرتی اور قانونی نظام نہیں بنائے جا سکتے۔ کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ نظام کیسے چلے گا۔ ان کیلئے قرآن میں بہت خوبصورت بشارت

آیت کی شکل میں موجود ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ۔

جو اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے، جو اللہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہے، جو اللہ سے کہتا ہے کہ میں اس نظام سے رہائی چاہتا ہوں اور میں ایک متبادل اسلامی معاشی نظام کا قیام چاہتا ہوں لیکن اس میں مشکلات بہت ہیں تو میں کیا کروں؟

جواباً اللہ اس کیلئے راستے نکالنا شروع کر دیتا ہے۔صرف کوشش کرنے کی دیر ہوتی ہے۔اللہ ایسی ایسی جگہوں سے رزق دے دیتا ہے کہ انسان گماں بھی نہیں کر سکتا۔اگر کوئی یہ کہے کہ اگر ہم اپنے فارن ایکسچینج ریز رو واپس لے لیں یا ہم کفر کے نظام سے سود لینا بند کر دیں تو ہم کیسے گزارا کریں گے؟ تو اس بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ میں تمہارے لیے زمین کے خزانے کھول دونگا۔

بیعت عقبہ مسلمانوں کی تاریخ کا بہت اہم موڑ تھا۔حضورؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت سے قبل مدینہ کے انصار سے عقبہ کے مقام پر بیعت لی۔ جب انصار رات کے اندھیرے میں آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے عقبہ پہنچے تو ایک آدمی نے انہیں روکا اور کہا بیعت مت کرو۔ پہلے ذرا سوچ لو۔سب انصار رک گئے۔ وہ شخص پھر بولا تم جانتے ہو اس بیعت کا مطلب کیا ہے؟ اس بیعت کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کفر کے نظام سے لڑنا پڑے گا، اپنے جان و مال کی قربانی دینی پڑے گی، جنگیں لڑنی پڑیں گی، آرام و آسائش چھوڑ کر دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑیگا لیکن پھر اللہ کی طرف سے دنیا اور آخرت میں اسکا بہت اجر بھی ملے گا۔لہذا سوچ سمجھ کر بیعت کرنا۔

اس کے بعد سب انصار نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے سوچ لیا، سمجھ لیا اور اب ہم رسولؐ کی بیعت کرتے ہیں۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ انصار نے اس بیعت کا حق ادا کر دیا۔مسلمان ہونا آسان کام نہیں ہے۔خصوصاً آجکل جو شخص کفر کے نظام کے خلاف چلتا ہے تو یہ ہاتھ پہ انگارے رکھنے والی بات ہے۔

بہت سے کام ایسے ہیں جو انسان انفرادی سطح پر کر سکتا ہے اور کچھ اقدامات حکومت کو بھی کرنے کی ضرورت ہے۔کفر کا نظام حکومتوں نے رائج نہیں کیا۔ان کو رائج کرنے والے افراد نے پہلے ادارے بنائے اور پھر آہستہ آہستہ معاشرے میں سرائیت کر گئے۔اسی طریقے سے اس نظام کو دوبارہ پیچھے بھی دھکیلا جا سکتا ہے۔افراد پہلے جماعت بنائیں گے، جماعت ادارے بنائے گی جو آہستہ آہستہ متبادل معاشی نظام

کی تعمیر شروع کریں گے۔ یہ کام کفر کے نظام کے ان ستونوں کی شناخت کے بعد ہوگا جس پر آج یہ نظام کھڑا ہے۔

کفر کے نظام کے خلاف جو بھی کھڑا ہوتا ہے، خواہ وہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر، صیہونی اس پر تین چیزوں سے وار کرتے ہیں۔ وہ مخالف کے رزق پر حملہ کرتے ہیں یعنی معاشی پابندیاں لگاتے ہیں، نوکری سے نکالتے اور معاشی مشکلات کھڑی کرتے ہیں۔

دوسرا اس شخص یا اس جماعت کی عزت پر حملہ کرتے ہیں، اسے بدنام کیا جاتا ہے، لوگوں کے ذہنوں میں ان کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں اور الزامات لگائے جاتے ہیں۔

جب ان دونوں چیزوں سے کام نہ بنے تو پھر حملہ کیا جاتا ہے۔ کفر کا نظام فرعونیت کی دلیل ہے۔ خطرات کی موجودگی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ جب آپ کفر کے نظام کو چیلنج کریں گے تو انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر آپ کو خطرات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس نظام کو چیلنج کرنے کیلئے ہمیں خود کو تیار کرنا پڑے گا۔ یہاں ہم ٹیپو سلطان کی بات دہرانا چاہیں گے کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے یعنی عزت و آبرو سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ یہودی اور عیسائی صہیونی ویسے بھی پوری دنیا کو بھوک اور پیاس سے مار دینا چاہتے ہیں۔ اس مسئلے کے حل کے لیے ہمیں سب سے پہلے اپنے ایمان کو مضبوط کرنا پڑے گا۔ مکی دور کا جائزہ لیا جائے تو حضورؐ نے پورا زور مسلمانوں کی کردار سازی پر لگا دیا تھا۔ آپؐ کا مقصد ایک ایسے معاشرے کی تشکیل تھا جس کے افراد تمام تر مشکلات کے باوجود آپؐ کے مشن کو آگے بڑھائیں۔

انسان دنیا، دولت، جاگیروں اور جائیدادوں کی محبت میں الجھ جاتا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے کہ بہت زیادہ جاگیریں اور جائیدادیں نہ بناؤ ورنہ تم دنیا کے ہو کر رہ جاؤ گے۔ مسلمانوں کو ایک سخت، سرفروش اور دلیر قوم کے طور پر تیار کیا گیا ہے۔ اسلام شیروں اور دلیروں کا دین ہے۔ ہمارے لیے دین کی عزت اور غیرت معنی رکھتی ہے۔ امت مسلمہ میں کوئی ایسا فرد نہیں جو کسی کو اپنے دین اور حضرت محمدؐ کی عزت کو روندتا ہوا دیکھے اور اس میں تحریک پیدا نہ ہو۔ اگر کسی میں غیرت اور غصہ پیدا نہ ہو تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

جس طرح خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، اسی طرح آج ہمارے معاشرے اور

ہمارے دلوں میں بھی تین سوساٹھ بت ہیں۔ کسی نے پیسے کواللہ بنایا ہوا ہے، کسی نے روپے کوخدا بنایا ہوا ہے، کسی نے جائیداد، عہدے، مال ودولت، گاڑیوں اور بنگلوں کوخدا بنایا ہوا ہے۔انسان کوسب سے پہلے اپنا ذاتی تجزیہ کرنا ہے کہ اگر وہ واقعی کفر کے نظام کوتبدیل کرنا چاہتا ہےاورعدل پرمبنی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہےتو اس کوسب سے پہلے اپنے دل میں موجود یہ چھوٹے چھوٹے بت توڑنے پڑیں گے۔ جب تک آخرت اور اللہ کے سامنے جوابدہی کا خیال نہ ہو، مسلمان خیانت کرتا ہے اور بیت المال کا مال لوٹنے سے دریغ نہیں کرتا۔ایسی صورت میں مسلمان حکمرانوں کورشوت خور کے نام سے یاد کیا جائیگا۔مسلمانوں کی کردار سازی اللہ اور رسولؐ سے تعلق اور آخرت کے خوف کی بناء پر ہوتی ہے۔مسلمانوں نے اب تک بہت کام کیا ہے۔ ایسی تہذیبیں بھی تخلیق کی ہیں جوانسان نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں لیکن معاشرے روحانیت کی بناء پر قائم رہتے ہیں نہ کہ مادیت کی بنیاد پر۔

ہمارا دین ہمیں دنیا سے لاتعلق نہیں کرتا۔ یہ اتنا عجیب وغریب ہے کہ ایک جانب کہتا ہے دنیا سے دل نہ لگاؤ اور دوسری جانب یہ ہمیں مال کمانے کی تاکید کرتا ہے تاکہ صدقہ وخیرات کی جاسکے کیونکہ زکوۃ،صدقات و خیرات مسکین،غریب اور عاجز نہیں دے سکتا۔مسلمان کومعاشی طور پر مستحکم ہونا واجب ہے۔اگر ایک طاقتور مومن کوکمزور مومن پر فضیلت دی گئی ہےتو وہ صرف جسمانی طاقت نہیں بلکہ معاشی طاقت بھی ہے۔مومن کا اخلاقی طور پر مضبوط ہونا بھی ضروری ہے۔مسلمانوں پرواجب ہے کہ وہ دنیا میں اپنا حصہ ڈالنے کیلئے مثبت کردار ادا کریں۔

1840ء کی دہائی میں جب خلافتِ عثمانیہ کمزور ہورہی تھی تب مسلمان خلیفہ نے برطانیہ کے ایک صوبے آئرلینڈ میں غلے اور خوراک سے بھرے بحری جہاز بھیجے کیونکہ وہاں پر قحط پڑ گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی فطرت کا حصہ بنا دیا گیا ہے کہ وہ خود خواہ کمزور ہوں مگر وہ دوسروں کی مدد ضرور کرتے ہیں۔مسلمان لینے والی نہیں بلکہ دینے والی قوم ہے۔ہمیں یہ سکھایا جاتا ہے کہ لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ بہتر ہے اور دینے والا ہاتھ تبھی ممکن ہے جب ہاتھ میں کچھ موجود ہو۔لہذا ہم پر کمانا فرض ہے۔ہمیں حقیقی دولت اور جائیداد حاصل کرنی ہے اور پھر اسے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرنا چاہیے۔اس کے لیے ہمیں معاشی طور پر مستحکم ہونا پڑے گا۔

تجارت مسلمانوں کیلئے کمانے کا بہترین طریقہ ہے۔حدیث میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ رزق کے دس حصے ہیں تو ان میں سے نو حصے تجارت کیلئے مختص کر دو۔ کچھ لوگ سود اور تجارت کا موازنہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تجارت اور سود ایک جیسی چیزیں ہیں لیکن اللہ نے سود کو حرام اور تجارت کو حلال قرار دیا ہے۔سود اور تجارت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر مسلموں کی ہر چیز ہم سے الگ ہے۔ فی الحال ہم ایک ایسے نظام میں پھنسے ہوئے ہیں جس کو انسانیت کسی طور قبول نہیں کرسکتی۔ہمیں تبدیلی لانی ہے اور اس تبدیلی کے کچھ پیرامیٹرز ہیں۔ہمیں ایسے متقی افراد کا ایک گروہ تیار کرنا ہے جو صادق ہوں، مسلمانوں کے مال میں خیانت نہ کریں اور دولت کی مساوی تقسیم کو یقینی بنائیں۔ جب تک ایسی جماعت تیار نہیں ہوگی، کوئی بھی اسلامی معاشی نظام نافذ نہیں کیا جاسکتا یعنی پہلے روحانیت اور تقویٰ کو فوقیت دینی پڑے گی۔ اخلاقی اقدار اس قدر مضبوط کرنی ہونگی کہ ایک عام بڑھیا بھی کھڑی ہو کر خلیفہء وقت سے پوچھ سکے کہ ہمارے حصے میں ایک ایک چادر آئی ہے۔تمہارے بدن پر دو چادریں کیوں ہیں؟

تبدیلی لانے کیلئے اس کی قیمت دینی پڑے گی۔مسلمانوں کو طرز زندگی تبدیل کرنا پڑے گا۔تعیّشات میں کمی کرنی پڑے گی، جمع شدہ دولت کو تقسیم کرنا پڑے گا اور اللہ کی مخلوق کی مدد بھی کرنی پڑے گی۔اللہ کے احکامات جن کی ہم تعمیل نہیں کرتے خواہ وہ جائیداد اور وراثت سے متعلق ہوں خواہ وہ زمینی اصلاحات ہوں یا زکوۃ دینے کا معاملہ ہو، ہمیں ان پر عمل کرنا پڑے گا۔ایک اسلامی معاشی نظام کے قیام کیلئے ہمیں مکمل طور پر اپنے دین میں داخل ہونا پڑے گا۔تبھی ہم اپنا فریضہ صحیح طریقے سے سرانجام دے سکتے ہیں۔

جدید معاشی نظام کے خلاف عملی اقدامات

گزشتہ ابواب میں ہم نے صیہونی معاشی نظام پر روشنی ڈالی تھی اور اس کے وہ ستون واضح کیے تھے جن پر یہ نظام قائم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صیہونی معاشی نظام کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے حل کے لیے ایک شخص انفرادی سطح پر کیا کر سکتا ہے؟ ہر شخص اگر اپنی ذات میں مثبت تبدیلی لائے تو بہت بڑا کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ مسلمان اپنے طرز زندگی میں تبدیلی لا کر ہی بتدریج اسلامی معاشی نظام قائم کر سکتے ہیں۔

اس کیلئے سب سے پہلے اسلامی اور صیہونی معاشی نظام کا موازنہ کرنا ضروری ہے۔ صیہونی معاشی نظام کا بنیادی ستون بینک جبکہ اسلامی معاشی نظام کا بنیادی ستون بیت المال ہے۔ بینک خواہ نجی ہوں یا سرکاری، وہ منی لانڈرنگ کے ذریعے کام کرتے ہیں جبکہ بیت المال ایک فلاحی ریاستی ادارہ ہوتا ہے۔ بیت المال میں حقیقی دولت کے ساتھ ساتھ روز مرہ ضرورت کی اشیاء بھی موجود ہوتیں ہیں۔ بیت المال چونکہ سرکاری ادارہ ہوتا ہے لہذا اس میں موجود اشیاء تمام مسلمانوں کی مساوی ملکیت ہوتی ہیں اور بوقت ضرورت وہ اشیاء غرباء، مساکین، فقراء اور ضرورت مندوں کو دی جاتی ہیں اور حکومت فیصلہ کرتی ہے کہ آیا کون شخص مستحق ہے اور کون نہیں۔ تمام سرکاری آمدنی، ٹیکس اور سرکاری زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوتی ہے جسکے بعد وہ دولت عوام میں تقسیم کی جاتی ہے۔ یوں دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوتی بلکہ معاشرے کے نمائندوں مثلاً امیر، خلیفہ یا سلطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے جس سے تمام عوام مساوی طور پر مستفید ہو سکتے ہیں۔

اسکے علاوہ صیہونی معاشی نظام کی بنیاد کاغذی کرنسی پر ہے جس کی پشت پر حقیقی دولت کی طاقت نہیں ہوتی۔ جبکہ اسلامی معاشی نظام کی بنیاد حقیقی دولت (سونا، چاندی وغیرہ) پر ہے۔ کاغذی کرنسی کا نظام اس فطری نظام سے متصادم ہے جو کہ قرآن وسنت نے ہمیں دیا ہے۔

صیہونی معاشی نظام کا تیسرا ستون منی لانڈرنگ ہے۔قرض خواہ کریڈٹ کارڈ کے ذریعے لیا جائے یا کاروباری ٹرانزیکشن کے ذریعے، وہ پرسنل لون ہو یا کار فنانس،ان سب کی بنیاد سود اور رباء پر ہے۔اسکے برعکس اسلامی معاشی نظام کی بنیاد تجارت اور قرض حسنہ پر ہے۔قرض حسنہ وہ قرض ہوتا ہے کہ جس پر سود نہیں ہوتا اور اگر کوئی قرض ادا کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو اسکا قرض معاف کر دیا جاتا ہے۔اسکے علاوہ صیہونی معاشی نظام میں ٹیکس جبکہ اسلامی معاشی نظام میں زکوۃ ہوتی ہے۔ٹیکس اس آمدنی پر ہوتا ہے جو انسان دن رات محنت کر کے کماتا ہے۔امریکی معیشت تیس سے پینتیس فیصد ٹیکسوں پر مشتمل ہے۔یعنی ہر سال ہر امریکی شہری کی تین مہینے کی کمائی ریاست کے کھاتے میں چلی جاتی ہے جبکہ اس شخص کو صرف 9 مہینوں کے پیسے ملتے ہیں۔ یہ لوگ اسے جمہوری نظام کہتے ہیں لیکن درحقیقت یہ غلامی ہے۔انکم ٹیکس کا نظام دیکھنے میں بہت دلکش نظر آتا ہے اور آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے کیونکہ ان کی حکومت کے مطابق وہ ٹیکس عوام کی فلاح و بہبود کیلئے خرچ کیا جاتا ہے یعنی عمارتیں اور سڑکیں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ درحقیقت یہ سامری کا جادو ہے۔وہ اپنے استحصالی نظام کو صحیح ثابت کرنے کیلئے اسے انتہائی خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی ہے اور ان کو اس نظام کی اصلیت نظر نہیں آتی۔

اسلامی معاشی نظام میں صدقہ و خیرات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے جبکہ مغربی معاشی نظام دولت کو سینت سینت کے رکھنے اور خرچ نہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یوں لوگوں کی بچت بینکوں میں پہنچ جاتی ہے جس کو وہ بینک قرض کے طور پر کسی اور شخص یا ادارے کو دے دیتے ہیں تا کہ اس سے سود وصول کر سکیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ عوام کو لمبے عرصے کیلئے رقم جمع کروانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ دوسری طرف اسلام معاشرے میں دولت کی گردش کو بہت اہمیت دیتا ہے کیونکہ گردش سے دولت بڑھتی ہے۔ دولت انسان کے جسم میں خون کی طرح ہے۔جس طرح جسم میں خون کی گردش جاری رہتی ہے اور اگر کبھی رک جائے تو بیماری کا باعث بن جاتی ہے، ویسے ہی معاشرے میں بھی دولت کی گردش بہت اہم ہے ورنہ سارا کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

مغربی نظام میں خواہشات اور تعشیات کو اہمیت دی جاتی ہے جبکہ اسلامی نظام انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔صیہونی صرف انسانوں کی خواہشات بڑھاتے ہیں جبکہ اسلامی نظام

انسانوں کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ ہمارا دین ہمیں کہتا ہے کہ زندگی اس طرح گزارو کہ جس طرح مسافر گزارتا ہے۔ دنیا ایک مسافر خانہ ہے لہذا ضروریات زندگی پورا کرنے کی طرف دھیان دو، نہ کہ نفسانی خواہشات پر کیونکہ خواہشات انسان کو غافل بناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ان سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ جبکہ صیہونی انسان کی خواہشات کو بھڑکاتے ہیں تاکہ ہر شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے ان سے سود پر قرض لے۔ اسلام ہمیں چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کا حکم دیتا ہے اور فضول خرچ انسان کو شیطان کا بھائی کہتا ہے۔ ہماری بنیادی ضروریات مثلاً اچھا گھر، گاڑی، کپڑے اور خوراک وغیرہ فضول خرچی کے زمرے میں نہیں آتیں۔ عیاشی، فضول خرچی اور ضروریات میں فرق ہوتا ہے جس کا علم ہونا ضروری ہے۔ اگر آپ کی ضرورت کپڑے کے دس جوڑوں میں پوری ہوسکتی ہے تو پچاس جوڑے نہیں بنوانے چاہئیں کیونکہ وہ اسراف اور فضول خرچی میں شامل ہوگا۔

ہمارا دین ہمیں دانشمندانہ سوچ دیتا ہے کہ اس دنیا میں ہمیں جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے جبکہ غیر مسلموں کا یہ خیال ہے کہ ان کو جو کچھ حاصل ہے وہ ان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے قارون سے کہا ''اچھائی کرو، جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ اچھائی کی''۔ اس نے جواب دیا ''اللہ نے کوئی اچھائی نہیں کی۔ یہ سب کچھ تو میں نے اپنے ہاتھوں اور اپنے علم سے کمایا ہے۔'' مشرک اللہ کا احسان نہیں مانتے۔ یہاں ہم ایک اور خوبصورت واقعے کی مثال دینا چاہیں گے۔ ایک دفعہ ایک صاحب اشفاق احمد (مرحوم) کے ہاں گئے اور کہا کہ میں نے آج بہت نیکی کا کام کیا ہے۔ میں نے ایک غریب کو سو روپے دیئے ہیں۔ اشفاق احمد نے بڑے اطمینان سے جواب دیا ''تم نے وہی پیسے اس شخص کو دیئے ہیں جو تمہیں کسی اور نے دیئے تھے۔ تم نے کون سا اپنے پاس سے پیسے دیئے ہیں جس کا احسان جتا رہے ہو''۔ یعنی یہ یقین رکھنا بہت ضروری ہے کہ ہمارے پاس موجود ہر چیز اللہ کی دی ہوئی ہے۔ جب ہم ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعون'' کہتے ہیں تو ہمیں مکمل یقین ہوتا ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس دنیا میں موجود ہر شے کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کا فرض ہے کہ نہ صرف خود اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہو بلکہ دوسرے انسانوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ ہماری تاریخ میں ایسے واقعات بھی گزرے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کردیا اور اپنے پاس موجود تمام

دولت غرباء میں تقسیم کر دی۔

مغربی معاشی نظام کی بنیاد لوگوں کے استحصال پر ہے۔ لوگوں کی ضروریات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو بھاری سود پر قرض دیا جاتا ہے اور پھر ان کو غلام بنا لیا جاتا ہے۔ بنیادی ضروریات مثلاً تیل، گیس وغیرہ کی قیمتیں بڑھا کر لوگوں پر زندگی تنگ کر دی جاتی ہے۔ اس نظام کی وجہ سے غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ کفر کے معاشی نظام کا اعجاز ہے کہ انسان میں مادیت پرستی اور دوسروں کا استحصال کرنے کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور سے لے کر ملک کے سربراہ تک ہر شخص کرپشن میں ملوث پایا جاتا ہے۔

پہلے پہل جب آپ بازار جاتے تھے تو خریداری ایک دکان سے کرنے کے بجائے مختلف دکانوں سے ہوتی تھی۔ یوں پیسہ مختلف دکانداروں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ لیکن اب سپر مارکیٹ کا تصور فروغ پا رہا ہے۔ ان سپر مارکیٹوں میں ایک ہی چھت کے نیچے آپ کو ضرورت کی تمام چیزیں مل جاتیں ہیں۔ لہذا آپ ایک ہی جگہ سے ساری خریداری کر لیتے ہیں۔ دنیا کے مختلف مما لک میں ان سپر مارکیٹوں کی شاخیں پھیلی ہوتی ہیں۔ یوں پیسہ مختلف دکانداروں میں تقسیم ہونے کے بجائے ایک شخص کی جیب میں چلا جاتا ہے اور معاشرے میں دولت کی مساوی تقسیم نہیں ہو پاتی۔

ہمارے معاشرے میں مغربی نظام کی یلغار سے قبل استاد اور شاگرد کا ایک رشتہ ہوا کرتا تھا۔ تجارت ہو یا کوئی اور ہنر، ایک شخص سکھانے والا جبکہ دوسرا سیکھنے والا ہوتا تھا۔ استاد شاگرد کو پیار اور علم دیتا تھا جبکہ شاگرد استاد کی عزت کرتا تھا۔ موجودہ معاشی نظام میں یہ رشتہ مالک اور ملازم کے رشتے میں تبدیل ہو گیا ہے۔ ان کا آپس میں کوئی روحانی تعلق نہیں ہوتا۔ ملازم کو جہاں اچھی نوکری ملے، وہ پرانی نوکری چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ مالک کو مزید اچھا ملازم ملے تو وہ پرانے ملازم کو نکال کر نیا ملازم رکھ لیتا ہے۔ نہ تو ملازم پر کوئی اخلاقی پابندی ہے اور نہ ہی مالک پر لہذا اس معاشی نظام کے اثرات پورے معاشرے پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر انسان اس نظام سے متاثر ہوتا ہے۔ ہمارے مذہب میں رزقِ حلال کا تصور پایا جاتا ہے۔ جبکہ مغربی معاشی نظام میں حلال یا حرام کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ دولت سود اور رباء سے کمائی گئی ہو یا چوری چکاری کر کے، انہیں ہرگز کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر معاشرہ اتنا باشعور ہو کہ حلال اور حرام میں تمیز کر سکے تو وہ

خود بخود صحیح راستہ نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ یوں لوگوں کا استحصال اور ان کا پیسہ ہڑپ کرنے جیسی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں میں یہ شعور موجود ہے۔ آج کا مسلمان خواہ کتنا ہی مغرب زدہ کیوں نہ ہو مگر وہ ضرور دیکھتا ہے کہ اس کی خوراک میں کوئی حرام چیز تو شامل نہیں۔ لیکن مغربی معاشرے نے مسلمانوں کو دھوکہ دہی کے ذریعے حرام کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انہوں نے بینکاری کو حلال کہہ کر مسلمانوں کو بھی اس کی لت ڈال دی ہے۔

ہمارے مذہب نے معاشی نظام سے متعلق تین تصور دیئے ہیں۔ وہ تصورات اتنے غیر معمولی ہیں کہ ان سے بہتر معاشی تصور آج تک نہیں دیئے جا سکے۔ ہمیں ان تصورات کو نافذ کرنا ہے۔ پہلا تصور زکوٰۃ کا ہے۔ مسلمان ہر سال اپنے جمع شدہ مال سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ دوسرا تصور صدقہ و خیرات کا ہے یعنی اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا اور غربا و مساکین کا حصہ نکالنا۔ قرآن پاک میں کہا گیا ہے۔

ترجمہ: ''جو کچھ ہم نے آپ کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرو''۔

اسکے علاوہ تیسرا تصور یہ ہے کہ جو ضرورت سے زائد ہو، وہ سب کا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ اگر یہ تصور موجودہ معاشرے میں رائج ہو جائے تو پوری دنیا میں ایک معاشی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اس تصور کے حوالے سے ایک حدیثِ مبارکہ ہے کہ جس میں آپؐ سے لوگوں نے سوال کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔ آپؐ نے جواب دیا ''جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو''۔ ایک مرتبہ ایک شخص ایک فقیر کے پاس آیا اور سوال کیا کہ زکوٰۃ کیا ہے؟ فقیر نے اس سے سوال کیا کہ فقہ کی زکوٰۃ بتاؤں، محبت کی زکوٰۃ بتاؤں یا پھر ایک فقیر اور عشق کی زکوٰۃ بتاؤں۔

سوال کرنے والا شخص ہنسا اور کہا کہ زکوٰۃ تو ایک ہی ہوتی ہے۔ اس فقیر نے کہا کہ فقہ کی زکوۃ یہ ہے کہ جو مال تم نے جمع کر رکھا ہے، سال کے آخر میں اس کا ڈھائی فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ محبت کی زکوۃ یہ ہے کہ جو ڈھائی فیصد تم نکالنا چاہتے ہو وہ اپنے لیے رکھو اور باقی ساڑھے ستانوے فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ فقیر اور عشق کی زکوۃ یہ ہے کہ جو ڈھائی فیصد اپنے لیے رکھا تھا، وہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالو۔

جو مال ہمارے پاس سال بھر پڑا رہتا ہے وہ یقیناً ہماری ضرورت سے زائد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بندوں کو بہت پسند فرماتا ہے جو اس کی رضا کیلئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ ہماری اسلامی تاریخ میں ایسے

واقعات بھی گزرے ہیں کہ لوگ اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن زکوۃ وخیرات کے مستحقین بھی اتنے غیرت مند ہوا کرتے تھے کہ وہ ہاتھ پھیلانے کے بجائے خود محنت مشقت کر کے کمانا پسند کرتے تھے۔ اب تک ہم نے اسلامی معاشی نظام کے حوالے سے بیت المال، سونے و چاندی کے سکوں، زکوۃ، قرض حسنہ اور وراثت کی بات کی ہے۔ ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مثالی اسلامی معاشی ماڈل لاگو کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک انفرادی سطح پر ایک عام شخص کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے تو آپ مکی دور کی سورتیں دیکھیں۔ ان سورتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ اصول دیئے، وہ اخلاقیات دیں جن کی بنیاد پر بعد ازاں انہوں نے عظیم تہذیبیں قائم کیں۔ تمام اسلامی اصولوں مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دنیا میں دل نہ لگاؤ۔ مال کی ہوس اور دولت جمع کرنے کی خواہش انسان کی فطرت میں ہے۔ ہمارا مذہب ہمیں اس سے منع کرتا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں انسان کو غافل کرتی ہیں۔ ان سے بچاؤ کیلئے صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن میں اس شخص کو ناپسند فرمایا گیا ہے جو نماز تو پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے، اللہ و رسولؐ اور آخرت پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا۔ اپنا مال غرباء میں تقسیم نہیں کرتا، یتیم کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا۔ اللہ نے اس شخص کی نماز کو ریاکاری قرار دیا ہے اور اس شخص کو منافق کہا گیا ہے۔

جب اسلامی معاشی نظام نافذ ہوگا تو وہ امیروں کے ساتھ غرباء اور مساکین کو بھی فائدہ پہنچائے گا بلکہ اس کا زیادہ زور غرباء کی فلاح و بہبود پر ہی ہوتا ہے۔ حضورؐ کا بنایا گیا معاشی ماڈل اتنا مکمل ہے کہ اس سے زیادہ اچھا نظام بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ نظام ضروریاتِ زندگی پر خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ بچت کی اجازت بھی دیتا ہے اور معاشرے میں دولت کی مساوی تقسیم کو بھی ممکن بناتا ہے۔ یہ معاشی نظام حقیقی دولت یعنی سونا، چاندی وغیرہ پر انحصار کرتا ہے۔ اگر یہ نظام آج نافذ ہو جائے تو یہ انقلابی قدم ہوگا جسکے ذریعے کفر کا استحصال پر مبنی نظام خود بخود ختم ہو جائیگا اور معاشرے میں خوشحالی آئے گی جس کے ثمرات معاشرے کے ہر فرد پر ظاہر ہوں گے۔ اسلامی معاشی نظام، صیہونی نظام کے مقابلے میں ہمارا سب سے اہم ہتھیار ہے۔ صیہونی پوری دنیا کی حقیقی دولت لے کر بدلے میں لوگوں کو صرف ردی نوٹ دے رہے

ہیں۔ اسکے علاوہ وہ اپنی مرضی سے ہر چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں جس سے معاشرے کے غرباء اور مساکین متاثر ہوتے ہیں۔ آخر کار ان کی حالت اس قدر بری ہوجاتی ہے کہ وہ حکومت پر انحصار کرنے لگتے ہیں کہ وہ ان کی کفالت کرے جبکہ اسلامی معاشی نظام غرباء ومساکین کی کفالت کو یقینی بناتا ہے۔ پاکستان میں ہر سال ساٹھ ارب روپے زکوٰۃ اور صدقات کے طور پر نکالے جاتے ہیں۔ بہت سے پاکستانی کثرت سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔ عمران خان کا شوکت خانم ہسپتال، ایدھی سینٹر غرضیکہ بہت سے ادارے صدقات وخیرات پر چل رہے ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ معاشرے میں زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کی برکت نظر نہیں آرہی۔

خلافت عثمانیہ کے آخری دور میں وہاں کاغذی کرنسی بھی آنا شروع ہوگئی تھی یعنی 1921ء میں خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے سے قبل ہی وہاں سونے اور چاندی کے سکوں کے علاوہ کاغذی کرنسی کا اجراء بھی شروع ہوگیا تھا۔ اس زمانے میں وہاں کے سکالرز نے یہ فتویٰ دیا کہ زکوٰۃ کاغذی کرنسی میں دی جاسکتی ہے۔ اس سے پہلے یہ اصول رائج تھا کہ زکوٰۃ ہمیشہ حقیقی دولت میں ہی دی جائے گی یعنی کاغذی کرنسی میں نہیں بلکہ اصل دولت میں۔ ہمیں آج بھی کاغذی کرنسی کی بجائے حقیقی دولت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو یقینی بنانا چاہیے۔ ایک شخص اپنے مال سے دس ہزار روپوں کی زکوٰۃ کسی بیوہ کو دیتا ہے کہ وہ ان پیسوں سے اپنی بیٹی کی شادی کردے۔ لیکن چند ماہ بعد جب وہ بیوہ خریداری کیلئے جائیگی تو مہنگائی اور افراط زر کی وجہ سے ان دس ہزار روپوں کی قدر کم ہوکر سات ہزار روپے رہ جائے گی۔ اس کے برعکس اگر آپ اسے شریعت کے مطابق دس ہزار روپے کا سونا دے دیں گے تو چند ماہ بعد اس کی قیمت دس ہزار سے بڑھ کر چودہ ہزار ہوجائے گی کیونکہ سونے کی قیمت بڑھتی رہتی ہے۔ لہذا وہ اس مہنگائی سے زیادہ متاثر نہیں ہوگی۔

ملائیشیا کے سابق رہنما مہاتیر محمد بھی یہ کوشش کررہے تھے کہ سونے اور چاندی کے سکے دوبارہ لائے جائیں۔ اس سلسلے میں بہت سی سنجیدہ کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ ملائیشیا کے ایک صوبے میں تو حکومت یہ فیصلہ کرچکی ہے کہ نہ صرف زکوٰۃ سونے اور چاندی کے سکوں میں ادا کی جائے گی بلکہ یہی سکے کرنسی کے طور پر بھی استعمال کیے جائیں گے۔ مسلمانوں میں یہ سوچ تیزی سے فروغ پارہی ہے مگر عالمی ذرائع بلاغ اس

کی تشہیر نہیں کرتا۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی معاشی نظام اپنائیں۔آج اگر آپ کسی شخص کو بذریعہ چیک ادائیگی کرتے ہیں تو وہ چیک بینک میں جمع کروانے سے لے کر رقم حاصل کرنے تک کا مرحلہ بہت طویل ہوگا۔اس کے برعکس اگر آپ سونے یا چاندی کے سکوں میں ادائیگی کریں تو وہ شخص جیولر کے پاس جا کر رقم حاصل کر لے گا اور ضرورت کی اشیاء خرید لے گا۔ایسی صورت میں انسان نقصان نہیں اٹھاتا۔ یہ طریقہ اپنانے سے معاشرے کے افراد مہنگائی اور پیسے کی قدر میں کمی سے متاثر نہیں ہونگے۔بصورت دیگر غریب افراد کیلئے مہنگائی سے بچنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ ہر شخص انفرادی طور پر زکوۃ سونے اور چاندی میں ادا کرسکتا ہے ۔اس طرح ہر سال پاکستان میں 60 ارب روپے کے سکے آنا شروع ہوجائیں گے۔جس طرح اب دکاندار پاکستانی کرنسی کے علاوہ ڈالرز بھی قبول کر لیتے ہیں، کچھ عرصہ بعد وہ سونے اور چاندی کے سکے بھی قبول کرنا شروع کر دیں گے۔ یہ ایک انقلابی قدم ہوگا جو معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے کا باعث بنے گا۔اس تبدیلی کا سب سے زیادہ فائدہ غریب افراد کو پہنچے گا۔

ملائیشیا کے اداروں کی طرح پاکستان کی جیولرز ایسوسی ایشنز بھی سونے اور چاندی کے سٹینڈرڈ سکے جاری کرسکتی ہیں۔جسکے بعد تمام دکاندار وہ سکے قبول کریں گے۔ ARY والے پہلے ہی پانچ گرام سونے کے سکے جاری کر چکے ہیں۔ یہ اقدام حکومت کے خلاف بغاوت نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے قانون کی خلاف ورزی کا احتمال ہے۔لیکن اس نظام کے اجراء سے معاشرے میں ایک مثبت تبدیلی ضرور آئے گی۔ اس وقت دنیا کے بائیس مسلم ممالک ایسے ہیں جن میں مختلف کمیونٹیز سونے اور چاندی کے سکے استعمال کررہی ہیں۔ دوبئ میں ایک ایسا بیت المال قائم کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے جس میں مسلمان تجارت سونے میں کریں گے اور دولت کی ادائیگی سے لے کر منتقلی تک ہر کام سونے کی صورت میں ہوگا۔

دنیا میں سونے کی کمی نہیں ہے۔اتنا سونا موجود ہے جو تمام انسانوں کی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ سونے اور چاندی کے سکوں کے نظام کا اجراء جلد از جلد پوری دنیا میں پھیل جائیگا۔ بلکہ یہ ایک سست عمل ہے جس پر بتدریج عملدرآمد ہوگا۔ جب انسان سونے کی شکل میں لین دین کرے گا اور اپنی بچت سونے کی صورت میں رکھے گا تو وہ صدقہ خیرات بھی سونے اور چاندی ہی میں نکالے گا۔آہستہ آہستہ

ہر شخص اس عمل کا حصہ بن جائیگا۔ یہ عمل اتنا انقلابی ہوگا کہ یہ کفر کے اس نظام کو پیچھے دھکیل دے گا کہ جس کے نتیجے میں مہنگائی ہے۔ پیسے کی قدر میں کمی بیشی سے معاشرے کا غریب ترین طبقہ تباہ و برباد ہوتا ہے۔ ہم مسلمانوں سے یہی کہیں گے کہ زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق جانیں۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ادا کی جاتی ہے جبکہ ٹیکس ادا کرنا مجبوری ہے۔ لہذا ضرورت سے زائد اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ اس سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئیگا کہ جہاں ہر شخص دوسرے کا خیال رکھے گا۔ اسلامی معاشی نظام قائم ہونے کے بعد انشاءاللہ وہ وقت دور نہیں جب ملک کا کوئی بھی شہری بھوکا نہیں سوئے گا۔

بہترین حل: اسلامی معاشی نظام

یہ بات طے ہے کہ تبدیلی اوپر کی سطح سے نیچے نہیں آئے گی۔ بلکہ نیچے سے اوپر آئے گی لہذا ہر شخص اسلامی معاشی نظام کو اپنے اوپر لاگو کرسکتا ہے۔ جیسا کہ اقبال کہتے ہیں کہ:

؎ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

اگر ایک شخص بھی یہ فیصلہ کر لے کہ وہ ان تمام باتوں پر عمل کرے گا۔ جن کا شریعت میں یا اسلامی معاشی نظام میں حکم دیا گیا ہے تو ایک شخص بھی معاشرے میں بہت بڑی تبدیلی لا سکتا ہے۔ یہ باتیں جلد از جلد عوام کو بتانا ضروری ہیں کیونکہ اس وقت ملک میں خطرناک حالات پیدا کیے جا رہے ہیں۔ مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ مصنوعی افراط زر پیدا کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی کرنسی کی قدر میں کمی کی جا رہی ہے۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں قحط برپا کیا جا رہا ہے۔ دنیا کی آبادی کو کم کرنے کیلئے دنیا کو جنگوں اور قحط میں مبتلا کیا جا رہا ہے اور یہ ساری صورتحال سامنے ہے۔ ہماری حکومت آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی مرتب کردہ پالیسیاں لاگو کر رہی ہے۔ یہ سب کچھ اتنا شرمناک ہے کہ بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں لیکن اللہ کے فضل سے ہمارے پاس ان مسائل کے حل موجود ہیں۔ ہم مایوس نہیں ہیں۔

اب پورے معاشرے، قوم اور کم از کم ان تمام مسلمانوں کو اپنے وجود میں یہ حل لاگو کرنے ہیں جو دردِ دل رکھتے ہیں۔ یہ وقت اس سست رفتار صورتحال کو برقرار رکھنے کا نہیں۔ اب فوری تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستانی اپنی زندگیاں تبدیل کریں تاکہ وہ صورتحال تبدیل ہو کہ جو گزشتہ ساٹھ سالوں سے موجود ہے۔ معاشی حوالے سے ایک انقلابی حل موجود ہے کہ آپ زکوۃ میں آٹا، چاول یا سونے اور چاندی کے سکے دیں تاکہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے جو فرق پڑتا ہے، وہ لوگوں کی قوتِ خرید کو متاثر نہ کرے۔

دین نے زکوٰۃ اصل دولت پر رکھی ہے۔ دولت کی رسیدوں پر زکوٰۃ کے اصل اثرات معاشرے میں

برقرار نہیں رہتے۔ اگر معاشرے میں صرف دو لاکھ افراد ہی سونے اور چاندی میں زکوٰۃ نکالنا شروع کردیں تو بہت فرق پڑ جائے گا۔

یہ ان لوگوں پر فرض ہے جن کو اللہ نے بہت کچھ عطا کیا ہے، جو دنیا میں دولت منداور مالدار ہیں۔وہ مسلمان جو خود بھوکا پیاسا ہے یا جس کے پاس اپنے کھانے کو دووقت کی روٹی نہیں ہے،اس سے ہم توقع نہیں کر سکتے کہ وہ زکوٰۃ وخیرات نکالے۔ہمارا مذہب دو قسم کے انسانوں پر رشک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن ودین کا علم عطا کیا ہواور وہ اسے دوسروں تک پہنچاتا ہواور دوسرا وہ جس کو اللہ نے دنیا میں بے انتہا دولت سے نوازا ہواور وہ اسے اللہ کی راہ میں تقسیم کرتا ہو۔مالدار ہونا ایک اہم ذمہ داری ہے۔ لوگوں کو معاشرے میں حضرت عثمان غنیؓ کا کردار بھی ادا کرنا پڑتا ہے کیونکہ معاشرے میں اگر سیدنا عثمان غنیؓ کا وجود نہ ہوتا تو اسلامی معاشرہ معاشی طور پر کبھی بہتر نہیں ہوسکتا تھااور مسلمان کبھی بھی ایک منظّم معاشرے کے طور پر نہ ابھر سکتے۔ معاشرے میں نیک اور امیر لوگوں کا وجود رحمت ہوتا ہے۔ہمارا اشارہ ارب پتی پاکستانیوں کی طرف ہے۔ پاکستان کے مالدار افراد اگر تبدیلی لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔اگر ایک فرد نے بھی ہماری یہ بات سن لی اور سمجھ لی تو ملک میں انشاءاللہ ایک غیر معمولی تبدیلی برپا ہوسکتی ہے جو کہ ہم نے ضرور لانی ہے۔

ہمارے دین میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر تم سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوجاتی ہے تو فوراً کوئی نیکی یا اچھائی کا کام کردیا کرو کیونکہ اچھائیاں برائیوں کو رد کردیتی ہیں۔جس اچھائی کی ہمیں بار بار ترغیب دلائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔اگر قسم توڑ دی جائے یا روزہ توڑ دیا جائے تو مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کا بہت اہم جزو ہے جس کو لاگو کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج بھی بھوکے،غریب اور مسکین لوگ موجود ہیں۔ دوسری جانب ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ایک ایک لاکھ روپے صرف کھانے پینے پر خرچ کردیتے ہیں۔جبکہ کچھ لوگ صرف اس وجہ سے خودکشی کررہے ہیں کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا سلسلہ آہستہ آہستہ ہمارے معاشرے سے ختم ہوتا جارہا ہے۔

یہاں تھوڑی فلسفیانہ بات کرنی ہوگی۔ہم آپ کو ہرگز یہ نہیں کہتے کہ جو رزق اللہ نے آپ کو دیا ہے، وہ

خرچ نہ کریں۔آپ کے ایف سی (KFC) ،میکڈونلڈز (Mcdonalds) یا میریٹ (Marriot) ضرور جایئے اور وہاں بہت سے کھانے کھایئے لیکن اس بات کا بھی دھیان رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کچھ ضروریات میں شامل نہیں ہے بلکہ عیاشی ہے۔ پیسے خرچ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن اگر کوئی دو ہزار روپے کا کھانا میکڈونلڈز میں کھا سکتا ہے تو پھر دو ہزار روپے کا راشن بھی کسی یتیم ، مسکین یا بیوہ کے گھر پر دے سکتا ہے۔ پھر جو دو ہزار روپے کا اسراف آپ نے کیا ہے وہ آپ کو تکلیف نہیں دے گا۔ بصورت دیگر اللہ کے ہاں اس کا بھی بہت سخت حساب ہے ۔ یہ بات ایک مسلمان کے تقویٰ، روحانیت اور اسلامی معاشرتی نظام کے خلاف ہے کہ عدل اور انصاف کا نظام قائم نہ ہو۔ جہاں ایک مسلمان ایک وقت میں دو ہزار کا کھانا کھائے جبکہ دوسری طرف ایک مسلمان پورے مہینے کے لیے دو ہزار روپے کے کھانے کو ترس رہا ہو۔ جب کبھی کسی انسان کا دل کرے تو وہ ضرور اپنی خواہشات پوری کرے اور جی بھر کے پیسے خرچ کرے لیکن اتنے ہی پیسوں کا رزق لے کر کسی یتیم ، بیوہ اور مسکین کو بھی دے دے یا پھر اللہ کی راہ میں صدقہ کرے۔ جب کوئی شخص اپنی خوشیوں میں کسی یتیم اور بیوہ کو بھی شامل کر لے گا تو اس کے رزق میں بھی برکت آنی شروع ہو جائے گی اور ایسا شخص دنیا میں غافل نہیں ہوگا۔ ایسے شخص کی آنکھوں کو دنیا کی چکاچوند متاثر نہیں کرے گی ۔اچھائی کے بھی تین درجے ہیں۔ اگر اللہ نے آپ کو دولت سے نوازا ہے تو خود بھی کھایئے اور دل کھول کر اللہ کی راہ میں بھی تقسیم کیجیئے ۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے جو رزق آپ کو عطا کیا ہے اس میں سے آدھا استعمال کریں اور آدھا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیں اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس ایک ہی روٹی ہو اور کوئی بھوکا آئے تو پوری کی پوری روٹی آپ اسے دے دیں۔

معاشرے میں اگر ایک شخص بھی خلوص نیت سے اپنی زندگی تبدیل کرتا ہے تو آس پاس بے پناہ برکت اور نور پھیل جاتا ہے۔ایک بہت دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی شدید خواہش تھی کہ وہ قلفی کھائے۔ وہ غریب آدمی تھا اور اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ وہ جب بھی پیسے جمع کر کے دکان پر جانے لگتا تو راستے میں کوئی یتیم ، مسکین یا بیوہ اسے مل جاتی اور وہ شخص اپنے جمع کیے ہوئے پیسے ان کو دے کر واپس آجاتا تھا اور پھر پیسے جمع کرنا شروع کر دیتا۔ کئی برس ہوگئے ہیں وہ اب تک قلفی نہیں کھا سکا۔

حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہء وقت تھے اور گزر اوقات کیلئے بیت المال سے تھوڑا سا وظیفہ لیا

کرتے تھے۔ایک روز آپؒ کے گھر میں میٹھا پکا تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ میٹھا کہاں سے آیا ہے۔آپؒ کی اہلیہ نے جواب دیا کہ میں روز کے خرچ میں سے تھوڑا سا بچا لیتی تھی جسکے بعد آج میں نے آپؒ کے لیے اور بچوں کے لیے تھوڑا سا میٹھا بنا لیا۔اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ جو مال میں بیت المال سے لیتا ہوں وہ میری ضرورت سے زائد ہے لہذا جتنا آپ کی اہلیہ روزانہ بچایا کرتی تھیں آپؒ نے اپنا اتنا خرچ بیت المال سے کم کر دیا۔آج بھی ریلوے سٹیشن پر ایسے قلی اور بازاروں میں ایسے موچی بیٹھے ہوئے ہیں جو سارا دن کماتے ہیں۔اسکے بعد صرف رات کا کھانا کھاتے ہیں اور باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم کر دیتے ہیں۔صدقہ کرنے کے لیے بادشاہ ہونا ضروری نہیں ہے آپ خواہ کسی بھی مقام پر ہوں، کوئی بھی کام کرتے ہوں، آپ صدقہ دے سکتے ہیں۔اسی طرح بچوں کی کچھ مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں جو بظاہر تو او لیول یا اے لیول میں پڑھتے ہیں اور انکا تعلق اچھے گھرانوں سے ہے۔وہ اپنے جیب خرچ میں سے پیسے بچا بچا کر رکھتے ہیں۔انکے گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کپڑے خریدنے جا رہے ہیں یا میکڈونلڈز جا رہے ہیں۔مگر اس کے برعکس یہ بچے اس جیب خرچ سے کسی فقیر یا کسی حاجت مند کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کیلئے ایک ادارہ قائم کیا جائے جس کی سرپرستی حکومت یا پھر عوام خود کرے۔لوگوں کو چاہیے کہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھیں۔طعام المسکین ہماری اسلامی اقدار اور معاشرے کا بہت اہم جزو ہے۔معاشرے میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو اللہ نے اربوں روپے سے نوازا ہے اور ماشااللہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں۔یہاں ایک پاکستانی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔اس کے بارے میں مکمل طور پر معلوم نہیں لیکن کچھ لوگوں کے مطابق اس شخص کا تعلق فیصل آباد سے ہے۔مسجد نبویؐ شریف میں موجود تمام فقراء کو کھانا کھلاتے ہیں۔انہوں نے جنت البقیع کے پاس لوگوں کے لیے طعام کا بندوبست کر رکھا ہے اور صبح و شام ہزاروں لوگ اس لنگر سے مستفید ہوتے ہیں۔ان کا دل چاہتا تھا کہ مسجد نبویؐ میں حضورؐ کے مہمانوں کی تواضع کریں۔اللہ نے ان کو دیا ہے تو وہ تواضع کر بھی رہے ہیں۔

عموماً لوگ ماہ رمضان میں غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔مگر اب لوگوں نے عام دنوں میں بھی اپنی توفیق

کے مطابق غریب لوگوں کی مدد کرنا شروع کی ہے۔ہم آئے دن اپنی خواہشات پوری کرنے کیلئے اپنی ضروریات سے زائد خرچ کرتے ہیں۔بازاروں میں جا کر غیر ضروری اشیاء کی خریداری پر بے تحاشہ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔لہذا پہلے تو یہ کوشش ہونی چاہیے کہ فضول خرچی پر قابو پائیں کیونکہ ایسے بہت سے لوگ ہیں کہ جن کے پورے مہینے کا خرچ آپ کی ایک دن کی شاپنگ کے برابر ہے۔اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کسی جگہ خرچ کرنا بہت ضروری ہے تو کچھ نہ کچھ روپے ضرور صدقہ کر دیا کریں۔اپنی عادات واطوار کو تھوڑا سا تبدیل کریں اور غیر ذمہ دارانہ رویہ ترک کریں۔اسی معاشرے میں لوگ بھوک سے تنگ آ کر خودکشی بھی کر رہے ہیں اور اسی معاشرے میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے پاس اتنی دولت ہے کہ اگر ان کی سات نسلیں بھی کھاتی رہیں تو بھی ان کی دولت ختم نہیں ہوگی۔اس مسئلے کا یہی حل ہے کہ ہم اپنے خرچے کم کریں،اپنی خواہشات پر قابو رکھیں اور غریبوں میں راشن تقسیم کریں۔

اسکے بعد پھر یہ سوال درپیش ہوگا کہ صدقات وعطیات کا مستحق کون ہے۔یہاں ایک حدیث مبارکہ بہت اہم ہے کہ کسی نے آپؐ سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ جب ہم صدقہ کرنے جائیں تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ کون مستحق ہے اور کون نہیں تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے بھی دو جو مستحق ہے اور اس کو بھی جو مستحق نہیں ہے۔کیونکہ تمہیں اللہ اس وقت بھی دیتا ہے کہ جب تم مستحق ہوتے ہو اور اس وقت بھی کہ جب تم مستحق نہیں ہوتے۔ہم بھی تو اللہ کی اتنی رحمتوں اور نعمتوں کے مستحق نہیں ہیں جتنی آج اس نے ہمیں دے رکھی ہیں۔

ہم اللہ سے ہمیشہ یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری کوتاہیوں کو معاف کرے اور ہمیں بے پناہ رزق عطا کرتا رہے لیکن جب خرچ کرنے کی باری آتی ہے تو ہم بال کی کھال اتارتے ہیں اور غریب و مستحق ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔خدارا! اللہ کی راہ میں جو بھی ہو وہ خرچ کریں۔صدقہ کریں۔صدقہ دینے سے کبھی مال کم نہیں ہوتا بلکہ رباء اور سود سے مال کم ہوتا ہے۔اگر زکوۃ نہ نکالی جائے تو مال ناپاک رہتا ہے۔پہلے ہم نے زکوٰۃ اور پھر انفاق پر بات کی اور اب ہم یہ بات کرتے ہیں کہ جو مال ضرورت سے زیادہ ہے اسے اللہ کی راہ میں تقسیم کریں کیونکہ جب آپ مال تقسیم کریں گے تو وہ معاشرے میں گردش کرے گا جس سے معاشرے میں خوشحالی آئے گی۔حضورؐ نے فرمایا کہ ''تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر

کھالے مگراس کا ہمسایہ بھوکا ہو"۔

انسان کو اپنی کمزوریاں ختم کرنی ہونگیں۔ اگر کنجوسی انسان کی کمزوری ہے تو اسکا علاج صدقہ ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ زبردستی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے۔ جب انسان یہ سلسلہ شروع کرے گا تو آہستہ آہستہ اس کی یہ کمزوریاں دور ہوتی چلی جائیں گی۔ آپ دنیا جہاں کے اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں کھانا کھالیں لیکن آپکو وہ خوشی اور لطف نہیں ملتا جو آپ ایک وقت خود بھوکے رہ کر کسی ضرورت مند، یتیم یا مسکین کو کھانا کھلا کر حاصل کرتے ہیں۔ جب ہمارے معاشرے میں قربانی کا جذبہ، حقوق مانگنے کی بجائے حقوق دینے کی بات اور لینے والا ہاتھ نہیں بلکہ دینے والا ہاتھ ہوگا تو تب ایک بہترین معاشرہ قائم ہوگا۔

جنگِ تبوک کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ میں تین صحابہؓ سخت زخمی تھے۔ جب ان میں سے ایک کے پاس پانی لایا گیا تو ان صحابیؓ نے کہا کہ پہلے میرے دوسرے زخمی بھائی کو پلاؤ، جب ان کے پاس پانی لایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے تیسرے صحابیؓ کو پانی پلاؤ۔ جب وہ تیسرے صحابیؓ کے پاس پہنچے تو وہ شہید ہو چکے تھے۔ وہ جلدی سے جب دوسرے صحابیؓ کے پاس پہنچے تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔ وہ بھاگتے بھاگتے پہلے صحابیؓ کے پاس پہنچے مگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ ان صحابہ کرامؓ کا جذبہ ایثار اتنا بلند تھا کہ انہوں نے مرتے وقت بھی ایک دوسرے کے لیے قربانی دینے سے گریز نہیں کیا۔ ہمارا دین بھی ہمیں اس جذبہء ایمانی کا حکم دیتا ہے۔ آج معاشرے سے یہ نیک اعمال غائب ہوگئے ہیں۔ اس کی وجہ رباء اور سود ہے کیونکہ جہاں سود کا نظام قائم ہو، وہاں سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔ لوگوں کی دعائیں قبول ہونا بند ہو جاتی ہیں۔ رزق اور مال حرام ہو جاتا ہے۔ پورا معاشرہ مادیت پرستی اپنا لیتا ہے۔

ہماری ملک کی عدالتوں میں اس وقت لاکھوں مقدمات ہیں جن میں سے زیادہ مقدمات خاندانوں کے درمیان ہیں۔ زمین اور جائیداد کیلئے بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی نے ایک دوسرے پر مقدمے کر رکھے ہیں۔ اللہ سے پناہ مانگیں اور ایسا نہ کریں۔ اللہ نے وراثت کے حوالے سے ایک حکم دے رکھا ہے کہ جائیداد کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ معاشرے میں وراثت کا حکم اگر عدل اور انصاف کے ساتھ لاگو کر دیا جائے تو نہ صرف لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے مقدمات پر ضائع ہونے سے بچیں گے اور دولت و جائیداد کی تقسیم بھی مساوی ہوگی جسکی وجہ سے معاشرے میں امن قائم ہوگا۔

اسی طرح عورتوں کے معاملے میں بھی اللہ سے ڈریں۔حضورؐ نے خطبہ حجتہ الوداع میں بار بار عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ہمارے ہاں عورتوں کے حوالے سے بہت ظلم کیے جاتے ہیں۔زمانہ جاہلیت کی طرح انہیں جائیداد اور زمین میں سے حصہ نہیں دیا جاتا، ان کی شادیاں قرآن سے کردی جاتیں ہیں اور حقوق غصب کر جاتے ہیں۔عورتوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کو جائیداد میں سے حصہ نہ دینا پڑے۔لوگوں کو چاہیے کہ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈریں اور ظلم نہ کریں کیونکہ عورتیں مردوں پر انحصار کرتی ہیں۔

اس کے بارے میں بہت سخت تاکید ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کی جائیداد یا زمین پر ناجائز قبضہ کیا تو اس میں برکت نہ ہوگی اور وہ شخص دنیا و آخرت میں تباہ و برباد ہوگا۔ ہر خاندان میں عورتیں، بیٹیوں، ماؤں، بہنوں اور بیوی کے روپ میں موجود ہوتی ہیں۔جب باپ کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی جائیداد میں سے بیٹیوں کا حق نکلتا ہے جو کہ بیٹیوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔ بیٹی کی شادی قرآن سے کردی جاتی ہے اور لڑکی کو وراثت میں حق نہیں دیا جاتا تاکہ جائیداد تقسیم ہو کر خاندان سے باہر نہ چلی جائے۔

حضورؐ نے مزدوروں کے حقوق کے بارے میں فرمایا ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کردیا کرو۔اس سے مزدور میں سکون، اطمینان، یقین اور معاشرتی تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ جو محنت وہ کر رہا ہے اس کے پیسے اسے وقت پر مل جائیں گے۔ہمارے معاشرے میں ایک عجیب لعنت چل پڑی ہے کہ لوگوں کے پیسے روک لیے جاتے ہیں۔ ہر شخص انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ میرے پیسے مجھے ملیں اور میں لوگوں کا قرض اتار دوں اور پھر پورے معاشرے میں سلسلے وار ردعمل شروع ہو جاتا ہے اور ہر انسان تکلیف اور ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے۔اگر ایک فرد کا سکون چلا جائے تو پورے خاندان اور معاشرے کا سکون تباہ ہو جاتا ہے۔لڑائیاں، جھگڑے، چوری چکاری اور قتل و غارت شروع ہو جاتی ہے۔ ہر فرد کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ جس سے بھی کام لے گا اس کے پیسے وقت پر ادا کرے گا اور صرف قیمت پر نہ رکیں بلکہ احسان کا معاملہ اختیار کریں۔احسان کا معاملہ یہ ہے کہ اگر آپ نے ایک مزدور کے ساتھ سو روپیہ مزدوری طے کی ہے تو دن کے اختتام پر اس کو ایک سو بیس روپے ادا کردیں۔اس سے مزدور کو جو بے پناہ خوشی ہوگی ،وہ ناقابل بیان ہے۔اگر آپ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کی توقع کرتے ہیں تو دوسروں کے ساتھ بھی احسان کا

معاملہ کریں۔ اللہ احسان کا معاملہ اس کے ساتھ کرے گا جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے گا۔قرآن پاک میں اللہ کے بندوں کی تعریف بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہیں، لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت امام حسینؓ سے متعلق ایک واقعہ ہے کہ ان کی ایک ملازمہ نے آپؓ کے اوپر سالن گرا دیا۔ایک لمحے کے لیے آپؓ جلال میں آ گئے لیکن وہ اسی گھر کی ملازمہ تھی اور اسی گھر کی تربیت یافتہ تھی۔اس نے فوراً یہ آیت پڑھی کہ اللہ کے بندے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہیں۔آپؓ خاموش ہو گئے۔ پھر اس نے اگلی آیت پڑھی کہ اللہ کے بندے لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔پھر اس نے اگلی آیت پڑھ دی کہ وہ لوگوں پر احسان کرتے ہیں۔آپؓ نے فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ یہ مقام ہوتے ہیں ان اللہ والوں کے جو کائنات بدلتے ہیں۔

جب آپ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہی نہیں مانیں گے تو پھر تباہی تو برپا ہو گی۔ایسے بھی لوگ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور براہ راست رباء کے نظام کو قائم و دائم رکھتے ہوئے اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔اگر لوگ اللہ کے احکامات نہیں مانیں گے تو معاشرے میں فساد پیدا ہو جائے گا۔معاشرے کے فساد کا مطلب ہے کہ جب ایک گھر کو آگ لگے گی تو سب جلیں گے۔ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف معاشرہ تباہ ہوتا رہے اور کوئی شخص اس کے اثرات سے بچ جائے۔اگر معاشرے میں لاقانونیت ہے اور کوئی شخص اپنے گھر پر چوکیدار کھڑا کر کے یہ سمجھے کہ وہ امن و عافیت کے ساتھ رہ رہا ہے تو یہ خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔اس قسم کا نظام زیادہ عرصے تک نہیں چل سکتا۔اب ہمیں اپنی دولت تقسیم کرنی چاہیے۔اگر ہم اسلامی معاشی نظام کو پروان چڑھانے کی بات کرتے ہیں تو ہمیں اس کی ابتداء اپنی ذات سے کرنی ہے۔ یہ سارے احکامات ہمیں ہمارا دین سکھاتا ہے اور یہ احکامات ہی اسلامی معاشی نظام کی بنیاد ہیں۔اگر صرف ایک ہزار آدمی یا ایک لاکھ آدمی ہی ان احکامات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو معاشرے میں غیر معمولی تبدیلی آ سکتی ہے۔

تبدیلی انفرادی سطح سے شروع ہوتی ہے۔اگر ایک خاندان وراثت کے مسئلے پر آپس میں لڑنے لگے تو اس معاملے میں حکومت کیا کر سکتی ہے۔اس معاملے میں اسلامی ریاست کا جو فرض ہے اس کو ہم بعد میں زیر بحث لائیں گے۔ ہمارے پاس ابھی ایک مکمل اسلامی ریاست موجود نہیں ہے اس لیے وراثت سے

متعلق فیصلے لوگوں کو خود انفرادی سطح پر عدل وانصاف سے حل کرنے ہونگے۔

زراعت یا قابل کاشت زمین کے حوالے سے بھی ہمارے دین میں احکامات بتائے گئے ہیں۔ یہاں پر ایسے لوگ ہیں جن کے پاس ہزاروں ایکڑ زمین تو موجود ہے مگر نہ تو وہ خود کاشت کرتے ہیں اور نہ ہی کسی اور کو کاشت کرنے دیتے ہیں۔ حکم یہ ہے کہ جو زمین تمہارے پاس ہے اس کو خود کاشت کرو۔ اگر تین سال تک کاشت نہیں کرو گے تو وہ تم سے لے کر کسی کو بھی دی جاسکتی ہے تا کہ وہ اس پر کاشت کرے۔ جن لوگوں کے پاس قابل کاشت زمین موجود ہے، ان کو چاہیے کہ اس کو خالی نہ چھوڑیں۔ اس پر کاشت کاری کریں کیونکہ آپ جو بھی کاشت کریں گے وہ اللہ کی مخلوق کے لیے مفید ہوگی۔ اس وقت پوری دنیا میں قحط برپا کیا جارہا ہے اور ملک میں کھانے اور غلے کی کمی ہے۔ لہذا جس کے پاس زمین کا جوٹکرا بھی موجود ہے اسے وہ استعمال میں لانا چاہیے۔ اس پر کاشت کاری کرنی چاہیے اور غلہ حاصل کرنا چاہیے۔

جو زمین کاشت کے لیے ہے یا سرکاری اراضی ہے اس کے بارے میں تو سنت میں بھی احکامات موجود ہیں کہ مسلمانوں کا اجتماعی مال سلطنت کی ملکیت ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں قبائلی نظام ہے۔ ایسی کئی اجتماعی زمینیں موجود ہیں کہ جو لڑائی جھگڑوں یا وراثت کی تقسیم کی وجہ سے استعمال ہی نہیں ہورہیں۔ بہت سی ایسی زمینیں جو آباد کی جاسکتی ہیں وہ خالی پڑی ہوئی ہیں۔ یہاں لاکھوں ایکڑ زمین اس لیے کاشت نہیں ہورہی کہ اس پر قبائلی اور خاندانی جھگڑے چل رہے ہیں۔ یہ سب فساد اللہ کے احکامات کو نہ ماننے کا نتیجہ ہے۔ جو زکوۃ نہیں نکالتا، وراثت تقسیم نہیں کرتا اور بھوکوں کو کھانا نہیں کھلاتا وہ خود نقصان اٹھاتا ہے۔

حضورؐ نے واضح طور پر منع فرمایا ہے کہ جائیدادیں اور جاگیریں مت بناؤ۔ انہیں مسلمانوں کی فلاح میں استعمال کرو یا پھر تقسیم کردو کیونکہ آخرت میں ان کا سخت حساب دینا پڑے گا۔ اسلامی معاشی نظام میں زمین کی اصلاحات ایک اہم عنصر ہے یعنی زمین کو تقسیم کرنا، اگر کاشت نہیں کی گئی تو لے لی جائے، اگر کسی نے بنجر زمین کاشت کرلی تو وہ اس کی ملکیت ہوجائے گی۔ اس معاملے میں اسلامی قوانین موجود ہیں۔ زرعی زمین سے جو عُشر حاصل ہوتا ہے، اسے ہم زرعی ٹیکس کہتے ہیں۔ عُشر ادا کرنے کی ذمہ داری جاگیر داروں کی بنتی ہے۔ ہماری آبادی کی اکثریت دیہات میں رہتی ہے۔ عشر کے اسلامی قانون کا نفاذ ان پر ہوتا ہے کیونکہ ان کے پاس زمین ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کے پیسے روک لیے کیونکہ اس نے ٹھیک کام نہیں کیا۔ اگر آپ سوچیں کہ اگر اللہ آپ کا اجر روک لے کہ آپ نے ٹھیک کام نہیں کیا تو آپ کہیں کے نہیں رہیں گے۔ جو معاملہ آپ اللہ کی مخلوق کے ساتھ کرینگے وہی معاملہ اللہ آپ کے ساتھ کرے گا۔ لوگوں کے ساتھ سختیاں نہ کریں۔ ہر شخص کے پاس ملازم ہیں۔ وہ خرابیاں کرتے ہیں مگر ان کے ساتھ احسان سے پیش آئیں۔ وہ تمام مسلمان جن کے پاس دولت موجود ہے، اگر ان کی آمدنی کا ذریعہ سود نہیں ہے تو اسے اصل زر میں تبدیل کرلیں یعنی سونے اور چاندی میں تبدیل کرلیں۔ اب لوگ کہیں گے کہ سونے اور چاندی میں تبدیل کر کے ہم اس کو کہاں رکھیں گے۔ اگر کوئی جگہ نہیں ملتی تو بینک کے لاکرز میں رکھ لیں۔ اصل زر یا اصل زمین اس سے بہت بہتر ہے کہ آپ بینک میں ڈالر یا پیسے رکھ کر اس پر سود کھائیں۔ ہم کسی پر فتویٰ نہیں لگائیں گے کہ کس کو کیا کرنا چاہیے۔ مگر ہر شخص اپنے تقویٰ اور اپنی صلاحیت کے مطابق چلے۔ ہم ایک آئیڈیل مسلمان معاشرے میں نہیں رہتے۔ یہاں لوگوں کی کئی مجبوریاں ہیں لہذا وہ جانیں اور اللہ جانے لیکن جو بھی اپنی صلاحیت کے مطابق جتنا کرسکتا ہے، ضرور کرے اور جو نہیں کرسکتا وہ دل میں برا سمجھے تا کہ اس کا شمار ایمان والوں میں ہو۔ جو کفر کے نظام میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اپنی دولت سے چاہے زمین خریدیں یا وہ دولت سونے چاندی میں جمع کریں اور پھر اس اصل زر پر زکوٰۃ نکالیں اور اس پر صدقات دیں، یہ ان کی مرضی ہے۔ انشاء اللہ، اللہ اسی میں برکت دے گا اور آپ کے پیسے ضائع نہیں ہوں گے۔ اگر مسلمان ان اقدامات پر عمل کرنا شروع کریں تو بہت فرق پڑے گا۔

☆☆☆☆☆

جدید معاشی نظام کے خلاف معاشرتی سطح کے اقدامات

انفرادی سطح پر بات کی جائے تو اگر کوئی فرد معاشرے میں تبدیلی لانا چاہتا ہے تو اس کیلئے عملی نمونہ مکی دور کا ہے کیونکہ مکی دور میں انسان سازی، کردار سازی اور ان تمام باتوں پر غور کیا گیا کہ جو ایک روحانی معاشرے کی تشکیل کا سبب بنتے ہیں۔ ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد انسانی کردار اور اخلاق پر ہے۔ ہم نے ان تمام مراحل اور احکامات پر غور کیا جو ایک فرد اپنی ذات پر لاگو کر سکتا ہے۔ جس کے لیے اُسے کسی معاشرے یا حکومتی مدد و تعاون کی ضرورت نہیں پڑتی۔

زکوٰۃ دینا، ہر انسان پر فرض ہے یعنی نیت اور انفرادی جدوجہد بھی معنی رکھتی ہے۔ اگر کوئی فرد اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل نہ کرے تو وہ خود ذمہ دار ہے۔ زکوۃ، مسکین کی کفالت کا نظام، وراثت کی تقسیم، جائیداد اور زمینی اصلاحات کو طے کرنا اور اثاثوں کو حقیقی دولت میں ڈھالنا یہ سب ایسے انفرادی معاملات ہیں جن کیلئے آپکو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب آپ اپنے بل بوتے پر کر سکتے ہیں۔ مگر جب کئی انسان اکٹھے ہو جائیں تو پھر اجتماعی سطح پر کچھ ایسے مراحل ہیں جو کہ بہت سود مند ثابت ہو سکتے ہیں اور معاشرے میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

جب مکی دور ختم ہوا اور مسلمانوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو وہاں حضورؐ نے مدینے کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس ریاست کے اندرونی و بیرونی دفاع کے لیے کئی معاہدے کیے گئے۔ میثاق مدینہ کے نام سے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا جس میں یہ طے کیا گیا کہ کس طریقے سے مختلف امور انجام دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد ایک مسلم معاشی نظام کی بنیاد رکھی گئی جسکی مثال تاریخ انسانی میں نہ اس سے پہلے ملتی ہے اور نہ اسکے بعد کبھی ملے گی۔ مگر آج ہم نے اسے بھلا دیا ہے۔ اسے دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہجرت کے فوراً بعد جب مدینہ کی ریاست کا آغاز ہوا تو حضورؐ نے خود خطبۂ حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ اب دین تمہارے لیے مکمل کیا جا چکا ہے۔

مواخات یعنی بھائی چارہ وہ نظریہ ہے جسکے بارے میں ہر مسلمان جانتا ہے۔ مسلمان جب ہجرت کر کے یعنی اپنا گھر بار، مال و دولت، آبائی زمینیں، جاگیریں اور جائیدادیں چھوڑ کر مکہ سے مدینہ پہنچے تو حضورؐ نے مدینہ کے ایک انصار اور مکہ کے ایک مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ مواخات کا اصل مفہوم تھا۔ حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا کر نصیحت کی کہ تم انکی اس طرح دیکھ بھال کرو، کفالت کرو اور دھیان رکھو جیسے ایک سگا بھائی دوسرے بھائی کا خیال رکھتا ہے۔ پھر تاریخ نے دیکھا کہ مدینہ والوں نے یہ حق ادا کر دیا۔ لوگوں نے اپنی جاگیریں، جائیدادیں، گھر، جانور حتیٰ کہ اپنے کاروبار بھی تقسیم کر دیئے اور جنکے پاس ایک سے زائد بیویاں تھیں، انہوں نے یہ پیشکش بھی کی وہ ایک بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں تا کہ دوسرا اس سے نکاح کر لے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو ان کے پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے انکی کفالت کا انتظام کر دیا۔ دوسری طرف مہاجرین بھی اتنے غیرت مند تھے کہ انہوں نے صرف اس حد تک اپنے بھائیوں کی مدد قبول کی کہ جس سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔ اور انہیں ایک موقع مل جائے جسکے بعد وہ اپنے کاروبار و تجارت کے ذریعے اپنی روزی و رزق کا معاملہ خود طے کر سکیں۔ مکہ کے مہاجرین کا کردار اور اخلاق اتنا اعلیٰ تھا کہ انہوں نے مدد لینا تو قبول کی لیکن غیرت کا یہ عالم تھا کہ جتنی جلدی ہوسکا، اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے تا کہ انصار پر بوجھ نہ بنیں۔

مواخات کا تصور اسلامی معاشی نظام کی بنیاد ہے۔ اسکی تاکید حضورؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں یوں فرمائی کہ ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہاری جان، تمہارا مال، تمہاری عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔ آج معاشرتی اور معاشی سطح پر مواخات کا تصور دوبارہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اب انسان اتنا مادہ پرست ہوگیا ہے کہ ہر چیز کو دولت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اب اخلاق، کردار، ایمان اور تقویٰ کو معیار نہیں سمجھا جاتا۔ صالح معاشرے کی بنیاد صرف اس صورت میں رکھی جاسکتی ہے کہ جب وہاں مواخات کے اصولوں اور روحانی تعلق کو دوبارہ پیدا کیا جائے اور انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے۔ اسلامی بھائی چارہ ایک ایسا تصور ہے کہ ہر مسلمان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ انفرادی سطح پر اپنے بھائی کے ساتھ تقسیم کرے۔ معاشرتی سطح پر مواخات سے مراد ہے کہ پاکستان میں جتنی بڑی بڑی کمیونٹیز ہیں جیسے کہ ہمارے پاس کاروباری کمیونٹی ہے، مارکیٹ کمیٹیاں ہیں اور ہر مارکیٹ کی اپنی ایک کمیٹی ہوتی ہے۔ اس طرح محلے کی

سطح پر محلّہ کمیٹیاں ہوتی ہیں یعنی بڑے بڑے اداروں میں ایسی یونین و کمیٹیاں ہوتی ہیں یا ایسے ادارے ہوتے ہیں جنکے ذریعے وہ اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے خود کو منظّم کرتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا تصور بھی ہونا چاہیے جس کے ذریعے معاشرے میں مواخات اور بھائی چارے کے فروغ کے لیے لوگ خود کو منظّم کر سکیں۔

اس مقصد کے لیے بہت سے ادارے بنائے جا سکتے ہیں لیکن ان میں مساجد کا بہت بڑا کردار ہوگا۔ جب مسلمان کمیونٹی کی سطح پر اکٹھے ہو کر کسی چیز کو اپنائیں گے یعنی ان تمام اصولوں کو جنہیں ہم انفرادی سطح پر پہلے ہی اپنا چکے ہیں تو اجتماعی سطح پر اس کوشش کے غیر معمولی نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ سب وہ عمل ہیں جن کے لیے ہمیں نہ تو حکومت کی اجازت کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے لیے معاشرے میں کوئی بہت بڑا انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔

ہمارا معاشرہ مختلف گروہوں میں بٹا ہوا ہے چنانچہ یہاں مواخات کا تصور اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ وہ تصور دوبارہ زندہ کرتا ہے کہ ہمارا آپس کا تعلق دین اور انسانیت کے ناطے ہے نہ کہ قومیت، لسانیت اور عصبیت پر۔ لہذا یہ ہماری بنیاد ہے۔ مواخات کو ترک کرنے کی وجہ سے آج مسلم معاشرہ ایک بٹا ہوا معاشرہ ہے۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد قوت ایمانی اور اللہ اور اسکے رسولؐ سے تعلق پر ہے۔ جب یہ تعلق اور تصور کمزور ہوتا ہے تو پھر قومیں قومیت، لسانیت و عصبیت کی بنیاد پر تقسیم ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ تصور ہے جسکی وجہ سے انسان کے آپس کے تفرقات کو ہوا دے کر ان کے درمیان اختلافات اور جنگیں کروائی جاتی ہیں۔ جب ہم مواخات کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد اجتماعی سطح پر بھائی چارے کا فروغ ہے۔ معاشرے کی فلاح و بہبود کیلئے تین بڑے کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ سب سے پہلے بیت المال بنانے کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ بیت المال بینک نہیں ہوتا۔ بیت المال کا مطلب ہے کہ ایک ایسا ادارہ جہاں غریبوں کیلئے آٹا، دال، چاول، گندم وغیرہ رکھی جائے۔ مثال کے طور پر اگر ایک محلے میں کوئی مسجد اور مارکیٹ ہے تو لازماً وہاں ایک مسجد کمیٹی اور ایک مارکیٹ کمیٹی بھی ہوگی۔ محلے کے سب لوگ ملکر ایک اجتماعی بیت المال بنالیں جس میں ہر شخص اپنے گھر سے آٹے کی بوری، گھی کا ڈبہ یا کوئی اور چیز دے دے تا کہ وہ اشیاء اس محلے کے نادار افراد کو مفت دی جا سکیں۔

بیت المال کے بعد دوسرا قدم سوشل سیکورٹی یعنی کفالت ہے۔کمیونٹی کی سطح پر کفالت کا تصور یہ ہے کہ محلے اور مارکیٹ کمیٹی والے اگر ان لوگوں کو اپنے محلے میں رجسٹر کرلیں جو یتیم ، بیوہ، مساکین اور ضرورت مند ہیں یا اپاہج ہیں جنکی آمدنی اتنی نہیں کہ انکا گزارا ہو سکے یا پھر آمدنی بالکل ہے ہی نہیں تو ان لوگوں کی کفالت کی جائے۔

انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اجتماعی طور پر پورے معاشرے یا پورے محلے میں ہر شخص ایسا نہیں ہوتا جو غربت کی لکیر سے نیچے ہو۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ جو تقسیم ملک کی ہے وہی محلے میں بھی ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے محلے ہی مل کر ملک بناتے ہیں۔اپنے آس پاس دیکھیے آپ کو بہت سے ایسے لوگ مل جائینگے جو غریب و مسکین ہیں۔ دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو کروڑ پتی یا ارب پتی ہیں۔ ان امیر لوگوں پر غریبوں کی مدد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

تیسرا تصور کمیونٹی طعام المسکین کا ہے۔ہم جو آئیڈیل کردار بنانا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ پاکستان میں کوئی شخص بھوکا نہ سوئے۔کوئی خاندان، کوئی محلّہ، کوئی مسجد، کوئی مارکیٹ کمیٹی ایسی نہ ہو جہاں کھانے کے وقت غریبوں کے لیے کھانا دستیاب نہ ہو۔ ایک مارکیٹ میں جہاں تین چار سو دکانیں ہوں اور ان میں اربوں روپے کا سامان رکھا ہو، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں کچھ لوگ بھوکے بھی گھوم رہے ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مارکیٹ میں ایک بہت بڑی مسجد ہو جہاں آس پاس امیر ترین لوگ رہتے ہوں اور اسکے آس پاس کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو بھوکے رہ جاتے ہوں۔کمیونٹی کی سطح پر یہ سب کام بہت آسانی سے کیے جاسکتے ہیں اور پاکستان میں ایسے کئی ادارے کام بھی کر رہے ہیں۔

ہم اس پر بھی بات کرینگے کہ حکومت کو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔لیکن آج کل کے حکمرانوں سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ کوئی مثبت قدم اٹھائیں گے۔

ہم اس وقت وہ بات کر رہے ہیں جو کہ کمیونٹی کی سطح پر ممکن ہے یعنی مسجد، محلّہ اور مارکیٹ کمیٹیاں ایسا کرسکتی ہیں۔ایک فیکٹری میں مزدور یونین ایسا کرسکتی ہے۔ یہ بات سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہر محلے کی مسجد میں ایک کمیونٹی سنٹر بھی بنایا جاسکتا ہے۔ ہر مارکیٹ کمیٹی کو ایک کمیونٹی سنٹر بھی بنایا جاسکتا ہے۔ایک ایسا بیت المال ہونا چاہیے جہاں محلے کے غریب و مساکین لوگوں کی کفالت کا انتظام ہو اور کم از کم دو وقت کے

کھانے کا انتظام ہو۔ ہمارے اکثر محلوں میں ایسی جگہیں موجود ہیں جہاں لوگوں نے غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کا باقاعدہ انتظام کر رکھا ہے۔ سب کو پتہ ہے کہ وہ دن میں ایک وقت کا کھانا وہاں کھا سکتے ہیں یا صبح کا ناشتہ کر سکتے ہیں لیکن یہ نظام ایک ادارے کے طور پر نہیں بنا ہوا۔ لاہور میں داتا صاحب کے دربار پر یہ نظام موجود ہے یعنی لاہور کی نصف آبادی وہاں جا کر کھانا کھا سکتی ہے۔ وہاں پچھلے نو سو سالوں سے چوبیس گھنٹے متواتر یہ نظام چلا آ رہا ہے۔ وہ بزرگ خود یہ نظام شروع کر کے گئے تھے جو انکے انتقال کے بعد بھی جاری ہے۔ اس نظام کو پورے ملک کی ہر مسجد اور ہر محلے میں پھیلانے کی ضرورت ہے۔ یہ ہمارے دین کا بنیادی پہلو ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ ایک محلے میں کچھ لوگ کھانا کھا لیتے ہوں اور اسی محلے میں چند لوگ بھوکے رہ جائیں۔

کمیونٹی کی سطح پر یہ بہت انقلابی قدم ہوگا کہ مسلمانوں کی کمیونٹیز بھی اکٹھی ہوں، چاہے وہ صرافہ ایسوسی ایشنز ہوں، ٹریڈرز ایسوسی ایشنز ہوں، برآمدگان ہوں جو ملک میں اپنی ضمانت کے ساتھ سونے اور چاندی کے سکے جاری کریں یعنی ایسے سونے اور چاندی کے سکے جو درہم اور دینار ہوں۔ اسلامی درہم اور دینار کے متعلق شریعت نے جو اصول وضع کیے ہیں اسکے مطابق چار اعشاریہ پچیس گرام فی 22 قیرات سونے کا ایک دینار بنتا ہے اور دس درہم اسکے برابر ہوتے ہیں۔ سات دینار کا یہ ایک سٹینڈرڈ وزن ہے۔ ملائیشیاء میں یہ سکے جاری ہو چکے ہیں اور دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمان کمیونٹیز اپنے اپنے سکے جاری کرنے کیلئے اکٹھی ہو رہی ہیں۔ پاکستان میں بھی اس پر عمل ہونا چاہیے۔ پاکستان میں سونے کا لین دین کرنے والے ارب پتی لوگ موجود ہیں ہم ان سے کہیں گے کہ سونے اور چاندی کے سٹینڈرڈ سکے جاری کریں جو شریعت کے مطابق ہوں اور درہم و دینار کی صورت میں زکوۃ ادا کرنا شروع کریں۔

سونے کے دینار یا درہم نہ ہونے کی صورت میں لوگ سونے کی اینٹیں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سارے عمل کی ضمانت اور اسکی کامیابی کیلئے مسلمان کمیونٹیز کا بہت بڑا کردار ہے۔ مسلمان کمیونٹیز میں وہ لوگ، جو سونے اور چاندی میں لین دین کرتے ہیں، ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسلامی معاشی نظام کو دوبارہ قائم کرنے کیلئے سونے اور چاندی کے سکے جاری کریں جنہیں لوگ گارنٹی کیساتھ استعمال کر سکیں۔ اگر وہ اپنی کمپنی کی سونے کی اینٹ کی تشہیر کر کے اسے بیچ سکتے ہیں تو وہ ایک شرعی دینار و درہم بھی بنا کر

مارکیٹ میں لا سکتے ہیں جسے لوگ استعمال کریں اوراس میں زکوۃ ادا کریں۔ جہاں تک ان کی حفاظت کا تعلق ہےتو موجودہ کاغذی کرنسی بھی تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے۔

پہلے مرحلے میں جب کمیونٹیز سونے کے سکے جاری کرنا شروع کرینگی تو اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ ہمیں گولڈ بیت المال بنانے پڑیں گے۔ مسلم کمیونٹیز ایسے گولڈ ایکسچینجز بنائیں کہ جہاں پر اکاؤنٹس سونے میں کھولے جائیں۔

دوبئ میں ایک ایکسچینج سونے میں لین دین کررہی ہے۔ وہاں پر ایک کمیونٹی ٹریڈنگ سنٹر کھولا گیا ہے جہاں لوگ باقاعدہ گولڈ اکاؤنٹس کھولینگے۔ سونا منتقل ہوگا اور وہ چیک جاری ہونگے جو کہ اصل سونے کے متبادل ہونگے۔ ہم یہ بات بیان کرچکے ہیں کہ کریڈٹ کارڈ اور چیک وغیرہ کا آغاز کیسے اور کہاں سے ہوا۔ چنانچہ اب ہمیں اس سارے نظام کو آہستہ آہستہ پیچھے دھکیلنا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس نقد ایک کروڑ روپیہ ہےتو وہ اسکا سونا خریدلے۔ گولڈ ایکسچینج سروسز کا یہی کام ہے کہ آپ انکے پاس جائیں اورایک کروڑ روپے کا سونا خرید کر اس سے اکاؤنٹ کھول لیں یا پھر آپ ٹھوس سونا بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ سہولتیں امیر تاجروں کو ہی مہیا کرنی پڑینگی کیونکہ یہ کام غریب نہیں کرسکتا۔

موجودہ کفر کے نظام کو توپ یا بندوق سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے ایک سست انقلاب کی ضرورت ہے یعنی اس نظام پر ایک ٹھوس ضرب لگانیکی ضرورت ہے۔ اسے اس طرح سے بائی پاس کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی زکوۃ سونے اور چاندی میں دیں۔ معاشرے کے غریب ترین طبقات میں سونا اور چاندی پھیلائیں۔ پھر کفالت کا نظام قائم کریں۔ محلّہ اور کمیونٹی کی سطح پر محلے اور کمیونٹی کا بیت المال بنائیں۔ محلے اور کمیونٹی کی سطح پر ہی کفالت اور طعام المسکین کا انتظام کریں تاکہ معاشرے میں کمزور ترین طبقوں کو مضبوط کیا جاسکے۔ پھر امیر لوگ سونے اور چاندی کے سکے جاری کریں تاکہ غریب لوگوں کو ان سکوں میں زکوۃ دی جائے اور اسکے بعد آپس میں گولڈ ایکسچینجز بنائیں، تاکہ مسلمان آپس میں سونے اور چاندی میں تجارت کرسکیں۔

کاغذی کرنسی کی قدر میں اتار چڑھاؤ اس قدر زیادہ ہے کہ عملی طور پر کاغذی کرنسی ناقابل اعتبار ہوچکی ہے۔ جب آپ چیزیں خریدتے ہیں اور لین دین ڈالر میں کرسکتے ہیں تو وہی لین دین سونے میں بھی کیا

جاسکتا ہے۔اس لیے سونے کے ایک طے شدہ سٹینڈرڈ نظام کو واپس لانا ہوگا۔ یہ تصور لوگوں کو عجیب لگتا ہے کہ آج کے دور میں یہ سب کیسے ہوگا۔لیکن یقین کیجیے یہ سب اتنا مشکل نہیں ہے۔صرف مسلمانوں کو آپس میں لین دین سونے میں شروع کر دینا چاہیے۔جس طرح دبئ میں مسلمانوں نے گولڈ ایکسچینجز بنانے کی کوشش کی ہے، پاکستان میں بھی اس طرح کے گولڈ ایکسچینجز بنائے جاسکتے ہیں۔امیر لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ گولڈ ایکسچینج بنائیں اور اسکے بعد تجارت کیلئے گولڈ اکاؤنٹس کھولے جائیں۔ملائیشیا کے مہاتیر محمد نے یہ تصور پیش کیا کہ جب قومیں آپس میں تجارت کریں مثلاً پاکستان اگر ملائیشیاء سے ایک کروڑ روپے کی چیز منگواتا ہے اور ملائیشیاء پاکستان سے 80 لاکھ کی اشیاء منگواتا ہے تو بیلنس آف پیمنٹ یعنی جو بیس لاکھ باقی بچتا ہے وہ سونے میں ایکسچینج کیا جائے۔باقی اشیاء ایک دوسرے کے بدلے ایکسچینج کر لی جائیں۔یہ تجویز بہت ہی عمدہ ہے۔یہ وہ تصور ہیں جو کہ انصاف پر مبنی ایک آئیڈیل اسلامک ماڈل ہیں۔

دنیا میں سونا وافر مقدار میں موجود ہے۔اللہ نے جو چیزیں اس زمین پر اتاری ہیں وہ مکمل مقدار میں اتاری ہیں۔سونا ہمارے پاس موجود ہے۔ہم نے صرف ریکوڈک کی ڈیل منسوخ کرنی ہے۔ایک ریسرچ کے مطابق ریکوڈک کے سونے کے ذخائر جو پہلے 65 ارب ڈالر کے لگ بھگ بتائے جاتے تھے۔وہ غلط ثابت ہوئے ہیں اور اب وہاں 240 ارب ڈالر کے سونے کے ذخائر بتائے جاتے ہیں اور یہ ہمارے بلوچستان میں ہیں۔ہمیں اللہ کے فضل سے کسی سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔سات فٹ مٹی ہٹائیے تو نیچے سونا پڑا ہوا ہے۔یہ ڈیل 2009ء میں منسوخ ہونی تھی یعنی اس کی لیز ختم ہو رہی تھی لیکن موجودہ حکومت نے اسے مزید توسیع دے دی ہے۔آئندہ حکومت پر واجب ہے کہ اس معاہدے کو فوراً ختم کرے کیونکہ یہ ہمارا سونا ہے جو کوڑیوں کے مول بیچا جا رہا ہے۔مسلمانوں کے پاس سونے کی کمی نہیں ہے، نہ دولت کی کمی ہے اور نہ ہی زمین کے خزانوں میں کوئی کمی ہے۔ہم کچھ کرنے والے تو بنیں پھر دیکھیں زمین اپنے خزانے کیسے کھولتی ہے۔سندھ میں اربوں ڈالر کا کوئلہ موجود ہے۔اگر صرف ان کانوں کو استعمال میں لایا جائے تو ہمارے پاس اللہ کے فضل سے اتنے وسائل ہونگے کہ ہم اپنی ہر ضرورت پوری کر سکیں گے۔

ہم کسی ایسے نظام کی بات نہیں کررہے جس کے لیے کسی بہت بڑے سیٹ اپ کی ضرورت ہو۔ آخر محلے کی مسجد کا نظام بھی تو چل رہا ہے۔ جب لوگ مسجد میں چندہ دے دیتے ہیں تو اسکا کوئی آڈٹ یا حساب کتاب نہیں ہوتا۔ ایک مسجد میں کم از کم دو وقت کا کھانا کھلاؤ۔ اس کیلئے کسی بڑے سیٹ اپ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا مسجد کمیٹی دو وقت کے کھانے کے انتظامات خود نہیں کرسکتی۔ مسجد کمیٹیوں کے ذریعے کھانے کا انتظام کردینا چاہیے اور اگر کوئی خیانت کرتا ہے تو کرنے دیں۔ خیانت کے ساتھ ساتھ کچھ مسکینوں کو کھانا بھی تو کھلائے گا۔ بنیاد تو دین اور ایمان یا دیانت وصداقت ہے، اگر یہی نہ ہو تو پھر تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ لیکن بے ایمانی کے خوف سے آپ نیکی سے رک نہیں سکتے۔ ماضی میں ہر مسلمان معاشرے میں کفالت کا نظام ملکی سطح پر ہوتا تھا۔ آج ہمارے معاشرے بلکہ دنیا کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کو غذائی اجناس کی کمی کا سامنا ہے۔ سوشل سیکورٹی نہیں ہے۔ لوگ بیمار ہوتے ہیں تو انکے پاس علاج کروانے کیلئے پیسے نہیں ہوتے۔ آمدنی صرف اتنی ہوتی ہے کہ مہینہ بمشکل گزرتا ہے۔ کوئی حادثہ ہوجائے، کوئی ایمرجنسی ہوجائے یا کوئی مشکل آن پڑے تو ان کے پاس کوئی آسرا تک موجود نہیں ہوتا۔ انہیں فاقہ کرنا پڑتا ہے یا پھر اپنی ضرورت ترک کرنی پڑتی ہے۔

مواخات کے نظام کا مقصد ہی سوشل سیکورٹی ہے یعنی جامع سیکورٹی کا وہ نظام جس میں آپ کو یہ یقین ہوتا ہے کہ میرا بھائی خواہ میں اسکا نام بھی نہ جانتا ہوں صرف دین کے ناطے میری مدد کرے گا۔ ہمسائے کے بارے میں تو اتنا کہہ دیا گیا ہے کہ اسے وراثت میں سے بھی حصہ دیا جائے۔ اس صورتحال میں اگر یہ بنیادی اخلاقی ضابطے لاگو ہونا شروع ہوجائیں تو پھر کسی انشورنس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ کسی انسان کو یہ فکر نہیں ہوگی کہ اگر وہ بیمار ہوا یا کسی مصیبت یا حادثے کی صورت میں اسکے ساتھی، اسکے آس پاس کے لوگ اسکی مدد کیلئے نہیں آئینگے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کیساتھ بہت زیادہ تعاون کرتے ہیں۔ لیکن ایک ادارہ یا نظام نہیں بنایا گیا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے اپنے محلوں میں مقامی بیت المال قائم کریں۔ ہم خود ایک ایسے تاجر کو جانتے ہیں جو راولپنڈی میں ہوٹل کا مالک ہے۔ لوگ اسکے پاس آکر پیسے جمع کروا کے چلے جاتے ہیں۔ وہ ہوٹل والا اس حساب سے غریبوں کو کھانا کھلا دیتا ہے۔ اسکی دوکان کے باہر صبح وشام سینکڑوں غریب، مسکین و بیواؤں کا رش رہتا ہے۔ صرف دو

وقت کی روٹی کھانے کیلئے ۔پنڈی صدر میں سینکڑوں لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ یہ اسکی ایک انفرادی کوشش ہے۔اللہ اسے جزائے خیر دے۔

ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ہر محلے میں یہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ ہر کمیونٹی میں یہ کیوں نہیں ہوسکتا؟ ایک مارکیٹ کمیٹی جنکی کروڑوں روپے مالیت کی دکانیں ہیں، ایسا کیوں نہیں کرتی کہ جب کھانے کا وقت ہو تو مارکیٹ کمیٹی ملکر اس کا بندوبست کرے۔دوسری جانب تاجر اپنے مطالبات منوانے کیلئے ملکر احتجاج تو کرتے ہیں، سڑکوں پر نکلتے ہیں۔ پتھراؤ اور ہنگامے بھی کرتے ہیں، لیکن سب ملکر مسکینوں کو کھانا کیوں نہیں کھلا سکتے؟ کم از کم سو ڈیڑھ سو مسکینوں کو ہر مارکیٹ کمیٹی کھانا کھلا سکتی ہے۔اس وقت ملک میں اتنے زیادہ غریب افراد نہیں کہ ہم سوچنے لگیں کہ ہم اتنے زیادہ افراد کو کھانا کیسے کھلائیں گے یا پھر یہ کہ جو مستحق نہیں ہیں وہ بھی کھالینگے۔انہیں بھی کھانے دیں، کیا فرق پڑتا ہے۔بس آپ یہ نظام شروع کیجیے۔ یہ نظام اتنا اہم ہوگا کہ آئندہ پاکستان میں انشاءاللہ کوئی خاندان بھوک کی وجہ سے خودکشی نہیں کریگا۔کوئی شخص اس وجہ سے اپنا گھر بار نہیں چھوڑیگا کہ وہ اپنے بچوں کی کفالت نہیں کرسکتا، یا پھر بیماری میں اپنے بچوں کا علاج نہیں کرواسکتا۔ یہاں پر ایسے ایسے پاکستانی بھی ہیں کہ جو پورے شہر کی کفالت کرسکتے ہیں اور ایک دفعہ یہ نظام چل پڑا تو پھر خود بخود آگے بڑھتا چلا جائے گا۔عبدالستار ایدھی صاحب نے بھوکوں کو کھانا کھلانے کے لیے ایک مہم شروع کی لیکن ہر کام ایدھی صاحب پر نہ چھوڑیں، کچھ خود بھی کریں۔

عالمی معاشی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کیلئے یہ دوسرا حل ہوگا۔ بظاہر یہ اقدامات چھوٹے نظر آتے ہیں لیکن یہ بہت بڑی تبدیلی لاسکتے ہیں۔موجودہ دور میں دولت کی تقسیم غیر مساوی ہے۔ہمیں سب سے پہلے لوگوں کی سوشل سیکورٹی یقینی بنانے کیلئے اقدامات کرنے ہیں۔ یہ سب کمیونٹی کی سطح پر بخوبی کیا جاسکتا ہے۔اور کافی جگہوں پر چھوٹی چھوٹی سطح پر ایسا ہو بھی رہا ہے لیکن اسے قومی سطح پر پھیلانے کی ضرورت ہے۔

ایک بات ذہن نشین کیجیے کہ کفر کے اس نظام سے یکدم ٹکرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ہم اپنے مسائل کا حل نکال کر آہستہ آہستہ اس فرسودہ نظام کو خیر آباد کہہ سکتے ہیں۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے کہ جس طرح واپڈا کی بجلی بند ہوجائے تو ہم اپنا جنریٹر لگالیتے ہیں یعنی سسٹم وہی رہتا ہے لیکن ہم واپڈا کی بجلی کو بائی پاس کردیتے ہیں۔ہمیں اس کفرانہ نظام کو رد کرنا ہے کیونکہ مغرب ہمیں بھوکا مارنا چاہتا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ

ہمارے ملک میں سوشل سیکورٹی کا نظام باقی نہ بچے۔مسلمان معاشروں میں جھگڑے ہوں اور انتشار پھیلے۔ ہم نے بلا تفریق ہر انسان کی کفالت کرنی ہے۔اپنی مساجد کو کمیونٹی سینٹرز کے طور پر استعمال کرنا ہے جہاں مسکینوں کو کھانا بھی کھلایا جائے، رجسٹریشن بھی ہو اور قرض حسنہ کا انتظام بھی ہو۔

قرض حسنہ بیت المال کا ایک بہت بڑا اور اہم جزو ہے۔اس سے مراد ہے کہ وہ غریب مسکین لوگ جنہیں قرض کی ضرورت ہو۔ان کو بینک سے یا کسی اور ذریعے سے بھاری سود پر قرضے لینے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ معاشرہ انکو قرض حسنہ دے اور دوسری طرف قرض حسنہ لینے والے بھی اتنے غیرت مند ہوں کہ جب انکی ضرورت پوری ہوجائے تو وہ قرض واپس لوٹا دیں کیونکہ ہم نے لوگوں کو بھکاری نہیں بنانا بلکہ انہیں انکے پیروں پر کھڑا کرنا ہے یعنی اس قرض سے انکے کاروبار شروع کروانے ہیں۔اس قرض سے ہم انہیں تعلیم بھی دلوا سکتے ہیں۔کمیونٹی اور، محلے کی سطح پر ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہے۔شروع میں غلطیاں اور کوتاہیاں اور خیانتیں بھی ہونگیں، کچھ لوگ غلط کام بھی کرینگے لیکن ہمیں یہ کام کرنا ہے اور اس نظام کو منظم بھی بنانا ہے۔

جسکے پاس جو موجود ہے وہ اپنا حصہ ڈالے چاہے وہ اپنے ہنر کے ذریعے ہی اس نیک کام میں حصہ لے۔بھوکے کو کھانا کھلانے سے لیکر گولڈ ایکسچینج بنانے تک ہر چیز ضروری ہے۔سونے اور چاندی کے سکے جاری کر کے تمام کمپنیاں آپس میں تجارت کرتی ہیں تو ایک بینک کے ذریعے کیش ٹرانسفر کرنے کی بجائے اس مسلم گولڈ ایکسچینج کے ذریعے بھی تجارت کی جاسکتی ہے۔یہ کمیونٹی کی سطح پر بھی قابل عمل ہے۔حکومتوں سے تصادم کیے بغیر کسی بینکنگ سسٹم سے جنگ کیے بغیر اور حکومتوں سے کسی قسم کا رابطہ کیے بغیر صدقات و خیرات کے بڑے بڑے نظام چل رہے ہیں۔یہاں بہت سی آرگنائزیشنز اور ادارے ہیں۔کوئی تعلیم کیلئے کام کررہا ہے کوئی بیماریوں کے علاج کیلئے کام کررہا ہے، کوئی کھانا کھلا رہا ہے، کوئی سوشل ویلفیئر کیلئے کام کررہا ہے۔صرف ان ساری چیزوں کو آرگنائز کر کے ایک ایسی کمیونٹی بنانا باقی ہے جو اس صیہونی معاشی نظام کے مقابلے میں اسلامی معاشی نظام پیش کرے۔یہ سب ممکن ہے۔ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسی لاکھوں مثالیں موجود ہیں۔ہم نے ایسے کئی معاشرے تشکیل دیئے ہیں۔حقیقت یہی ہے کہ اس وقت ہم حکومتوں کو اس معاملے میں بالکل نظر انداز کردیں اور اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کریں۔پھر آپ دیکھیئے گا کہ واقعی برکت آنا شروع ہوگی اور اس معاشرے میں کوئی بھوکا نہیں سوئے گا۔ انگریزی میں کہتے

ہیں کہ

"There is enough for everybody's need but there is not enough for everybody's greed"

یعنی انسان کی ضرورتیں پوری کرنے کیلیئے بہت کچھ ہے جبکہ لالچ کیلیئے بہت کچھ بھی کم ہوتا ہے۔بس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ضرورتوں کوتھوڑا سا کم کرلیں۔

ہمارے معاشرے میں ایک بہت بڑی لعنت بھیک مانگنے کی ہے۔کفالت کا باقاعدہ نظام وضع ہونے سے ہمیں اس لعنت سے چھٹکارامل جائیگا کیونکہ کچھ لوگ حقیقی طور پرضرورت مند ہیں اور کچھ جرائم پیشہ۔ دونوں صورتوں میں انکے پاس بھیک مانگنے کا جواز ہی ختم ہوجائیگا۔اگرسب کومعلوم ہے کہ محلے میں کفالت کا نظام موجود ہےاوراسکے باوجودکوئی بھیک مانگے گا تو وہ ایک پیشہ ور بھکاری ہوگا اوراسے پھرکہیں نہ کہیں کھپایا جاسکتا ہے۔آپ صرف اس وجہ سے صدقہ دینا بندنہیں کرسکتے کہ معاشرے میں پیشہ ور بھکاری ہیں۔صدقہ وخیرات جاری رکھنا چاہیے۔آپ کمیونٹی کی سطح پراپنے معاشرے کےاس کمزور طبقے کی ذمہ داری سنبھالنا شروع کیجیے۔کتنی خوشی کی بات ہوکہ کل ہمیں پتہ چلے کہ کسی مارکیٹ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج کھانے کے وقت ہم بھی روزانہ دس دیگیں منگوا کر دوپہر کے وقت تقسیم کردیا کرینگے، جو بھی آئے کھالے۔ایسا کیوں نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی محلّہ کمیٹی کہے کہ آج فجر کے بعد یا مغرب کے بعد مسجد میں کھانا ملا کریگا۔چاہے سادہ سا کھانا یعنی دال روٹی ہی ہولیکن ہوضرور۔کیوں محلے والے اس چیز کا انتظام نہیں کرسکتے؟ ایسا کرنا کوئی ناممکن نہیں ہے۔کوئی فرقے کی بات نہ کرے کسی مسلک کی بات نہ کرے ،لسانیت،قومیت اورعصبیت کی بات نہ کرے۔جوغریب،مسکین یا یتیم آتا ہےتوانکی کفالت کریں۔بہت سے مسلمان بینکوں میں پیسہ صرف اس لیے رکھتے ہیں کہ انہیں وہ پیسہ کہیں لگانے کا موقع نہیں ملتا۔وہ مجبور ہوتے ہیں۔یہی کمیونٹیز جب گولڈ ایکسچینجز بنائیں گی توان تمام مسلمانوں کوایسے مواقع میسر آئینگے جنکے ذریعے تجارت میں شراکت کی جاسکتی ہو۔وہ مسلمان جنکے پاس سرمایہ ہےلیکن وہ سودنہیں کھانا چاہتے،وہ ان مواقعوں سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔اگرایسی کمیونٹیز وجود میں آجائیں تو ایک انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔اسوقت سرمایہ کاری سٹاک ایکسچینج اور جائیداد میں ہے یا پھر پیسہ بینک میں رکھ کرسود کھایا جاتا

ہے۔اس لیے کہ اس کے علاوہ لوگوں کے پاس اور کوئی راستہ موجود نہیں۔

انشاءاللہ آپ دیکھیں گے کہ ہمارے معاشرے میں اس حکمت عملی سے ایک انقلابی تبدیلی آنا شروع ہوجائیگی لہذا حکومتوں کا انتظار مت کریں۔اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے خود ابتداء کریں۔ برکت اللہ تعالیٰ دیگا۔

حکومتی سطح پر کیے جانے والے اقدامات

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مکمل اور جامع تبدیلی کیلئے حکومت وقت کا کردار بہت اہم ہے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ کسی بھی قانون کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ اگر ہمیں حکومت وقت کو یہ بتانا پڑے کہ قوم کی فلاح و بہبود اسکی ذمہ داری ہے تو اسکا مطلب ہے کہ وہ حکومت اس منصب پر رہنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اگر حکومت نا اہل لوگوں پر مشتمل ہو تو ہم خواہ پالیسیاں اور ان پر عمل درآمد کا طریقہ کار بتا دیں، وہ اس پر عمل نہیں کریں گے۔ ایک مخلص حاکم کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اسے رعایا کی فلاح اور ملکی دفاع کیلئے کیا کرنا ہے۔ ہم انہی امور پر بات کرینگے اور حکومت کو تجاویز دینگے۔ جو بھی حکومت ان پر عمل کریگی وہ پاکستان کی ترقی کی ضامن ہوگی اور جو حکومت ان پر عمل نہیں کرے گی، وہ خائن ہوگی۔

سب سے پہلے ہم پاکستان کے آئین کے حوالے سے بات کریں گے۔ ہم آئین کی بات پہلے اس لیے کر رہے ہیں کیونکہ اس کے بارے میں مختلف حکمران اور سیاسی جماعتیں آجکل شدید بحث اور دلائل دینے میں مصروف ہیں کہ ملک کا آئین بحال ہونا چاہیے۔ آئین کی تشریح پر بحث ہو رہی ہے۔ آئین میں مختلف ترامیم کی گئی ہیں مثلاً آٹھویں، دسویں اور بارھویں ترمیم۔ اس پر سیاسی جماعتوں اور حکومت میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ سب آئین کے اس حصے کی بات کر رہے ہیں کہ جس پر اختلاف یا بحث کی جا سکتی ہے۔ پاکستان کے آئین کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس پر آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا اور 1973ء سے آج تک اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی گئی اور وہ آئین کا ایک ایسا پہلو ہے جو ہم تمام حکمرانوں اور قومی اسمبلی کے ممبران کو یاد کرانا چاہیں گے۔

اس ملک کی باگ ڈور چلانے کیلئے جو احکامات انہوں نے نافذ کرنے ہیں ان کی بنیاد پاکستان کے آئین کے دیباچہ میں ہے۔ جس کے مطابق تمام تر حاکمیت اللہ کی ہے اور انسان صرف اس مقدس امانت کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ آئین کے دیباچے میں یہ بھی درج ہے کہ پاکستان میں ایک ایسا

نظام قائم کیا جائے گا جو مسلمانوں کو اجازت دے گا کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ حکومت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ کسی مسلمان کو قرآن وسنت کے خلاف زندگی گزارنے پر مجبور نہ کیا جاسکے۔ آئین میں اس بات کا وعدہ کیا گیا ہے کہ ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنایا جائے گا اور عدل، مساوات، سماجی اور معاشی انصاف اور خوراک کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔ قومی اسمبلی کے تمام ممبران اور وزراء دورانِ حلف قسم کھاتے ہیں کہ وہ اس مقدس مقصد اور امانت کو پورا کریں گے۔ اس حلف کے بعد وہ قومی اسمبلی کے ممبر بنتے ہیں۔ یہ آئین کا وہ حصہ ہے جس پر کوئی بحث ہے، نہ کوئی دلیل۔ کسی بھی سیاسی جماعت نے آئین کے اس حصے میں کبھی ترمیم نہیں کی۔ یہ پاکستان کے آئین کا دیباچہ ہے۔ اسکے بعد قوانین شروع ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہوگا وہ قرآن وسنت کی روشنی میں اور شریعت کے مطابق ہوگا اور اس ملک میں کوئی بھی ایسا عمل یا کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو شریعت اور قرآن وسنت سے متصادم ہو۔ اس ملک میں کوئی بھی ایسا نظام نہیں چلے گا جسکی بنیاد استحصال، ظلم، رباء اور فتنے پر ہو۔ آج ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کیونکہ رباء کا نظام براہ راست، اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے نظام سے متصادم ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایفائے عہد کے بارے میں سوال کرے گا۔ اس دنیا میں جب آپ قسم کھاتے ہیں کہ ہم اس ملک کو قرآن وسنت کے مطابق چلائیں گے اور پھر آپ سود اور رباء پر مبنی صیہونیوں کے نظام کو اس ملک میں نافذ کریں تو دنیاوی قانون کے مطابق بھی ان حکمرانوں پر غداری کے مقدمے چلیں گے۔ ہم ان افراد پر غداری کے مقدمے چلانے کیلئے تو تیار ہیں کہ جنہوں نے آئین میں تبدیلی کی ہے لیکن یہ مقدمات ان پر کیوں نہ چلائے جائیں جو اس ملک کے آئین کے مطابق حلف لینے کے باوجود بھی خیانت کرتے ہیں۔ ہماری حکومت، ممبران قومی اسمبلی اور ہمارے حکمرانوں پر اس طرح کے مقدمات چلنے چاہئیں۔

قائداعظم ہمارے سیاسی رہنما تھے۔ جہاں تک سیاست کی بات ہے تو انکے فرمودات پر عمل کیا جائے اور جہاں قرآن وسنت کا معاملہ آئے اللہ اور رسولؐ کے حوالے ہمارے لیے کافی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو قائداعظم کی کچھ باتوں سے اختلاف ہو کیونکہ وہ عام انسان تھے۔ انہوں نے کبھی قرآن وسنت کے ماہر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ پاکستان بنتے ہی قائداعظم نے حکومت سازی، قانون سازی، عدل و

انصاف اور ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے پر زور دیا۔ ان تمام چیزوں کا ذکر آئین میں بھی کیا گیا ہے۔ اس میں واضح طور پر درج ہے کہ ہم پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنائیں گے۔ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ امن عامہ کا قیام یقینی بنائے۔

سورۃ قریش میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو وہ نعمتیں یاد کروائیں جو اللہ نے ان کو عطا کی تھیں۔ ان سب نعمتوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ اللہ نے دو باتوں پر زور دیا ہے کہ ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا یعنی اللہ نے ان کو خوراک کی فراوانی عطا کی اور امن عامہ کی صورتحال کو بہتر بنایا۔ اگر موجودہ دور کی بات کریں تو یہ کسی بھی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ بھوک میں لوگوں کو کھانا کھلائے اور ملک میں امن وامان قائم کرے۔ اللہ کے فضل سے حکومت کے پاس وسائل، اختیار اور طاقت سب کچھ ہے۔ لہذا اسے یہ ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ قائداعظم نے اپنی پہلی تقریر میں پہلا نقطہ ہی یہ بیان کیا ہے کہ امن عامہ حکومت وقت کی اولین ذمہ داری ہے۔ کیونکہ جس ملک میں فتنے، فساد اور ہنگامے برپا ہوں، وہاں نہ تو کوئی نظام قائم ہوسکتا ہے اور نہ ہی عدل قائم ہوسکتا ہے۔ اس وقت ملک میں مسائل کی جڑ رشوت اور کرپشن (بداخلاقی) ہے۔ ہمارا سب سے بڑا بحران، اخلاقی بدحالی ہے۔ ملک میں ایسی ایماندار قیادت نہیں ہے جس کو حکومت دی جاسکے یا مسلمانوں کے بیت المال کی ذمہ داری دی جائے تو وہ خیانت نہ کرے بلکہ ایسے اشخاص ملتے ہیں جو کرپشن کے ذریعے سب کچھ ہڑپ کر جاتے ہیں۔

اس ضمن میں قائداعظم کے پہلے چار نکات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ قائداعظم نے کالے دھندے اور ذخیرہ اندوزی سے بچنے کی بات کی ہے۔ آج ملک میں خوراک کی کمی ہے کیونکہ ذخیرہ اندوزی کیساتھ ساتھ سمگلنگ بھی عروج پر ہے۔ جسکی وجہ سے مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ چوتھا مسئلہ اقربا پروری کا ہے۔ جب میرٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے رشتہ داروں، قبیلے والوں، اپنے گاؤں والوں، وفاداروں اور جیالوں کو نوکریاں دی جائیں اور انکو ایسے عہدوں پر فائز کر دیا جائے جن کے وہ اہل نہ ہوں تو عوام میں مایوسی جنم لیتی ہے۔ حضورؐ نے بدترین حکمرانوں کی یہ خصوصیات بتائی ہیں کہ وہ بیت المال کے پیسے کو اپنے ذاتی مال کی طرح خرچ کرتے ہیں، اقربا پروری اور سفارش کرتے ہیں اور فلاح عامہ کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے۔

لہذا جب تک یہ چار فسادات اپنی جگہ پر باقی ہیں، یہ تجاویز کام نہیں کریں گی۔

امن و امان کے حوالے سے قرآن پاک نے ایک بنیادی شرط بیان کی ہے کہ قصاص میں زندگی ہے۔قصاص کا مطلب ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔اگر کوئی شخص ظلم کرتا ہے تو انصاف کے تقاضوں کے مطابق اسکو اسکی سزا ضرور ملنی چاہیے۔موجودہ حکومت نے سزائے موت کا قانون ختم کرنے کا اعلان کیا ہے جو کہ قرآن وسنت سے متصادم ہے۔ان لوگوں نے آئین پر عہد لیا تھا کہ یہ اللہ اور اسکے رسولؐ کے قانون کی حفاظت کریں گے۔لیکن یہ اپنے عہد پر عمل نہیں کر رہے۔

اس وقت ملک میں دہشت گردی کی مہم جاری ہے جسکی وجہ سے ملک کا وجود خطرے میں ہے۔ ہزاروں بے گناہ لوگوں کے گھر اجڑ چکے ہیں۔ پورا معاشرہ دہشت گردی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہا ہے۔اس مہم میں کچھ دشمن عناصر کے علاوہ ہمارے اپنے چند لوگ بھی ملوث ہیں۔ پی سی او ججز ہوں یا غیر پی سی او ججز اب تک کوئی بھی جج اس ملک میں عدل کا نظام لے کر نہیں آیا۔سب سے بڑا فتنہ ہی عدل وانصاف کا بحران ہے۔

شماریات اور حقائق یہ کہتے ہیں کہ سب سے بداخلاق اور کرپٹ ادارے عدلیہ اور پولیس ہیں۔عدالتی نظام میں مشہور ہے کہ پانچ لاکھ کا وکیل کرنے کی بجائے دو لاکھ کا جج کرلو۔لہذا اس ملک کی عدلیہ اور پولیس کا حال دیکھ ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعون'' ہی کہا جاسکتا ہے۔اس کی وجہ وسائل کی کمی نہیں بلکہ اخلاقی بدحالی ہے۔تاہم اب بھی بہت سے جج ایسے ہیں جو سخت حالات کے باوجود بھی حلال کھاتے ہیں۔ چاہے وہ سول عدالتوں کے جج ہوں یا اعلیٰ عدالتوں کے۔اس وقت وکلاء نام نہاد قانون کی حفاظت کے لیے سڑکوں پر جلوس نکال رہے ہیں۔یہی وکیل قاتلوں، ڈاکوؤں، بدکاروں اور ظالموں کے مقدمات لڑتے ہیں اور پیسے کمانے کی خاطر ان کو بری کروا دیتے ہیں تا کہ وہ اپنا ظلم جاری رکھیں۔

ہمیں پچھلے 60 سال سے قائم اس انگریزی نظام کو تبدیل کرنا ہے۔امن وامان حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ اگر آپ لوگوں کو انصاف نہیں دے سکتے، تو پھر آپ کوئی معاملہ طے نہیں کر سکتے اور نہ ہی معاشرے کو سدھار سکتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ رشوت اور کرپشن کا ہے۔کبھی چین میں بھی یہی مسئلہ تھا لیکن انہوں نے ان تمام مسائل پر بہترین طریقے سے قابو پایا۔چین میں رشوت اور کرپشن جیسے جرائم پر سزائے موت دیتے تھے۔یہی جرائم

اب پاکستان کیلئے ناسور بن گئے ہیں اور ملک کو کھا رہے ہیں۔اس وقت ہمارے پاس دستیاب وسائل میں سے تقریباً 80 فیصد کرپشن کی نظر ہو جاتے ہیں۔صرف 15 سے 20 فیصد ترقیاتی کاموں کے لیے رہ جاتے ہیں۔گزشتہ دنوں ایک نہر بنانے کی بات کی گئی۔اسکا تخمینہ 120 ارب روپے لگایا گیا لیکن تعطل کی وجہ سے جب اس نہر کا دوبارہ تخمینہ لگایا گیا تو آخر کار وہی نہر 21 ارب روپے میں بنائی گئی۔ یہ لوگ ایک ایک منصوبے میں اربوں روپے ہڑپ کرتے ہیں۔بدحالی کی اصل وجہ یہی مسئلہ ہے۔ قائداعظم نے 1947ء میں اپنے خطاب میں بھی اسی مسئلے کا ذکر کیا تھا۔

جب ملک میں کرپشن ہو تو کالا دھندہ بھی زور پکڑتا ہے۔جب مسلمانوں کی اجتماعی فلاح کی ذمہ داری نااہل حکمرانوں کو دے دی جائے تو پھر یہی ہوتا ہے کہ حکمران، ایم این اے اور ایم پی ایز کے بیٹے زکوۃ فنڈ سے اپنے لیے گاڑیاں خریدتے ہیں اور اپنے ذاتی اخراجات پورے کرتے ہیں۔اگر حکومت ان بنیادی عناصر مثلاً امانت وخیانت، فلاح عامہ اور میرٹ کو رشوت وکرپشن اور اقرباء پروری پر ترجیح دے گی تو اسکے بعد کے مراحل آسان ہو جائیں گے۔ہمیں مخلص قیادت کی ضرورت ہے۔ہمارا مسئلہ اصول،قوانین اور تعلیم کا نہیں بلکہ مخلص قیادت کا ہے۔پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں ہمیشہ خائن حکمران آتے رہے ہیں جو خائن نہیں تھے۔انکا مسئلہ یہ تھا کہ وہ کام کرنا ہی نہ جانتے تھے۔جو نااہل تھے، وہ جاہل بھی تھے۔وہ نہ کچھ سیکھنا چاہتے تھے اور نہ ہی مشورہ سنتے تھے۔حالانکہ نااہل لوگ بھی اچھا مشورہ سن لیں تو کوئی اچھا کام کر سکتے ہیں۔ان حکمرانوں کے مشیر بھی اکثر نااہل ہی ہوتے ہیں۔کوئی امریکہ یا سی آئی اے کا ایجنٹ ہوتا ہے تو کوئی بھارت کا۔ان مشیروں کے سامنے دنیا کا بہترین اور صالح حکمران بھی آجائے تو یہ لوگ اسے ناکام حکمران بنا دیں گے۔لہذا ہمیں اصولوں پر سختی سے کاربند ہونا پڑے گا اور قصاص کا قانون واپس لانا ہوگا تاکہ لوگوں کو انصاف ملے۔انصاف دینے کی ذمہ داری عدالتوں، ججوں، وکلا اور حکومتِ وقت کی ہے۔اگر وہ انصاف نہیں دے سکتے تو ان کو تبدیل ہو جانا چاہیے۔یہ لوگ حلف لیتے ہیں کہ پاکستانی ریاست کے قانون اور اللہ اور اسکے رسولؐ کے قانون کی پاسداری کرینگے لیکن فی الوقت یہ نہیں کر رہے۔

اسلامی اقتصادی نظام کی بات کی جائے تو اس میں رباء جائز نہیں ہے کیونکہ رباء ایک ایسا عمل ہے جسکے خلاف اللہ اور رسولؐ نے اعلانِ جنگ کیا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالت اور وفاقی شرعی عدالت نے

حکومتِ وقت کو احکامات جاری کرر کھے ہیں کہ ربا ء کے نظام کو ختم کرے۔ سپریم کورٹ نے باضابطہ طور پر اس بارے میں فیصلہ دے رکھا ہے لیکن کسی کو معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ نظام کیسے تبدیل کرنا ہے۔ یہ لوگ اس نظام کو تبدیل کرنا بھی نہیں چاہتے۔ اسلامی اقتصادی نظام میں ربا ء کا نظام نہیں بلکہ معاشی عدل وانصاف، فوڈ سیکورٹی اور مساوات ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ پاکستان کا تمام تر معاشی نظام رباء پر قائم ہے۔ سٹیٹ بینک ہو یا پرائیویٹ بینک، سب کی کرنسی کی پشت پر سونا نہیں ہے۔ ساری جعلی کاغذی کرنسی ہے۔ فیڈرل ریزرو بینکنگ کی وجہ سے افراط زر میں اضافہ ہوتا ہے۔

آجکل پورے معاشرے میں دولت کی تقسیم ہی کچھ اس طرح کی ہے کہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ لوگوں کو صدقات وخیرات کا فائدہ نہیں ہو رہا۔ سرکاری سطح پر کوئی بیت المال نہیں ہے۔ اور جو ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ خیانت کا یہ عالم ہے کہ حکمرانوں کے صاحبزادے بیت المال سے پیسہ نکال کر، پی سی اور میریٹ میں کھانا کھانے جاتے ہیں۔ اس طرح سے بیت المال کے پیسے کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ ایک ایم این اے پانچ سال میں تقریباً سولہ کروڑ روپے اپنی ذات پر خرچ کر دیتا ہے۔ ممبران قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی مراعات، تنخواہیں، گاڑیاں، فون، ایئر ٹکٹس، بچوں کا علاج جیسی سب خرافات عوام کے پیسوں سے پوری ہو رہی ہیں۔ عوام کے تقریباً 19 ارب روپے خرچ ہوتے ہیں جسکے نتیجے میں یہ اسمبلی وجود میں آتی ہے۔ اس اسمبلی کی ذمہ داری قومی سلامتی اور معیشت سے متعلق پالیسیاں بنانا ہے مگر وہ ان پر بات کرنے کی بھی اہل نہیں ہے۔ اس کی حیثیت ربڑ سٹیمپ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہمارے حکمران ان کے ہاتھوں بک جاتے ہیں جو ان کی زیادہ بہتر قیمت لگا سکے، چاہے وہ غیر ملکی طاقت ہو یا ملکی۔ موجودہ حکومت کا بھی یہی حال ہے۔

اب ہمیں سوچنا یہ ہے کہ اسی نظام کو ٹھیک کیا جائے یا پھر اس کا متبادل ڈھونڈا جائے۔ جب ایک گاڑی پرانی ہو جاتی ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ آپ سوچتے ہیں کہ اس پر مزید پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے یعنی اسے تبدیل کر دینا چاہیے۔ اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ نظام ٹھیک نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے اور ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جس کا عہد ہمارے حکمرانوں نے آئین پر لیا تھا۔ بدقسمتی سے ہمارے حکمران میں سے کسی نے آئین پڑھا ہی نہیں ہوتا لہذا انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ

وہ عہد کیا تھا۔ اب تک انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ لہٰذا موجودہ نظام میں پیوند کاری نہیں بلکہ بنیادی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی تبدیلی جس سے معاشرہ بھی زیادہ متاثر نہ ہو کیونکہ معاشرہ ابھی یکدم تبدیلی کیلئے تیار نہیں ہے۔ ہمیں آہستہ آہستہ تبدیلی لانی ہے۔ لیکن کچھ ایسے بنیادی اقدامات ہیں جو قومی سلامتی کیلئے ضروری ہیں۔ اگر وہ اقدامات نہ اٹھائے گئے تو ملک کی معیشت، دفاع اور معاشرتی نظام تباہ و برباد ہو جائے گا۔

آجکل عوام میں مایوسی پھیلائی جا رہی ہے۔ ہمیں بھوکا پیاسا مارنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ دشمن ہمارے ملک پر حملہ کر کے ملک توڑنے کی بات کر رہا ہے۔ جب خطرات اس حد تک ہوں اور حکمرانوں کا حال بھی بدتر ہو تو ایسی صورت میں اس بات کی امید نہیں رکھنی چاہیے کہ یہ حکمران کوئی بہتر یا خیر کا کام کریں گے۔ لیکن انشاءاللہ بہتری ہوگی۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو ختم کرنے کے لیے نہیں بنایا۔

اس وقت پاکستان کی مثال ایک ایسے گھرانے کی سی ہے جس میں باپ اور بچے رہتے ہوں۔ گھر کے صحن میں خزانے دفن ہوں اور انہیں معلوم بھی ہو کہ وہاں خزانے ہیں۔ اسکے باوجود باپ کا یہ حال ہو کہ اپنے خزانے نکالنے کے بجائے ہمسایوں سے قرض لے اور پھر اس قرض کی ادائیگی کے لیے اپنے بچوں کی جیبیں کاٹے، بچوں کو بھوکا مارے اور ان بچوں سے پیسے لے کر قرض کی ادائیگی کی بجائے اپنے اکاؤنٹ میں رکھنا شروع کر دے۔ ایسے باپ کو آپ کیا کہیں گے؟ وہ اپنے بچوں کا خائن ہے اور اپنے آپ سے بھی خیانت کر رہا ہے۔ وہ اللہ اور رسول ﷺ کا مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا گھر اپنے ہی ہاتھوں برباد کرنے کا موجب بھی بنتا ہے۔ پاکستان کی بھی تقریباً یہی صورتحال ہے۔ اللہ کی قسم! ہمارے پاس کسی ایسی چیز کی کمی نہیں کہ ہم اپنے پیروں پر کھڑے نہ ہو سکیں اور اپنا ایک اقتصادی نظام قائم نہ کر سکیں۔

کسی بھی حکومت کی آمدنی کے دو ذرائع ہوتے ہیں۔ بلا واسطہ اور بلواسطہ ٹیکس۔ بلواسطہ ٹیکس وہ ہوتا ہے کہ آپکو بینک سے تنخواہ ملنے سے پہلے ہی آپکی تنخواہ میں سے ٹیکس کٹ جاتا ہے۔ آپ حکومت کے ملازم ہوں یا پرائیویٹ کمپنی کے، آپ کو ٹیکس کی کٹوتی کر کے تنخواہ دی جاتی ہے اور ٹیکس حکومت کے خزانے میں چلا جاتا ہے۔ دوسرا بلا واسطہ ٹیکس ہے۔ جو ان اشیاء پر لگایا جاتا ہے جو ہم خریدتے ہیں۔ اس سے ہوتا یہ ہے

کہ زکوٰۃ کا مستحق بے چارہ غریب مزدور صبح وشام محنت مزدوری کرنے کے باوجود اپنے بچوں کے لیے روٹی خریدنے کے قابل نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کا علاج کروا سکتا ہے۔جبکہ دوسری طرف حکمران طبقے میں بدکاری، شراب، تفریح، فون کالز اور دبئی کے ٹرپ جاری ہیں۔

دولت پر ٹیکس ایک ناجائز ٹیکس ہے جو کہ اسلام کے منافی ہے۔حکومت وقت کے پاس وسائل جمع کرنے کا دوسرا ذریعہ قدرتی وسائل ہیں۔سعودی عرب میں عوام پر ٹیکس نہیں لگایا جاتا کیونکہ سعودی حکومت اپنی تمام تر آمدنی تیل سے حاصل کرتی ہے یعنی قدرتی وسائل کو بروئے کار لاتی ہے۔پاکستان میں بھی اللہ کے فضل سے اتنے قدرتی ذخائر موجود ہیں کہ اگر ہم انہیں استعمال کریں تو ہمیں بھی اپنی قوم پر ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔تیسرا طریقہ وہ ہے جسے انگریزی میں Money saved is Money Earned کہا جاتا ہے یعنی آپ کی بچت بھی آپکی آمدنی ہے۔

حکومت وقت جو عیاشیاں، خیانتیں اور فضول خرچیاں کرتی ہے اگر انکو کنٹرول کرلیا جائے تو بہت فرق پڑ سکتا ہے۔جیسے ہم نے پہلے آپ کو بتایا ہے کہ ایک ایم این اے کا خرچ کروڑوں روپے بنتا ہے۔کروڑوں روپے ان کی تنخواہوں پر خرچ ہوتے ہیں۔اگر وہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنے خرچے کم کرلیں تو بہت فرق پڑ سکتا ہے۔آپ کو ایران کے صدر کی مثال دیتے چلیں کہ وہ ابھی بھی 1977ء کی پرانی گاڑی استعمال کرتا ہے۔اپنے باپ کے 60 سالہ پرانے گھر میں رہتا ہے۔کیوبا کا صدر ''فیڈل کاسترو'' بھی اپنی قوم کا ساتھ دیتا ہے۔اسی لیے 50 سال سے حکومت کررہا ہے اور قوم اب بھی اس سے محبت کرتی ہے۔سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ بھی تو ایک حکمران تھے جو امانت کا اس قدر اہتمام کیا کرتے تھے کہ ایک پیسے کی خیانت ممکن نہ تھی۔جب حکمران مال کو امانت سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو پوری قوم میں خود بخود امانت و دیانت کا تصور بیدار ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

فیڈل کاسترو

بلوچستان میں وافر مقدار میں سونا، تیل اور دوسرے قدرتی وسائل موجود ہیں۔تخمینوں کے مطابق کم از کم دوسو ارب ڈالر کا سونا اور پیتل وہاں موجود ہے جسے نکالنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔پاکستان کوئلہ درآمد کررہا ہے جبکہ یہاں دنیا کے کوئلے کے سب سے بڑے ذخائر موجود ہیں لیکن ساٹھ سال سے ان کو کام

میں نہیں لایا گیا۔ان کی قیمت 500 ارب ڈالر سے لیکرایک کھرب ڈالرتک ہے۔ پاکستان 40 ارب ڈالر کا مقروض ہے جبکہ ہمارے پاس 200 ارب ڈالر کے سونے اور تیل کے ذخائر، سات سے نوسوارب ڈالر کے کوئلے کے ذخائرموجود ہیں۔آج تک ہمارے جتنے بھی وزرائے خزانہ آئے ہیں، ان میں بہت سے کرپٹ تھے۔جبکہ وزرائے خزانہ کا ''علیم'' اور ''حفیظ'' ہونا ضروری ہے۔اگر وزیرخزانہ ملک کے پیسے اور معاملات کوٹھیک رکھے تو ملک کی حالت بہتر ہوسکتی ہے۔

ہمارے ملک میں اصل تضویاتی ذخائرمعدنیات پر مشتمل ہیں مثلاً تیل، گیس، کوئلہ، سونا، چاندی وغیرہ لیکن ان کا صحیح طرح سے استعمال کرنے کیلئے صنعتیں نہیں لگائی گئیں۔ پاور پلانٹ ایسے لگائے گئے ہیں جوفرنس آئل، ڈیزل اور پٹرول پر چلتے ہیں۔لہذا ہم مجبور ہیں کہ باہر سے تیل درآمد کریں۔ جہاں تک وسائل کی بات ہے تو اللہ کے فضل سے ہمارے پاس اتنے وسائل ہیں کہ وہ ہماری سات نسلوں کیلئے کافی ہیں۔ جہاں تک غلے کی پیداوار کا تعلق ہے، پاکستان کا نہری نظام، روس کے نہری نظام سے پانچ گنا بڑا ہے۔ حالانکہ پاکستان روس سے دس گنا چھوٹا ملک ہے۔ دنیا میں غلے، پھل اور سبزیوں کی اقسام کے حوالے سے پاکستان کا شمار دنیا کے پہلے پانچ مما لک میں ہوتا ہے۔ اسکے باوجودلوگ بھوک سے خودکشی کرتے پھررہے ہیں۔اسے حکمرانوں کی نااہلی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اب پاکستان کوفوری طور پرغلہ، گندم، چاول اور دیگرزرعی اجناس کی برآمد پر پابندی لگادینی چاہیے۔ ہمیں یہ اجناس ملک میں سنبھال کر رکھنی ہیں۔ پوری دنیا میں غلے کی کمی ہونے والی ہے بلکہ ہوچکی ہے۔اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم کئی برس تک اپنا غلہ برآمد کرنا بند کردیں۔غلہ ذخیرہ کیجیے کیونکہ ابھی قوم کواس کی ضرورت ہے۔ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ ہمیں دوسرے مسلمان بھائیوں کوبھی کھلانا پڑے جو بے چارے تکلیف میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ دوسری طرف ملک میں آبی ذخائر بنائے جانے چاہئیں۔موجودہ حکومت نے کالا باغ ڈیم کا منصوبہ ترک کرڈالا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ اسکے بدلے وہ کونسا ڈیم بنانے جارہے ہیں تاکہ اگلے چندسال میں پاکستان کو پانی کی کمی کا سامنا نہ ہو۔اندھے کوبھی نظرآرہا ہے کہ قحط پڑنے والا ہے۔ ہرشخص جانتا ہے کہ بھارت ہمارا پانی بند کررہا ہے۔ ہرشخص کودکھائی دے رہا ہے کہ کرزئی حکومت دریائے کابل پرڈیم بنا کر ہمارا پانی بند کررہی ہے۔لہذا کالاباغ ڈیم، بھاشاڈیم، دیامیر

ڈیم جیسے چھوٹے بڑے ہر طرح کے ڈیم بنانے چاہئیں۔ موجودہ دریاؤں کی کھدائی کر کے انکی گہرائی بھی بڑھائی جاسکتی ہے تاکہ زیادہ پانی کا ذخیرہ ہوجائے لیکن یہ عارضی بندوبست ہے۔ اب ملک کو پانی کے بڑے بڑے ذخیروں کی ضرورت ہے۔

یہ بھی حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی احکامات کے مطابق اس شخص سے زمین واپس لے لے جو تین سال تک اپنی زمین کاشت نہ کرے اور حکومتِ وقت کی اپنی زمین جو خالی پڑی ہوئی ہے وہ عوام کو کاشت کرنے کیلئے دے دیں۔ کسی جگہ کوئی زمین ایسی نہ ہو کہ جو خالی پڑی ہو۔ پانی کی فکر نہ کیجیے۔ انشاءاللہ پانی کم نہیں ہوگا۔ اس ملک میں بارشیں بھی ہوتی ہیں اور ہزاروں ایکڑ زمین ایسی ہے کہ جسے نہری پانی سیراب کرتا ہے۔ ایسی فصلیں بھی لگائی جاسکتی ہیں جو کم پانی استعمال کرتے ہوئے اگتی ہیں۔ پھلوں کے باغات لگائے جاسکتے ہیں۔ ایسے بہت سے طریقے ہیں جنکے ذریعے زرعی پیداوار میں اضافہ ممکن ہے۔

ہم چین سے سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ بھی ایسے کئی ممالک ہیں جہاں اجتماعی تربیت ہوتی ہے۔ چینی مسلح افواج کے باقاعدہ فارمنگ ڈویژنز ہیں جنکا کام صرف کاشت کاری کرنا ہے۔ سرکاری اور نجی پارٹنرشپ کے تحت بھی زراعت کے بڑے بڑے منصوبے شروع کیے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم نے اپنی پیداوار بڑھانی ہے تو ہمیں اس کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔

جاپان ایک چھوٹا ملک ہے لیکن وہ اپنی غلے کی ضرورت خود پوری کرتا ہے۔ جاپان میں فی ایکڑ پیداوار پاکستان سے دس گنا زیادہ ہے۔ ہمارے پاس زمین، پانی، سب کچھ موجود ہے لیکن منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال ہماری پیداوار کم ہوتی چلی جارہی ہے۔ جو ملک ٹیکنالوجی اور اچھی کھادیں استعمال کرتے ہیں، وہ پاکستان سے دس گنا زیادہ پیداوار حاصل کرتے ہیں۔ نیوزی لینڈ پاکستان سے چھوٹا ملک ہے جبکہ وہ ڈیری مصنوعات کی برآمد میں پاکستان سے بہت آگے ہے۔ اس ضمن میں ہالینڈ کی ہی مثال لے لیجیے جو کم زمین کے باوجود پوری دنیا میں دودھ سے بنی ہوئی اشیاء برآمد کررہا ہے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زراعت، ڈیری فارمنگ اور پولٹری فارمنگ کو ترقی دیں۔ ہمارے پاس دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام ہے۔ ہم فش فارمنگ بھی کرسکتے ہیں۔ فش فارمنگ میں بڑے بڑے پنجرے بنا کر ان میں مچھلیاں پالی جاتی ہیں۔ پورا پنجرہ نہر میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ اس سے مچھلی پکڑنے کی

تکلیف نہیں ہوتی۔مچھلی کے بچے وہیں بڑے ہوتے ہیں اور پھر جب وہ تیار ہو جاتے ہیں تو پورا پنجرہ باہر نکال لیا جاتا ہے۔دنیا میں ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے۔جہاں جھیل یا چھوٹی سی نہر ہو وہاں کیج فارمنگ (Cage Farming) کی جاسکتی ہے۔ہمیں ہر صورت زراعت کی پیداوار بڑھانی ہے۔ہمارے پاس دودھ دینے والے جانور ہیں لیکن کوئی مناسب فیڈ ملز(Feed Mills) موجود نہیں ہیں جو انکا کھانا سائنسی بنیادوں پر تیار کریں تاکہ ہمارے جانور زیادہ دودھ دیں۔یاد رکھیں کہ پوری دنیا میں ہولناک قحط برپا ہونے والا ہے۔ہم نے آپ کو تمام اقدامات سے آگاہی دی جن کے ذریعے ہم پر جنگ بھوک اور پیاس مسلط کی جارہی ہے۔ہمیں زراعت کے شعبے میں سائنسی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔خوراک کی پیداوار بڑھانے کیلئے کسان کو سبسڈی دینے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا کسان خوشحال ہو۔حکومت وقت پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان اقدامات پر عملدرآمد کو یقینی بنائے تاکہ ہمیں مستقبل میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

☆☆☆☆☆

قائداعظم کی آخری عوامی تقریر

پچھلے ابواب میں ہم نے خاص طور پر ان اقدامات کی بات کی تھی جو حکومت وقت کو اٹھانے چاہئیں۔ہم نے قائداعظم کی اس تقریر کا ذکر کیا تھا جو انہوں نے پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی سے کی تھی۔اس تقریر میں قائداعظم نے وہ اقدامات بتائے تھے جو آئندہ حکومتوں کو کرنے چاہئیں تھے۔انہوں نے امن عامہ کو قائم رکھنے اور رشوت اور کرپشن کے خاتمے کی بات کی تھی اور وہ اقدامات کرنے کی بات کی تھی جن کی بدولت پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنایا جاسکے۔ہم نے اس پر بھی بات کی کہ عالمی حالات کے تناظر میں پاکستانی حکومت کو خوراک کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔کس طرح ہمیں ملک کے پانی کے ذخائر کی حفاظت کرنی ہے۔اسی طرح خوراک کا ذخیرہ بھی جمع کرنا ہے، زراعت کی ترقی کے لیے اقدامات کرنے ہیں تاکہ مستقبل میں پوری دنیا میں برپا ہونے والے قحط سے پاکستان کو محفوظ رکھا جاسکے اور پاکستان خوراک اور غلے کے معاملے میں خودکفیل ہو۔

اب قائداعظم کی ایک تقریر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔اس تقریر کا ایک پس منظر ہے۔یہ وہ تقریر ہے جو قائداعظم نے یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بینک کا افتتاح کرتے ہوئے کی یعنی اپنے انتقال سے دو ماہ پہلے۔یہ قائداعظم کی آخری عوامی تقریر تھی۔

جب قائداعظم زیارت میں تھے اور ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی۔ڈاکٹر نے ان کو کہا کہ آپ سفر نہیں کر سکتے۔محترمہ فاطمہ جناح نے بھی بھائی کو روکا لیکن قائداعظم کراچی جانے اور سٹیٹ بینک کا افتتاح کرنے کیلئے بے تاب تھے۔وہ کوئی خاص بات کہنا چاہ رہے تھے۔باوجود اسکے کہ ان کا مرض آخری سطح پر پہنچ چکا تھا، ڈاکٹروں نے ان کو سفر کرنے سے منع کیا ہوا تھا کیونکہ وہ بہت کمزور ہو چکے تھے، وہ زیارت سے کراچی آئے۔سٹیٹ بینک کا افتتاح کیا اور یہ تاریخ ساز تقریر کی جس کو اب ہماری تاریخ کی صفحات سے غائب کردیا گیا ہے۔نہ یہ نصاب میں شامل ہے اور نہ ہی ذرائع ابلاغ اس پر بات کرتا

ہے۔ہم برملا یہ اعتراف کرر ہے ہیں کہ ہم نے بھی اس سے پہلے یہ تقریر نہیں دیکھی تھی۔جو لوگ آج قائد اعظم کے اصولوں پر چلنے کی بات کرتے ہیں اور خود کو سوشل،لبرل اور روشن خیال ظاہر کرتے ہیں، یہ تقریر ان کے منہ پر طمانچہ ہے۔اور اُن لوگوں کیلئے مشعل راہ ہے جو پاکستان کو ایک اسلامی معاشی ماڈل بنانا چاہتے ہیں۔

قائد اعظم نے فرمایا۔''میں بہت غور سے سٹیٹ بینک کی ریسرچ کو دیکھوں گا تا کہ وہ ایک ایسی بینکنگ پریکٹس کا اجراء کر سکے جو اسلامی بنیادوں پر قائم ہو اور جسکے ذریعے معاشرے میں عدل قائم ہو سکے۔مغرب کا دیا ہوا معاشی نظام اس قدر بیکار اور ناکارہ ہے کہ وہ انسانیت کی تمام تر مشکلات کو دور کرنے میں ناکام ہو چکا ہے اور اب کوئی معجزہ ہی دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔مغربی معاشی نظام انصاف پر مبنی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں دو جنگیں برپا ہو چکی ہیں۔یہ دونوں جنگیں بھی مغربی معاشی نظام کی بدولت ہوئیں۔

مغربی دنیا نے بہت ترقی کر لی ہے۔مغرب تکنیک اور صنعت کے لحاظ سے بہت ترقی یافتہ ہے۔اسکے باوجود تاریخ میں اس سے قبل اتنی بڑی تباہی نہیں ہوئی جتنی اب ہو رہی ہے۔اگر آپ نے مغرب کا معاشی نظام اپنایا تو آپ کبھی بھی اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکیں گے اور کبھی بھی انسانوں کو خوشحال نہیں بنا سکیں گے۔ہمیں اپنی تقدیر خود مرتب کرنی ہے اور دنیا کو ایسا اسلامی معاشی نظام دینا ہے جس کی بنیاد عدل اور مساوات پر ہو۔ہمارے مشن کی تکمیل تب ہو گی جب ہم مسلمان ہونے کے ناطے انسانیت کو ایسا پیغام دیں گے جو اسکو خوشحالی اور خوشی دے سکے''۔

قائد اعظم اپنی بیماری کے باوجود سٹیٹ بینک کا افتتاح کرنے اس لیے آئے تا کہ ہمیں بتا سکیں کہ اگر ہم نے مغربی معاشی نظام اپنایا تو باقی دنیا کے ساتھ ساتھ ہم بھی تباہ ہو جائیں گے۔قائد اعظم نے اپنی قوم کو نصیحت کی کہ مغربی بینکاری کا نظام اور فریکشنل ریزرو بینکنگ سے ناطہ نہ جوڑے اور پیپر کرنسی سے آراستہ معاشی نظام سے دور رہے۔انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے معاشی نظام کی بنیاد عدل وانصاف اور مساوات پر رکھنی ہے تا کہ ہم انسانیت کیلئے مشعل راہ ثابت ہوں۔دنیا میں سرخرو

قائد اعظم سٹیٹ بینک کا افتتاح کرر ہے ہیں

رہیں اور ایک خوشحال معاشرے کی تشکیل کر سکیں۔

قائداعظم کی یہ تقریر ہماری تمام باتوں کو، جو ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں، صحیح ثابت کرتی ہے۔ نہ صرف اسلامی بلکہ تاریخی اور معاشی نکتہ نظر سے بھی یہ ثابت ہے کہ صہیونیوں کا بنایا ہوا معاشی نظام، جس کی بنیاد پیپر کرنسی اور فریکشنل ریزرو بینکنگ پر ہے، اس سے زیادہ ناپاک اور برا نظام تاریخ انسانیت نے نہیں دیکھا۔ اس کی بدولت انسان تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ صیہونی معاشی نظام کا مقصد پوری دنیا کو بھوک، فاقے اور قحط میں مبتلا کر کے ہلاک کرنا ہے۔ صیہونیوں کی دستاویزات یہ ثابت کرتی ہے کہ ان کے خیال میں دنیا کی آبادی 6 ارب ہو چکی ہے لہذا اس کو کم کر کے ایک ارب تک لانا ہے یعنی اگلے بیس سال میں یہ 5 ارب لوگوں کے قتل کا منصوبہ بنائے بیٹھے ہیں۔ جنگ برپا کرنا چونکہ مہنگا عمل ہے کیونکہ اس میں اپنا بھی نقصان ہوتا ہے لہذا بیماریاں اور قحط برپا کیا جاتا ہے۔ چونکہ خوراک کی رسد وہ خود کنٹرول کرتے ہیں لہذا ان کیلئے قحط برپا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ دوائیاں بھی وہ خود بناتے ہیں لیکن صرف اپنے لیے۔ باقی دنیا کو ان سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ایڈز کی مثال لے لیجیے۔ ایڈز کے علاج کیلئے تیار کی گئی دوائیاں اتنی مہنگی بیچی جاتی ہیں کہ افریقہ کے غریب عوام جو سب سے زیادہ اس بیماری کا شکار ہیں وہ انہیں خریدنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ یہ مغربی معاشی ماڈل کا عطا کردہ تحفہ ہے۔

چونکہ ہمیں پاکستان کے حوالے سے بات کرنی ہے لہذا ہم وہ احتیاطی تدابیر بتائیں گے جو ہمیں بنیادی سیکورٹی حاصل کرنے کیلئے اپنانی ہیں۔ پچھلے ابواب میں ہم نے خوراک کی فراہمی کے حوالے سے بات کی۔ اب ہم ''فیول سیکورٹی''، یعنی ایندھن کی فراہمی پر بات کریں گے۔ اگر کسی قوم کے پاس اپنی ضرورت کے مطابق خوراک اور ایندھن ہو تو وہ اپنی تجارت اور معیشت کا پہیہ با آسانی چلا سکتی ہے۔ اس کے برعکس اگر تجارت ختم ہو جائے، فیکٹریاں اور کارخانے بند ہو جائیں تو ملکی معیشت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

آج ہمارے ملک میں بجلی کا شدید بحران ہے۔ ہمارے صنعتکار مہنگی بجلی بھی خریدنے کو تیار ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ بجلی موجود ہی نہیں ہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ ملک کی آبادی بڑھ رہی ہے اور اسکے ساتھ ساتھ ضروریات بھی بڑھ رہی ہیں، بجلی کی پیداوار کی طرف دھیان نہیں دیا گیا۔ اسکی وجہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہمارا وزیر خزانہ ہمیشہ ورلڈ بینک، سٹی بینک یا انٹرنیشنل سسٹم کی طرف سے بھیجا گیا ہوتا ہے۔ ان کا کام ہی ملکی

معیشت کا بیڑا غرق کرنا، اس کو کبھی مستحکم نہ ہونے دینا اور ہمیشہ دوسروں پر انحصار کے قابل رکھنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معدنی وسائل دریافت کرنے کی طرف کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ توانائی کے متبادل ذرائع کو کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ بجلی پیدا کرنے کیلئے توانائی کے مہنگے ذرائع مثلاً تیل، گیس، کیروسین آئل وغیرہ استعمال کیے گئے۔ یہ قوم کو توانائی سے محروم کرنے کا منصوبہ تھا کیونکہ توانائی کی کمی ہوگی تو صنعتیں بند ہوجائیں گی۔ ٹیوب ویل کام نہیں کریں گے۔ ٹریکٹرز، بلڈوزر بند ہوجائیں گے جس کی وجہ سے زراعت متاثر ہوگی۔

حکومت کو اس سلسلے میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اقدامات کرنے چاہئیں۔ ابھی تک ہم نے جن معاملات پر بات کی ہے وہ اندرونی طور پر صورتحال کو بہتر کرنے کیلئے ہیں۔ ایندھن کی فراہمی کے حوالے سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایندھن کے وسائل جلد از جلد دریافت کر کے ان کو ترقی دینی چاہیئے۔ اس سے پہلے ہم نے سندھ میں کوئلے کے ذخائر کے حوالے سے بات کی تھی۔ اعلیٰ حکام کے علم میں جب یہ بات آئی تو یہ بحث شروع ہوگئی کہ یہ وسائل سندھ کے ہیں یا وفاق کی ملکیت ہیں۔ یہ بحث وہ لوگ کر رہے ہیں جو صوبائیت کو فروغ دے کر وفاق کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت سندھ یا کسی بھی صوبے میں موجود ذخائر صرف اس صوبے کے نہیں بلکہ پورے پاکستان کی ملکیت ہوتے ہیں۔ بلوچستان سے نکلنے والی گیس پورے پاکستان کو مہیا کی جاتی ہے۔ سرحد کی بجلی پورے ملک کو روشن کرتی ہے۔ کشمیر کا پانی پورا ملک استعمال کرتا ہے۔ پنجاب کا غلہ پورے ملک کیلئے ہے۔ جو ہم میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، وہ ملک وقوم کا بدترین دشمن تصور ہوگا۔

ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ سندھ کے کوئلے کے ذخائر انڈیا کے مِتل سیٹل گروپ کو بیچنا چاہتے ہیں۔ ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے تا کہ ایسا ممکن نہ ہوسکے۔ متل دنیا کی سب سے پہلی سٹیل پروڈیوسنگ کمپنی ہے جو پاکستان کے کوئلے کے ذخائر میں دلچسپی رکھتی ہے۔ جس طرح گزشتہ حکومت نے سونے اور تانبے کے ذخائر یہودیوں کے ہاتھ بیچ دیئے، اسی طرح اب کچھ لوگ کوئلے کے ذخائر بھی متل گروپ کو بیچنا چاہ رہے ہیں جو کہ صیہونیوں کا آلہ کار ہے۔ ہمیں نگاہ رکھنی ہے کہ یہ معاملہ طے نہ ہوسکے۔ فی الحال تیل اور گیس کے ذخائر کی کھدائی کا کام اس لیے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جن علاقوں میں یہ ذخائر موجود ہیں

وہاں بلوچستان لبریشن آرمی کے لوگ قبضہ جمائے بیٹھے ہیں ۔وہ ہماری گیس سپلائی لائنوں کومحفوظ نہیں رہنے دیتے۔ ہرروز ایک گیس سپلائی لائن تباہ کردی جاتی ہے۔وہ کسی کمپنی کوکھدائی کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے ۔اس لحاظ سے امن عامہ کا قیام حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔

قائداعظم نے بھی اپنی پہلی تقریر میں امن عامہ کے قیام کے حوالے سے بات کی تھی۔ہمیں ایک مضبوط عدالتی نظام کے ذریعے دہشت گردوں کوکٹہرے میں لے کرآنا ہوگا اور پاکستانی ریاست کے خلاف برسرپیکارلوگوں سے جنگ بھی کرنی ہوگی۔ 1971ء میں جب پاکستانی حکومت نے مکتی باہنی کے دہشت گردوں سے جنگ کی تھی تو وہ اپنے لوگوں کے خلاف جنگ نہیں تھی۔اسی طرح آج اگر بلوچستان لبریشن آرمی کے دہشت گردوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جارہا ہے تو یہ اپنے لوگوں کے خلاف جنگ نہیں کہلائے گی بلکہ یہ ان دہشت گردوں کے خلاف جنگ ہے جن کی پشت پناہی بھارت کرر ہا ہے اور جن کا مقصد پاکستانی ریاست کونقصان پہنچانا ہے۔چونکہ ابھی تک ان کے خلاف تسلی بخش اقدامات نہیں کیے گئے لہذا وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب ہوگئے ہیں۔

بلوچستان لبریشن آرمی کے تمام کمانڈوز افغانستان سے تربیت اور اسلحہ لے کرآتے ہیں۔ان سے کسی قسم کا نرم برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔ہمیں ہر حال میں صوبہ بلوچستان کی حفاظت کرنی ہوگی کیونکہ وہ پاکستانی ریاست کی امانت ہے۔ بھارت کی پشت پناہی کی بدولت بلوچستان لبریشن آرمی صوبوں کوتقسیم کرکے وفاق کوکمزور کرنا چاہتی ہے۔

ہم یہاں گوادر کی بندرگاہ کے بارے میں ایک بہت اہم بات بتانا چاہیں گے۔ ہمارے عوام کوگوادر کی تاریخ معلوم نہیں کیونکہ وہ بتائی ہی نہیں جاتی۔1860ء کی دہائی میں بلوچستان کے چندسرداروں نے گوادر انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ یہ بات ہماری عوام کونہیں معلوم کہ جب پاکستان بنا،تب گوادر پاکستان کا حصہ نہیں تھا۔سوسال تک انگریزوں نے گوادرکواپنے قبضے میں رکھا۔عمان، جوکہ برطانوی نوآبادی تھی، کی حکومت کے ذریعے انگریز گوادرکوکنٹرول کرتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے وقت گوادرعمان کا حصہ تھا۔ 1957ء میں پاکستانی حکومت نےعوام سے چندہ اورٹیکس جمع کرکے عمان کی حکومت سے گوادر خریدا۔ گوادرواپس لینے میں پاکستانی عوام کا خون پسینہ خرچ ہوا ہے۔آج اس پر اپنا حق جتانے والی بلوچستان

لبریشن آرمی یہ کیوں نہیں سوچتی کہ ان کے باپ دادا نے گوادر انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ جسے پاکستانی قوم کو اپنے خون پسینے کی کمائی دے کر دوبارہ واپس لینا پڑا۔

پاکستان ہماری دھرتی ماں ہے۔ ہمارا وجود اور ہمارا رزق اسی سے وابستہ ہے۔ جو بھی اس کو نقصان پہنچانے کی بات کرتا ہے، وہ اسکا دشمن ہے لہذا ہم اس پر سختی کریں گے اور ہمیں سختی کرنی بھی چاہیے۔ بلوچوں کے حقوق کی بات کرنے والے اپنے گریبان میں کیوں نہیں جھانکتے کہ انہوں نے اپنی دھرتی ماں غیروں کے ہاتھ بیچ دی تھی۔ پاکستان کا چپہ چپہ ان شہیدوں کی امانت ہے جنہوں نے اس دھرتی ماں کیلئے جان دی ہے۔ مسلمانوں نے سندھ، بلوچستان، سرحد اور پنجاب کیلئے قربانیاں نہیں دی تھیں، بلکہ پاکستان کیلئے قربانیاں دی تھیں۔ ہم نے اس مقدس امانت کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی ہے۔

ہمیں یہ بات یادرکھنی ہے کہ پاکستان میں موجود خزانے عوام اور پاکستان سے محبت کرنے والے لوگوں اور پاکستانی ریاست کے ہیں۔ پاکستان سے الگ ہو کر سندھ، سرحد، بلوچستان، پنجاب اور کشمیر کوئی وجود نہیں رکھتے۔ جو لوگ صوبوں اور مرکز کے مابین یا مختلف صوبوں کے مابین تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ غدار ہیں۔

وہ لوگ وہی جواز پیش کرتے ہیں جو مجیب الرحمان نے مشرقی پاکستان توڑنے سے پہلے پیش کیا تھا۔ وہ یہ اعتراض کرتا تھا کہ ہمارے پٹ سن کے پیسوں سے اسلام آباد آباد کیا گیا ہے۔ ہر گھر میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ دو بھائی بھی آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ غلطیاں اور کوتاہیاں سب سے ہوتی ہیں لیکن جو گھر جلانے کی بات کرتے ہیں وہ اسلام، پاکستان، مسلمانوں اور ان لوگوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں جنہوں نے پاکستان کیلئے اپنی جانیں، مال، عزت و آبرو قربان کیے تا کہ اس ملک کی سرحدیں محفوظ رہیں اور یہ ملک قائم و دائم رہے۔

جو لوگ صوبائیت کی بات کرتے ہیں، وہ بدنیت ہیں۔ یہ لوگ اس وقت کیوں نہیں بولے جب ملک کی آبرو بیچی جا رہی تھی اور دو سو ارب کا سونا یہودیوں کے ہاتھ بیچا جا رہا تھا۔ بلوچ سب نیشنلسٹ اس وقت اس لیے نہیں بولے کیونکہ وہ بھی یہودیوں کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں اور بدلے میں ان سے پیسے وصول کرتے ہیں۔ اسکے برعکس جب پاکستان کے عوام اور مرکز، بلوچستان کے وسائل استعمال کرتے

ہیں تو ان کو آگ لگ جاتی ہے۔ یہ لوگ پاکستان سے ہرگز مخلص نہیں ہو سکتے۔

اس وقت پوری قوم میں مایوسی پھیلائی جا رہی ہے کہ پاکستان ٹوٹنے والا ہے۔ سندھ، بلوچستان اور سرحد الگ ہو رہے ہیں۔ ان سب خرافات پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ پاکستان کو کچھ نہیں ہوگا۔ ہم تو یہاں تک کہیں گے کہ جو شخص پاکستان ٹوٹنے کی بات کرتا ہے، اس کو سخت سے سخت سزا دینی چاہیے بلکہ سولی پر چڑھا دینا چاہیے۔ کسی کی جرأت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اللہ کے دیئے ہوئے تحفے کو نقصان پہنچنے والا ہے۔ ہمیں گروہوں میں بانٹنے اور صوبوں کو تقسیم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ سازشیں اور ہتھکنڈے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کے فضل سے اس ریاست کو کچھ نہیں ہوگا کیونکہ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اس کے لیے اپنا جان و مال قربان کرنے کو تیار ہیں۔

ملک کے ایندھن کے وسائل کو ترقی دینا اس حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں لازمی خود کفیل ہونا ہے۔ ہمارے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس اس قدر وسائل ہیں کہ ہماری آئندہ دس نسلوں کی ایندھن کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ قدرتی وسائل کے سلسلے میں ہمیں اپنے ہمسایہ ممالک سے تعاون بڑھانے کی ضرورت ہے۔

بھارت، پاکستان، ایران گیس پائپ لائن میں سے ہمیں بھارت کو نکال کر چین کو شامل کر لینا چاہیے۔ ایندھن کی ضروریات پوری کرنے کیلئے ابھی تک ہم نے ایران کے ساتھ زیادہ کام نہیں کیا۔ اگر ہم ایران سے گیس اور پٹرول درآمد کریں تو ٹرانسپورٹ کا خرچ بہت کم ہوگا کیونکہ ہماری سرحدیں ایران سے ملتی ہیں۔ ایرانی پٹرول سمگل ہو کر آتا ہے اور پورے پاکستان میں فروخت ہوتا ہے۔ اگر ہم روزانہ پٹرول ایران سے درآمد کر لیا کریں تو ہماری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ ہم سعودی عرب اور خلیج سے تیل درآمد کرتے ہیں لیکن ہمیں متبادل کے طور پر ایران کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے۔ حملے کی صورت میں اگر ہمارا سمندری راستہ بند کر دیا جاتا ہے، جو کہ بھارت کے جنگی منصوبوں میں شامل ہے کہ جیسے ہی پاکستان کے ساتھ تصادم ہو تو بھارت ہماری بندرگاہیں بند کر دے گا۔ ہمیں ایسی صورتحال سے نمٹنے کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ ہمیں نہ صرف تیل کی پیداوار بڑھانی چاہیے بلکہ تیل کی سپلائی کے متبادل راستے بھی نظر میں رکھنے چاہئیں تاکہ دشمن فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ایران سے اگر ٹرکوں کے ذریعے تیل کی سپلائی آئے تو وہ محفوظ راستہ

ثابت ہوسکتا ہے۔ بلوچستان لبریشن آرمی کے دہشت گرد جو پاکستان کی موجودہ گیس پائپ لائنوں پر حملے کررہے ہیں وہ IPI (ایران، پاکستان، انڈیا) یا IPC (ایران، پاکستان، چین) گیس پائپ لائن کو بھی نشانہ بناسکتے ہیں کیونکہ وہ سی آئی اے کے آلہء کار ہیں۔

بلوچستان لبریشن آرمی کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے کیونکہ امریکہ پاکستان اور ایران کے مابین کسی بھی قسم کے تجارتی معاہدے کا سخت مخالف ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس معاہدے کو پورا کرنا ہے۔ یہ ہماری قومی سلامتی کیلئے ضروری ہے۔ اس کے ذریعے ہم مغربی معاشی نظام سے ہٹ کر اپنا آزادانہ ایندھن کی رسد کا راستہ کھول سکتے ہیں۔ ایران خود کو عالمی معاشی نظام سے باہر نکال رہا ہے۔ ایران چونکہ تیل پیدا کرنے والا ملک ہے۔ لہذا بین الاقوامی طور پر ڈالرز کے ذریعے ہونے والی تیل کی تجارت سے خود کو باہر نکال رہا ہے۔ نتیجتاً ڈالرز کی تباہی سے ایران کے معاشی نظام اور اس کے تیل کی رسد کی ترسیل پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم آزادانہ طور پر ایران کیساتھ اپنے معاملات طے کرسکتے ہیں۔

ابھی ہمارے لیے بہت نادر موقع ہے کہ ہم اپنی فیول سپلائی کیلئے متبادل راستے تلاش کریں۔ قدرتی وسائل اور اسلامی معاشی نظام سے متعلق حضرت محمدؐ کی ایک بہت خوبصورت حدیث بھی موجود ہے جس میں آپؐ نے قدرتی وسائل اور ایندھن کے ذخائر کے حوالے سے حدود مقرر کی ہیں۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تین چیزیں مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہیں۔ ان کو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں قرار دیا جاسکتا یعنی ان کی نجکاری نہیں کی جاسکتی۔

1- آگ یعنی ایندھن کے ذخائر

2- پانی یعنی نہریں، کنویں وغیرہ

3- جنگلات اور کھلی جگہیں یعنی وہ علاقے جو انسانوں کی فلاح کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

پاکستان میں جتنے بھی ایندھن اور پانی کے ذخائر اور کھلی جگہیں ہیں وہ تمام پاکستانیوں کی اجتماعی ملکیت ہونی چاہئیں۔ جبکہ آج کے جدید سرمایہ دارانہ نظام میں صورتحال اسکے برعکس ہے۔ پاکستان کو نہ صرف

خوراک بلکہ ایندھن کے سلسلے میں بھی خود کفیل ہونا ہے۔ ہمارے پاس ایندھن کی کمی نہیں ہے۔صرف بدنظمی اور کرپشن کی وجہ سے ہم تا حال خود کفیلی کی منزل نہیں حاصل کر سکے۔

ہماری صفوں میں میر جعفر اور میر صادق جیسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے قدرتی وسائل کو ترقی نہیں دینے دیتے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ وسائل حکومت کی ملکیت ہونے چاہئیں۔تیل، گیس اور کوئلے وغیرہ کے ذخائر کی نجکاری نہیں کی جاسکتی۔جس طرح سورج کی روشنی اور آکسیجن کسی ایک شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتے ویسے ہی تیل، گیس اور کوئلہ بھی کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتے۔یہ قدرت کا نظام ہے۔ کچھ چیزوں کی مساوی تقسیم لازمی قرار دے دی گئی ہے۔اس کے برعکس مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں ہر چیز کی نجکاری کر دی گئی ہے۔جس کی وجہ سے عوام کا استحصال ہوتا ہے۔مغرب میں دریا اور سمندر کی بھی نجکاری ہو چکی ہے۔ان کا بس نہیں چلتا کہ آکسیجن کی بھی نجکاری کر دیں۔

ہمارے ہاں قدرتی وسائل کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ہمیں ایٹمی توانائی کے علاوہ سورج اور ہوا کی توانائی پر بھی کام کرنا چاہیے۔معدنی ذخائر کی دریافت کرنی چاہیے اور اس خطے میں تجارت کو فروغ دینا چاہیے تاکہ درآمد کی جانے والی چیزیں سستی ملیں۔جیسا کہ ترکمانستان اور ایران سے گیس کی سپلائی کی بات ہو رہی ہے۔اگر تمام ذخائر دریافت کر لیے جائیں تو وافر مقدار میں توانائی پیدا کی جاسکتی ہے۔کچھ عرصہ قبل تو یہ بات بھی کی جا رہی تھی کہ ہم بھارت کو بجلی بیچیں گے۔لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہماری اپنی صنعت بند ہونے کے قریب پہنچ چکی ہے۔بجلی کی کمی کے باعث نہیں بلکہ بدنظمی، کرپشن اور بدانتظامی کی بدولت۔ لہٰذا ایندھن کی فراہمی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اسکے علاوہ ہم نے سب سے پہلے ملک کے اس طبقے کی فلاح و بہبود کی طرف دھیان کرنا ہے جو بھوک سے مر رہا ہے۔یہ کام تبھی ہوسکتا ہے کہ جب ملک میں ایندھن کی فراہمی کی صورتحال تسلی بخش ہو۔خوراک کی فراہمی، طعام المسکین، بیت المال اور کفالت کے علاوہ ہمیں ایک اور قدم اٹھانے کی بھی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ تمام لوگ جن کے گیس کے بل 200 اور بجلی کے بل 400 سے کم آتے ہیں، ان کے بل معاف کر دیئے جائیں۔اگر معاشرے کے غریب ترین افراد کے بجلی اور گیس کے بل معاف کر دیئے جائیں تو ملک تباہی کا شکار نہیں ہوگا۔اگر ارب پتی لوگ کروڑں اور اربوں کے قرضے معاف کروا سکتے ہیں تو

غریب، مسکین اور لاچار افراد کے بجلی اور گیس کے بل معاف کر دینے سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ پاکستان کے ایسے بہت سے قبائلی علاقے ہیں جہاں مفت بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ ان کو اربوں روپے کی بجلی اس لیے مفت مہیا کی جاتی ہے کیونکہ ان سے معاہدہ کیا گیا ہے۔

اگر کرپشن میں ضائع ہونے والے اربوں روپے بچا کر معاشرے کے غریب اور نادار لوگوں کو مفت گیس اور بجلی مہیا کر دی جائے تو معاشرے کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ گیس اور بجلی عوام کے بنیادی حقوق ہیں۔ اگر حکومت عوام کو یہ چیزیں مہیا کرتی ہے تو ان پر احسان نہیں کرتی۔ دوسری طرف عوام کو بھی اسراف سے بچنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ایک گھر میں دس دس ایئر کنڈیشنز چل رہے ہوں اور دوسرا گھر بلب جلانے کے بھی قابل نہ ہو۔ جو شخص دس ایئر کنڈیشنز کا بل دے سکتا ہے، ایک اضافی ایئر کنڈیشنز کا بل دینے سے اس کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ اسکے بدلے کئی غریبوں کا بل معاف کیا جا سکتا ہے۔ یہ قابل عمل بات ہے۔ اربوں روپے کی کرپشن پر قابو پا لیا جائے تو معاملات خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔ ''این آر او'' کے تحت جتنے لوگوں کو معاف کیا گیا ہے، ان سے اگر کرپشن سے حاصل کیے گئے پیسے نکلوا لیے جائیں تو کئی سال تک غریب اور نادار لوگوں کو مفت کھانا دیا جا سکتا ہے۔ اسکے علاوہ بجلی اور گیس بھی فراہم کی جا سکتی ہے۔ ہمارے ہاں سائیکل چور کو تو سات سال قید کی سزا دی جاتی ہے جبکہ ملک کی آبرو بیچنے والے کو ملک کا سربراہ بنا دیا جاتا ہے۔

سائیکل، موٹر سائیکل، رکشے وغیرہ ملک کے غریب افراد استعمال کرتے ہیں۔ ان کیلئے پٹرول سستا ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کے پاس دس بیس یا چالیس لاکھ کی گاڑیاں ہوتی ہیں، وہ ان میں سی این جی لگواتے ہیں جبکہ وہ پٹرول بھی افورڈ کر سکتے ہیں۔ اسکے برعکس ایک غریب آدمی تو اپنا موٹر سائیکل سی این جی پر بھی نہیں کروا سکتا۔ اس پر بھاری بھرکم ٹیکس عائد کر کے اس کی کمر توڑ دی جاتی ہے۔ موٹر سائیکل میں تین چار لیٹر پٹرول ڈلوانے والے شخص کیلئے اگر پٹرول سستا کر دیا جائے تو کوئی قیامت نہیں ٹوٹے گی۔ اگر پٹرول مہنگا کرنا ہے تو ان اشخاص کیلئے کیا جائے جن کی آمدنی کروڑوں میں ہے اور جو لاکھوں کی گاڑیوں میں پھرتے ہیں۔ معاشرے میں دولت کی مساوی تقسیم تبھی ممکن ہے جب دولت مند افراد سے دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔ غریب لوگوں میں دولت کی تقسیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے بجلی و

گیس کے بل معاف کر دیئے جائیں۔ٹیکس ختم کر دیئے جائیں یا کم کر دیئے جائیں اور جو بہت زیادہ غریب، ہوں ان کو سستا یا مفت پٹرول دے دیا جائے۔

غربت ختم کرنے کے کئی طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ یہ ہمارے اپنے اختیار میں ہے کہ ہم خوراک اور ایندھن کی فراہمی کو یقینی بنائیں۔اس کے لیے ہمیں امریکہ سے بھیک لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ورلڈ بینک یا آئی ایم ایف کی طرف بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔اگر ہماری حکومت خود یہ کام کرنے میں ناکام رہتی ہے تو خائن، بدکار اور بدعنوان ہے۔اگر امن عامہ کی صورتحال بہتر ہو، عدلیہ صحیح طریقے سے کام کرے اور ملک میں عدل و انصاف ہو، ایندھن کے ذخائر صحیح طریقے سے استعمال کیے جائیں، خوراک کی فراہمی بہتر ہو تو چاہے پوری دنیا میں قیامت آجائے، ہمارے لوگ بھوکے پیاسے نہیں مریں گے۔ہم اپنی معیشت بہتر بنا سکتے ہیں۔ ہم ایسا معاشی نظام بنا سکتے ہیں جو معاشرے کے غریب ترین افراد کیلئے مفید ہو۔ ہمارا پورا زور اس بات پر ہونا چاہیے کہ آئندہ دس سالوں میں پاکستان کو ایندھن کے معاملے میں خود کفیل کیا جائے۔ یہ کام کرنا ناممکن نہیں ہے۔ جو حکومت یہ کام انجام دے گی وہ نیکی کرے گی۔اپنے ساتھ بھی اور ملک کے ساتھ بھی۔اسکی مدد کرنا عوام کا فرض ہے۔

اب ہم بینکاری کے نظام پر بات کریں گے۔ہم اس اسلامی معاشی نظام پر زور دیتے ہیں کہ جس میں دولت کی مساوی تقسیم ہو یعنی اس میں نہ اپر کلاس ہو، نہ مڈل کلاس اور نہ ہی لوئر کلاس بلکہ ایک حد تک سبھی کی ضروریات پوری ہوتی ہوں۔تاریخ میں غریب اور امیر طبقے ہمیشہ سے رہے ہیں مگر کوئی بھی شخص غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر نہیں کر رہا ہوتا تھا۔اسلامی معاشی نظام کی بدولت کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو فاقے کر رہا ہو، بھوکا پیاسا ہو، اس کو علاج معالجے، لباس، سواری اور تفریح جیسی سہولیات میسر نہ ہوں۔ایسی صورتحال میں کوئی لوئر کلاس نہیں رہتی بلکہ وہ لوگ مڈل کلاس کا حصہ بن جاتے ہیں۔معاشرے میں مڈل کلاس کی تعداد ہی سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔غریب افراد کم سے کم ہوں یا ہونے ہی نہیں چاہئیں۔ ہماری تاریخ میں ایسا بھی وقت آیا ہے کہ لوگ زکوۃ لے کر پھرتے تھے مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔زکوۃ کے مستحقین خوشحال ہو چکے تھے یا اس قدر غیرت مند تھے کہ زکوۃ لینا نہیں چاہتے تھے بلکہ خود کمانا چاہتے تھے اور ان کو کمانے کے مواقع بھی میسر تھے۔

اسلامی نظام میں انسان کو عزت اور خودداری کیساتھ روزگار دیا جاتا ہے۔ پورا معاشرہ آپ کا دھیان رکھتا ہے اور کفالت کرتا ہے۔ کسی شخص کو اپنے بچوں کیلئے پرائیویٹ انشورنس نہیں کروانی پڑتی۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مرے گا تو اس کی ذمہ داری بھی مجھ پر عائد ہوگی۔ دنیا کا کوئی اور معاشی نظام اس طرح کی مثال نہیں پیش کرسکتا کہ خلیفہء وقت ہزاروں میل دور بھوکے مرنے والے کتے کی ذمہ داری بھی قبول کرے۔ یہ اسلامی معاشی نظام ہے۔ اس سے ملنے والے فوائد مغربی معاشی نظام کی بدولت حاصل نہیں کیے جاسکتے جس کی بنیاد ہی امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنانے پر رکھی جاتی ہے۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ برطانیہ میں 97% دولت پرائیویٹ بینکوں کے ذریعے گردش کرتی ہے۔ حکومت صرف 3% کیش کنٹرول کرتی ہے یعنی وہ بنیادی اصول کہ دولت کو چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے دو، تباہ ہو کے رہ گیا ہے۔ اسلامی معاشی نظام اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلامی معاشی نظام میں پرائیویٹ بینکوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پرائیویٹ بینکوں کی بنیاد فریکشنل ریزرو بینکنگ، پیپر کرنسی اور چند افراد کے کیش سپلائی کنٹرول پر ہوتی ہے۔ فریکشنل ریزرو بینکنگ کے ذریعے معاشرے میں افراط زر پھیلتا ہے۔ افراط زر کے نتیجے میں مہنگائی ہوتی ہے۔ یہ لوگ ناموجود پیسے کو بھی کھاتوں میں دکھا دیتے ہیں۔ نتیجتاً پورے معاشرے میں مصنوعی دولت کی ترسیل یا رسد شروع ہو جاتی ہے۔ حقیقتاً اتنے بینک نوٹ نہیں ہوتے۔ 100 روپے کے بدلے یہ لوگ 2000 روپے جاری کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسا معاشرہ جس کی پیداواری صلاحیت زیادہ نہ ہو، وہاں اتنی مقدار میں نوٹ جاری ہونے سے بگاڑ ہی پیدا ہوگا۔ ہمارا معاشرہ بھی ایسا ہی ہے۔

ایک مستحکم معاشی نظام میں، جس کی بنیاد حقیقی دولت پر رکھی گئی ہو، کیش سپلائی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔ نتیجتاً مارکیٹ میں موجود اشیاء کی تعداد بھی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے لہذا افراط زر نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جب اشیاء کی تعداد نہیں بڑھتی اور کیش سپلائی بڑھ جاتی ہے تو اسے افراط زر کہتے ہیں۔ اس طرح سب لوگ مارکیٹ میں موجود محدود اشیاء کو لینے کیلئے بھاگتے ہیں۔ نتیجتاً قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ یہ سادہ سا اصول فریکشنل ریزروبینکنگ کی وجہ سے وجود میں آتا ہے جس کے بغیر کوئی بھی پرائیویٹ بینک گزارا نہیں

کرسکتا۔ آج پاکستان میں سٹیٹ بینک کا یہ اصول ہے کہ پرائیویٹ بینکوں کو 16 یا 17% ریزرو رکھنے پڑتے ہیں۔ باقی 80 یا 90% تک یہ اپنے ڈپازٹ سے قرض دے سکتے ہیں۔ اگر آپ ان سے کہیں 90 فیصد ڈیپازٹ خود رکھیں اور 10 فیصد قرض دیں تو بقول ان کے یہ ممکن نہیں ہوگا۔ ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور ان کے بینک خود بخود بند ہونا شروع ہو جائیں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلے کو حل کیسے کیا جائے۔ اگر آپ نے اپنے معاشرے کو درست کرنا ہے، ایک اسلامی معاشی نظام اپنانا ہے جو صیہونی معاشی نظام سے ہٹ کر ہو تو آپ کچھ عرصے کیلئے پیپر کرنسی استعمال کریں، جب تک کہ آپ کے پاس حقیقی دولت اور سونا نہ ہو۔ لیکن بنیادی اصول یہ ہونا چاہیے کہ پیسے کی تمام رسد حکومت کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے پرائیویٹ بینکرز کے ہاتھوں میں نہیں۔ ہم آپ کو پرائیویٹ بینکرز خصوصاً 1920ء میں بینک آف انگلینڈ کے چیئرمین کے بیانات سے متعلق بتاتے ہیں جس میں اس نے بینکرز کی ایک کمیونٹی سے بات کرتے ہوئے یہ کہا کہ ''بینکرز وہ لوگ ہیں جو معاشروں کو تباہ کرتے ہیں۔ پوری دنیا کو ہم نے فساد میں مبتلا کیا ہوا ہے اور اگر کائنات میں امن وسکون چاہیے تو پرائیویٹ بینکوں کو ختم کرنا ہوگا''۔

یہ بینک آف انگلینڈ کے چیئرمین کا 1920ء میں دیا گیا بیان ہے۔ اگر آپ ہماری ویب سائٹ www.brasstacks.biz پہ جا کر ہمارے پالیسی پیپرز دیکھیں تو اس میں یہ پورا آرٹیکل موجود ہے۔ اگر کسی معاشرے میں فلاح اور خیر کو فروغ دینا ہے، دولت کی مساوی تقسیم کرنی ہے، اسے افراط زر اور مہنگائی سے بچانا ہے اور طبقوں کی مساویانہ تقسیم کرنی ہے تو پرائیویٹ بینکوں کو ختم کرنا پڑے گا۔ ہماری حکومتیں پرائیویٹ بینک ختم تو نہیں کر رہیں مگر ان کو محدود کرنا پڑے گا۔ پوری دنیا سے پرائیویٹ بینک ہمارے ملک میں آ کر سرمایہ کاری کر رہے ہیں اور انہوں نے ہمارے معاشرے کو کنزیومر سوسائٹی بنا دیا ہے۔ کریڈٹ کارڈ اور لیزنگ کے ذریعے ہمیں قرض میں جکڑ دیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو اپنی ضروریات زندگی کی خاطر جدوجہد کرتے تھے، اب اپنی خواہشاتِ نفس پوری کرنے کیلئے پاگل ہو رہے ہیں۔ پورے معاشرے کو بے ترتیب اور تباہ کر دیا گیا ہے۔ پرائیویٹ بینکرز کی یہی خصوصیت ہے کہ انکا مقصد صرف اور صرف منافع ہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگر کوئی اپنے

معاشرے کو تباہی و بربادی سے بچانا چاہتا ہے تو اس کو پرائیویٹ بینکنگ سسٹم ختم کرنا پڑے گا۔ اگر پیپر کرنسی کا استعمال ناگزیر ہو تو وہ بھی ریاست کے کنٹرول میں ہونی چاہیے۔ سب سے بڑا فتنہ پرائیویٹ بینک ہیں اور ہمیں اس فتنے کو ختم کرنا پڑے گا۔

پرائیویٹ بینکاری کے نقصانات

اب تک ہم موجودہ معاشی نظام کی تاریخ پر خاصی بحث کر چکے ہیں۔اس کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ کس طرح نجی بینکار معاشرے کو تبدیل کرنے اوراس کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ پرائیویٹ بینک کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اسکے نتیجے میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جن کا مقصد صرف منافع نہیں ہوتا بلکہ ان میں لالچ کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ان کا مقصد معاشرےاورلوگوں کواپنے قبضے میں کرنا ہوتا ہے۔

جب دولت چندلوگوں کے ہاتھوں میں سمٹ جائے تو تباہی کا سامان یہیں سے شروع ہوجاتا ہے۔ قرآن اور حدیث کے مطابق معاشی ترقی کا بنیادی اصول یہی ہے کہ معاشرے کی دولت چندلوگوں کے ہاتھوں میں اکٹھی نہ ہونے دی جائے۔ دوسرا طریقہ جس کے ذریعے صیہونی معاشرے میں رباءاورسود پر مبنی معاشی نظام کوترویج دیتے ہیں، وہ فریکشنل ریزرو بینکنگ ہے۔فریکشنل ریزرو بینکنگ کا مطلب ہم پہلے بھی آپ کو بتا چکے ہیں کہ کسی کے پاس سوروپے موجود ہوں اور وہ بار بار انہی سوروپے کا قرض مختلف لوگوں کو دیتا رہے۔فریکشنل ریزرو کے ذریعے سود پر قرض دیا جاتا ہے۔ایک منصوبے کے تحت عالمی معاشی نظام کوسونے سے پیپر کرنسی پر منتقل کیا گیا۔ پیپر کرنسی کے بعد ڈیجیٹل کرنسی اور ڈیجیٹل کرنسی کے بعد چپس (Chips) میں تبدیل کر دیا جائیگا۔اس سارے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذریعہ پرائیویٹ بینک ہیں۔

پرائیویٹ بینکوں کا ایک ہتھیار پیپر اور ڈیجیٹل کرنسی ہے۔ ان کا دوسرا ہتھیار سوداور رباء جبکہ تیسرا ہتھیار فریکشنل ریزرو ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں مہنگائی پھیلتی ہے۔خودسوچیے ہم اس شخص کو جوخود کش حملے کے ذریعے کئی لوگ مار دیتا ہے، مذہبی دہشت گرد کہتے ہیں۔ کیاان لوگوں کو دہشت گردنہیں کہنا چاہیے جواس معاشی نظام کے ذریعے معاشی دہشت گردی پھیلا رہے ہیں؟اس صیہونی معاشی نظام کی

بدولت کروڑوں لوگ مرتے ہیں اور بینکاری کے اس نظام کے ذریعے اگلے بیس سالوں میں 5 ارب لوگوں کو غربت، بھوک اور دیگر ذرائع سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جا چکا ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں سے اتنے لوگ قتل نہیں ہوں گے جتنے اس جدید بینکاری نظام کی بدولت مریں گے۔ پوری دنیا میں پایا جانے والا خوراک اور توانائی کا بحران، مہنگائی، روپے کی قدر کم کرنے کیلئے اپنائی جانے والی حکمت عملی، ذخائر کے بحران، عالمی سطح پر کیا جانے والا خوراک اور توانائی کے ذخائر کا جوڑ توڑ ممکن ہی نہیں ہے جب تک کہ پوری دنیا میں دولت کی گردش ان پرائیویٹ بینکوں کے قبضے میں نہ ہو۔

پرائیویٹ بینکرز خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ دنیا کیلئے لعنت ہیں۔ پرائیویٹ بینک چاہے فیڈرل ریزرو بینک ہوں، بینک آف انگلینڈ ہو یا پاکستان میں قائم بیرونی یا مقامی پرائیویٹ بینک، سب کے سب دنیا کے لیے لعنت ہیں۔ ان میں کام کرنے والے کچھ لوگ مخلص بھی ہوتے ہیں لیکن ان کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایسے نظام کا حصہ بن چکے ہیں کہ جس کے ذریعے قوموں، ملکوں اور معاشروں کو تباہ و برباد کیا جاتا ہے۔ جان پرکنز کی کتاب "The Confessions of an Economic Hitman" کے ذریعے یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بینکاری کس طریقے سے مہنگائی، دولت کی گردش کو قابو کرنے اور قوموں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

پاکستان میں پرائیویٹ بینکوں نے پچھلے چند سالوں میں پورے معاشرے کا نقشہ تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمارے بزرگ ہمیشہ یہ تلقین کرتے تھے کہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ۔ آج ہماری نوجوان نسل کا یہ حال ہے کہ وہ یہی سوچتے رہتے ہیں کہ سود پر قرض لیا جائے اور چھٹیاں قرض لے کر گزاری جائیں۔ خریداری، تعلیم، گاڑی، گھر غرض سب کچھ قرض پر لے لیں۔ تمام معاشرے کو قرض کی لت ڈال دی گئی ہے۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک بن گیا ہے جہاں گاڑی نقد پر مہنگی اور قسطوں پر سستی ملتی ہے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ نقد پر چیز سستی ملتی تھی اور قسطوں پر مہنگی ملتی تھی مگر اب معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اب لوگوں کی خواہشات نفس کو بھڑکایا جاتا ہے اور ان کو ترغیب دی جاتی ہے کہ ان کا فائدہ کریڈٹ کارڈ، چپ کارڈ اور ڈیجیٹل کرنسی استعمال کرنے میں ہے۔ صیہونی معاشی نظام کا مقصد لوگوں کو یہ بات سمجھانا ہے کہ ان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ صیہونیوں کے غلام بن جائیں اور سود پر قرض لے کر عافیت پائیں۔ یوں بظاہر

لوگوں کا طرز زندگی بہت اچھا ہو جاتا ہے مگر ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔ انسان ہر وقت یہ سوچتا رہتا ہے کہ اس نے قرضے کی قسط کب ادا کرنی ہے۔ انسان نے اپنی ضروریات زندگی بڑھا کر اپنے آپ کو مشکل میں ڈال لیا ہے۔

ملک میں پیدا شدہ فسادات ان پرائیویٹ بینکوں کا مرہون منت ہے کیونکہ وہ مغربی نظریات پر عمل پیرا ہیں۔ پاکستان تنہا اس نظام کا شکار نہیں بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہے۔ کمپیوٹر اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی وجہ سے اب یہ وقت آ گیا ہے کہ یہ لوگ پوری دنیا میں ڈیجیٹل معیشت قائم کر سکتے ہیں۔ اس منصوبے پر بہت تیزی سے عمل ہو رہا ہے۔ قرضوں اور ڈیجیٹل کرنسی کو وسیع پیمانے پر مارکیٹ میں پھیلایا جا رہا ہے اور ان کو دنیا کی اعلیٰ ترین چیز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں پہ ہم ایک مثال پیش کرنا چاہیں گے۔ جس طرح پہلے جسمانی غلامی ہوتی تھی، اسی طرح اب معاشی غلامی ہوتی ہے۔ انگریزوں کے نوآبادیاتی نظام میں بھی دو طرح کے غلام تھے۔ ایک وہ جو اپنے مالک کے گھر میں رہا کرتے تھے اور وہیں اپنے آقا کی خدمت کرتے۔ آقا ان کو بہترین لباس مہیا کرتا، وہ آقا ہی کے دستر خوان سے کھانا کھاتے تھے اور اسی ماحول میں رہتے جس ماحول میں آقا رہا کرتے تھے مگر ان کا رتبہ غلام کا تھا۔ دوسرے غلام وہ تھے جو کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ کاٹے جاتے، کوڑے مارے جاتے اور وہ پھانسی پر بھی چڑھا دیئے جاتے تھے۔ انہیں کھانے کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے آقاؤں کے باورچی خانوں کی جانب حسرت سے دیکھتے تھے کہ وہاں سے چند ٹکڑے پھینکے جائیں جن سے وہ اپنا پیٹ بھر سکیں۔

صیہونیوں نے رباء اور سود پر مبنی فریکشنل ریزرو کے ذریعے قرضے دے کر نہ صرف مغربی دنیا بلکہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کو بھی اپنا غلام بنا لیا ہے۔ ان غلاموں کے آقا اور اس صیہونی معاشی نظام کو چلانے والے فری میسنز ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ نظام مغرب میں تو بہت کامیابی سے چل رہا ہے۔ ان کا طرز زندگی بہت خوبصورت ہے اور ان کو ہر طرح کی سہولیات میسر ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ بھی مقروض ہیں۔ یہ وہ غلام ہیں جو آقا کے گھر میں رہتے ہیں لہذا آقا بظاہر ان سے اچھا سلوک روا رکھتا ہے۔ باقی ماندہ دنیا ان فری میسنز کی وہ غلام ہے جو کھیتوں میں کام کرتی ہے اور جن کو گزارا کرنے کیلئے صیہونیوں کے بچے کچے ٹکڑوں پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ غلام بنانے والا ''نوآبادیاتی نظام'' جائز قرار

دے دیا جائے۔موجودہ معاشی نظام کے تحت اچھی زندگی گزارنے والے بھی غلام ہی ہیں۔

قائداعظم نے اپنی آخری تقریر میں یہ کہا تھا کہ انسان نے انسانیت کو غلام بنالیا ہے۔حضرت عمرؓ کا بھی قول ہے کہ ''ماؤں نے تو اپنے بچوں کو آزاد جنا تھا۔تم نے کب سے ان کو اپنا غلام بنالیا ہے''۔انسان اگر آزاد ہونا چاہے تو اس کیلئے صرف یہ کافی نہیں کہ اسکا ایک ملک،جھنڈا اور قومی ترانہ ہو بلکہ آزادی تو یہ ہے کہ انسان خود اپنے پیروں پر کھڑا ہو۔وہ صیہونی معاشی نظام کا غلام نہ ہو بلکہ اپنا رزق خود کمائے۔ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔بصورت دیگر وہ ہمیں تباہ کر دیں گے۔ہماری خوراک کی رسد پر ان کا قبضہ ہے۔ہماری معیشت ان کے قبضے میں ہے۔ہماری معاشرتی اور اخلاقی اقدار تبدیل کر کے رکھ دی گئی ہیں۔ہمارے بزرگوں نے کبھی قرض لے کر ہماری پرورش نہیں کی۔جبکہ آج معاشرے کا ہر شخص قرض لینے کے نت نئے طریقے اختیار کرتا ہے۔معاشرے کی تہذیب بدل گئی ہے۔یہ بہت خطرناک امر ہے کیونکہ اس طرح قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

ہمیں اپنی رفتار تھوڑی آہستہ کرنی پڑے گی اور واپس اس معاشی نظام کی طرف جانا پڑے گا جسے صیہونیوں نے ختم کر دیا ہے۔ان کا دیا گیا معاشی نظام مصنوعی ہے جس کا مقصد لوگوں کو غلام بنانا ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کا بنیادی ذریعہ پرائیویٹ بینک ہیں خواہ وہ بین الاقوامی ہوں یا مقامی۔اگر ان بینکوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنیادی ضروریات کس طرح پوری ہوں گی مثلاً پیسے کس طرح منتقل ہوں گے،چیک کہاں سے کیش ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

پاکستان میں سرکاری بینک بھی موجود ہیں۔سرکاری بینکوں کا مقصد منافع کمانا یا لالچ نہیں ہوتا۔اس کے برعکس پرائیویٹ بینک دن رات اپنا پیسہ بڑھانے کیلئے لوگوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔وہ معاشرے پر اپنا قبضہ چاہتے ہیں۔جیسا کہ بینک آف انگلینڈ کے چیئرمین نے بھی کہا تھا کہ اگر ہم سے ساری دولت واپس لے لی جائے اور ہمیں صرف ڈیپازٹ کرنے کا اختیار دیا جائے تو ہم راتوں رات ساری دنیا کو پھر سے خرید سکتے ہیں۔اس قدر طاقت صرف پرائیویٹ بینکوں کو حاصل ہے۔ایک انسان کی بنیادی ضروریات یہ ہیں کہ وہ اپنے پیسے بینک میں جمع کر سکے،نکال سکے،چیک جاری کر سکے اور پیسے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکے۔یہ سب کام سرکاری بینک بھی کر سکتے ہیں۔معاشرے کو تباہ کرنے والے تمام عناصر مثلاً

ڈیجیٹل کرنسی، کریڈٹ کارڈ، ڈیجیٹل معیشت، فریکشنل ریزرو وغیرہ پرائیویٹ بینکوں سے وابستہ ہیں۔

اب ہم اس حوالے سے بات کریں گے کہ حکومت وقت کو کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔ اپنے معاشرے کو مہنگائی، افراطِ زر، پیسے کی کم قدر، کرپشن، اخلاقی بگاڑ، ڈیجیٹل معیشت اور صیہونی معاشی نظام سے بچانے کیلئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ پرائیویٹ بینکوں کو ختم کر دیا جائے۔ اگر آپ صیہونیوں کی اصلی دستاویزات دیکھیں تو اُن میں انہوں نے اپنے عزائم کا اظہار کیا ہوا ہے کہ اپنا عالمی معاشی نظام قائم کرنے کے بعد وہ اپنے قبضہ شدہ علاقوں میں کسی اور کو پرائیویٹ بینک قائم کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ صرف ان کے سرکاری بینک کام کریں گے جن پر ان کا اپنا کنٹرول ہوگا۔ انہوں نے خود تو دوسروں کے علاقوں میں پرائیویٹ بینک قائم کیے ہوئے ہیں مگر جب ان کا قبضہ ہو جائے گا تو وہاں کسی اور کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے۔ تب وہ خود عالمی معیشت کو کنٹرول کریں گے۔ ان کو اس بات کا احساس ہے کہ جو بینک حکومت سے الگ اپنی پالیسیاں ترتیب دیتے ہیں اور معاشرے کی معاشی، اخلاقی اور معاشرتی ساخت تبدیل کرتے ہیں، وہ انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔

یہ بات تو طے ہے کہ صیہونیوں کے قائم کردہ پرائیویٹ بینک زہر کی مانند ہیں۔ انہیں ختم کرنا ناگزیر ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر معاشرے میں پیسے کی گردش کون کنٹرول کرے گا۔ پرائیویٹ بینکوں کی حوصلہ شکنی کا طریقہ یہ ہے کہ آپ سود پر کاروبار کرنے سے انکار کر دیں۔ اس طرح پرائیویٹ بینک خود بخود ہی بند ہو جائیں گے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ فریکشنل ریزرو پر بینکاری کرنے سے انکار کر دیں۔ جتنا پیسہ آپ کے پاس موجود ہے اتنا ہی قرض دیں۔ اس سے زیادہ قرض دینے سے انکار کر دیا جائے۔ معاشرے کو دھوکہ دینے کے طریقہ کار مثلاً کریڈٹ کارڈز، ڈیجیٹل کرنسی، لیزنگ، لینڈنگ، لون وغیرہ ختم کر دیئے جائیں۔ یوں پرائیویٹ بینکوں کو منافع نہیں ملے گا اور وہ بند ہو جائیں گے۔

پرائیویٹ بینکوں کے کاروبار کی بنیاد رباء اور سود پر ہے جس کی مختلف شکلیں ہیں۔ سود بذات خود ایک بہت بری چیز ہے۔ فریکشنل ریزرو سود سے بھی زیادہ ناپاک چیز ہے اور پیپر کرنسی اس سے بھی زیادہ نقصان دہ۔ جبکہ صیہونیوں کا معاشی نظام انہی چیزوں پر چل رہا ہے۔ اگر ہم ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نکال دیں تو یہ نظام تباہ و برباد ہو جائیگا۔ ہم ایک ایسے معاشرے میں رہ رہے ہیں جس میں پیپر کرنسی کو راتوں

رات حقیقی دولت یعنی سونے سے تبدیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ پیپر کرنسی کے حوالے سے سب سے بری بات یہ ہے کہ دولت کی گردش پرائیویٹ ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں دولت کی گردش کو پرائیویٹ ہاتھوں سے نکال کر ریاست کے کنٹرول میں دینا ہے۔

سرکاری بینک وہ تمام خدمات انجام دے سکتے ہیں جو ایک معاشرے کو اپنا نظام چلانے کیلئے چاہئیں مثلاً ڈیپازٹ، اکاؤنٹس، پیسے کی منتقلی، قرض وغیرہ۔ سرکاری بینک کیلئے بھی ہم بینک کی اصطلاح اس لیے استعمال کر رہے ہیں کیونکہ وہ بھی پیپر کرنسی پر انحصار کرتے ہیں۔ جب وہ پیپر کرنسی کے بجائے حقیقی دولت پر انحصار کرنے لگ جائیں گے تب ہم ان کو بینک نہیں بلکہ بیت المال کہیں گے۔ سرکاری بینک چونکہ حکومت چلاتی ہے لہذا ان کے وہ مقاصد نہیں ہوتے جو پرائیویٹ بینکوں کے ہوتے ہیں۔ یہ بینک کریڈٹ کارڈ، ڈیجیٹل کرنسی، ڈیجیٹل معیشت، لیزنگ، لوننگ اور لینڈنگ کو فروغ نہیں دیں گے اور یوں معاشرے میں ٹھہراؤ آ جائیگا۔ اس کے لیے بتدریج اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت معاشرے میں قرض، افراط زر اور مہنگائی ہے۔ اس ساری تباہ شدہ صورتحال کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پیپر کرنسی کی موجودگی میں بھی کسی قدر مستحکم پالیسیاں بنائی جا سکیں۔ اس سلسلے میں سرکاری بینکوں کو بہت زیادہ ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیے۔ سرکاری بینکوں پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بھی وہی کام کریں جو پرائیویٹ بینک کرتے ہیں۔

ہم نے پہلے تین چیزوں کا ذکر کیا تھا۔ ایک پیپر کرنسی، دوسری رباء اور تیسری فریکشنل ریزرو۔ نیشنل بینک میں تمام سرکاری اداروں کے اکاؤنٹس ہیں اور سب سود پر قرض لیتے بھی ہیں اور مختلف کارپوریٹ اداروں کو قرض دیتے بھی ہیں۔ اب سرکاری بینکوں کو سود پر کاروبار بند کر دینا چاہیے۔ اس کے باوجود وہ منافع کما سکتے ہیں اور مستحکم رہ سکتے ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ دونوں نے حکومت کو واضح طور پر کہا ہے کہ رباء اور سودی نظام کو ختم کر کے متبادل نظام اپنایا جائے۔ لیکن حکومت یہ کام کرنا ہی نہیں چاہتی تھی لہذا اسکا کوئی دوسرا حل تلاش نہیں کیا گیا۔ فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کے احکامات کو ایک دوسرے کی طرف بھیج کر فیصلہ کرنے کو کہا جاتا ہے لہذا معاملہ التواء کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے انتشار پھیل رہا ہے۔

ان مسائل کا حل بہت سادہ ہے۔ معاشرے کے زر کی رسد جب پرائیویٹ بینکوں کی بجائے سرکاری

بینکوں کے ہاتھ میں ہوگی اور فریکشنل ریز رو بینکنگ پر پابندی عائد کردی جائے گی تو بہت سے مسائل خود بخود ختم ہو جائیں گے۔اس کے علاوہ سودی کاروبار کا خاتمہ کرنا ہوگا۔سرکاری اداروں کو سود پر قرض نہیں لینا چاہیے۔سرکاری بینکوں کو بھی سودی قرض نہیں جاری کرنے چاہئیں۔موجودہ پیپر کرنسی پہ مبنی بینکاری نظام میں بہت سے کام ایسے بھی ہیں جو اسلامی معاشی نظام کا حصہ ہیں مثلاً حلال کاموں میں سرمایہ کاری۔ پاکستانی حکومت کو اب حکم صادر کرنا چاہیے کہ تمام سرکاری ادارے جن کے اکاؤنٹس سرکاری بینکوں میں موجود ہیں وہ نہ تو سود لیں گے اور نہ ہی وصول کرینگے۔اب سود کے خلاف عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کو بہت نظر انداز کر چکے ہیں۔لیکن اب مزید ایسا نہیں کرنا چاہیے۔فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کو سود کے خلاف احکامات جاری کیے ہوئے بیس سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن ان پر تا حال عمل درآمد نہیں کیا گیا۔وزارت داخلہ، وزارت اطلاعات اور دوسری تمام وزارتیں، اگر اپنے بینک اکاؤنٹس پر سود لینا بند کردیں تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔اب سود فوری طور پر بند ہونا چاہیے۔

موجودہ معاشی نظام میں بھی اکاؤنٹس کی بہت سی اقسام ایسی ہیں جن میں سود کا عنصر موجود نہیں مثلاً کرنٹ اکاؤنٹس لیکن پھر بھی شریعت کے مطابق انہیں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا مگر ان کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان سود سے بچ جاتا ہے۔سرکاری اداروں کو سود لینے کی بجائے اپنے پیسوں میں ہی گزارا کرنا چاہیے۔اسکے علاوہ حکومت کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔اگر حکومتی سطح پر کوئی چیز نافذ کی جائے تو اس پر عمل کروانا آسان ہو جاتا ہے۔سود کے خاتمے سے رزق میں کمی نہیں آئے گی اور نہ ہی قیامت برپا ہوگی۔ لیکن سود سے نا اتفاقی اور رزق میں بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔حکومت نیشنل بینک اور سٹیٹ بینک کے اکاؤنٹس پر سود لینا بند کرے۔اس کے علاوہ نیشنل بینک کارپوریٹ لینڈنگ یعنی صوبوں اور اداروں کو جو قرض دیتا ہے، وہ بغیر سود کے دینا چاہیے۔صورتحال یہ ہے کہ ایک ادارہ دوسرے کو، دوسرا تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو سود پر قرض دے رہا ہے۔یہ خرافات بند ہونی چاہیے۔بہت سے ایسی جگہیں ہیں جہاں نیشنل بینک اور سٹیٹ بینک سرمایہ کاری کر کے منافع کما سکتے ہیں۔سرکاری بینکوں کو ایسے ہی ذرائع سے منافع کمانا چاہیے جن میں سود شامل نہ ہو۔کچھ نام نہاد اسلامی بینکوں نے خود کو کچھ خاص قسم کی ٹرانزیکشنز تک محدود

کرلیا ہے۔اس سے یہ نظام اسلامی نظام نہیں بن جائے گا کیونکہ رباءاور فریکشنل ریزرو کی بنیاد پر قائم نظام کبھی بھی اسلامی نظام نہیں ہوسکتا۔

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ تمام سرکاری بینکوں سے فریکشنل ریزرو بینکنگ، رباءاور سود کو ختم کردیا جائے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے معاشی ترقی کی رفتار آہستہ ہوجائے گی۔اس اقدام سے معاشی ترقی کی رفتار آہستہ نہیں بلکہ مستحکم ہوگی۔سٹیٹ بینک جب بھی افراط زر پر قابو پانا چاہتا ہےتو شرح سود بڑھادیا جاتا ہے یعنی غلط کام کو غلط کام سے ہی روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔جبکہ فطری طریقہ یہ ہے کہ مصنوعی زر کی رسد، رباءاور فریکشنل ریزروغیرہ کو کنٹرول کیا جائے۔

فی الحال ہم کاغذی کرنسی پر مبنی معاشی نظام کو ٹھیک کرنے کی بات کریں گے کہ اس ماڈل کو بہتر کیسے کیا جاسکتا ہے؟ یعنی ہم اس نظام کو مکمل ناپاک حالت سے ایک ایسی حالت میں لا سکتے ہیں جہاں صورتحال کسی حد تک مستحکم ہوجائے اوراس کے بعد پیپر کرنسی کو حقیقی دولت سے تبدیل کیا جاسکے۔اس کیلئے ہمیں رباء، فریکشنل ریزرو اور پرائیویٹ بینکنگ کو روکنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ نظام کبھی بھی مستحکم نہیں ہوسکتا۔صیہونی معاشی نظام کے اہم ستون رباء،فریکشنل ریزرو، پرائیویٹ بینک اور پیپر کرنسی ہیں۔اگر ہم پہلے تین ستون ختم کردیں اور چوتھے ستون کو حقیقی دولت سے تبدیل کردیں تو ہم ایک متبادل معاشی نظام بنا سکتے ہیں۔یہ سب اقدامات ہم اس لیے بتارہے ہیں کیونکہ یہ قابل عمل ہیں۔حکومت نے عوام کو بے وقوف بنارکھا ہے کہ چودہ سو سال پہلے جو معاشی نظام رائج تھا وہ آج قابل عمل نہیں ہے اور یوں موجودہ معاشی نظام عوام پر مسلط کردیا گیا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر لوگوں کی ضروریات کس طرح پوری ہوں گی۔اس کے لیے لوگ حکومتی بینکوں سے شراکت کی بنیاد پر قرض بھی لے سکتے ہیں۔آج نام نہاد اسلامی بینک موجود ہیں جولوگوں کو شراکت کی بنیاد پر قرض دے رہے ہیں۔یہ کام نیشنل بینک اور سٹیٹ بینک بھی کرسکتے ہیں۔لوگوں کی بنیادی ضروریات مثلاً پیسے کو محفوظ رکھنے کیلئے اکاؤنٹ کھولنا، پیسہ کی منتقلی وغیرہ یہ تمام ضرورتیں ریاستی بینکوں کے ذریعے بھی پوری ہوسکتی ہیں۔ان بینکوں کا مقصد منافع کمانا نہیں ہوتا لہذا ان پر لازم ہے کہ یہ سود پر کاروبار نہ کریں۔جب ایک چھوٹا سا بینک سود کے بغیر کام کرنے کا تجربہ کرسکتا ہےتو حکومتی بینک ایسا

کیوں نہیں کرسکتا؟ حکومت کو پرائیویٹ بینک ختم کر کے ریاستی بینکوں کے ذریعے ہی کام چلانا چاہیے جو کہ غیر سودی بینکاری کریں۔

ان تمام باتوں سے قطعاً یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ غیر سودی بینکاری جائز اور حلال ہے۔ یہ جائز اور حلال نہیں ہے کیونکہ یہ نظام بھی پیپر کرنسی پر ہی انحصار کرتا ہے۔ حقیقی دولت پر نہیں۔ لیکن چونکہ ابھی ہم نے اس نظام کو مکمل طور پر تبدیل نہیں کیا لہذا یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ منافع اور سود والے اکاؤنٹس کی بجائے کرنٹ اکاؤنٹس رکھیں۔ موجودہ معاشی نظام اجتماعی خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ نظام کئی معاشروں کو تباہ و برباد کر چکا ہے اور مزید کو بھی تباہ و برباد کریگا۔

چوتھا قدم یہ ہے کہ حکومت معاشی اطمینان یقینی بنائے۔ جیسا کہ مغرب میں آجکل کئی فلاحی ریاستیں قائم ہیں۔ ہمیں فلاحی ریاست کی تعریف بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت سے مغربی لوگ اپنے گھر میں رہنے والے غلاموں کا بہت خیال کرتے ہیں۔ انگلینڈ اور امریکہ کے لوگ بھی ان بینکوں کے غلام ہیں لیکن یہ وہ غلام ہیں کہ جو گھر کی چاردیواری کے اندر ہی رہتے ہیں لہذا ان کو بہتر کھانا اور بہتر کپڑے ملتے ہیں اور ان کی زندگی بہتر طریقے سے بسر ہورہی ہے۔ وہ اپنے مالک کے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا طرز زندگی بہت اعلیٰ ہے۔ درحقیقت صورتحال یہ ہے کہ پچھلے چھ ماہ میں انگلینڈ میں 45 ہزار لوگ صرف اس وجہ سے بے گھر ہو چکے ہیں کہ وہ قرض پر سود نہیں ادا کر سکے لہذا ان کو گھروں سے نکال کر سڑکوں پر پھینک دیا گیا ہے۔ یہ تعداد پچھلے بیس برس میں سب سے زیادہ ہے کیونکہ مہنگائی نے لوگوں کو شدید متاثر کر رکھا ہے۔ خوراک کے عالمی بحران نے سب کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ آسٹریلیا اور امریکہ میں بحران اس سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔ جو لوگ گھروں کی قسطیں ادا نہیں کر پا رہے، وہ سڑکوں پر پھینکے جا رہے ہیں۔ مغرب میں پائے جانے والے وہ غلام جو پہلے آقا کے گھر میں رہا کرتے تھے، اب گھروں سے کھیتوں میں پہنچ گئے ہیں۔ اس نظام کی وجہ سے ہر معاشرے کے افراد تکلیف سے دوچار ہیں۔

ماضی میں امریکی صدر کینیڈی نے فیڈرل ریزرو سسٹم کو توڑنے کیلئے براہ راست ایک متوازی نظام قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ کینیڈی نے اپنے نظام کے تحت کینیڈی ڈالرز کا اجراء کیا اور اعلان کیا کہ امریکی حکومت اپنی کرنسی خود جاری کرے گی اور فیڈرل ریزرو سے قرض نہیں لے گی۔ نتیجتاً اس زمانے میں

امریکی کرنسی کا اجراء دو اطراف سے ہو رہا تھا۔ ایک فیڈرل ریزرو اور دوسرا کینیڈی کا قائم کردہ نظام۔ کینیڈی چونکہ اپنے نوٹ چھاپ رہا تھا لہذا اس کو فیڈرل ریزرو سے قرض لینے کی ضرورت نہ تھی۔ موجودہ نظام کو تبدیل کرنے کیلیئے اسکے متوازی ایک اور نظام قائم کرنا پڑے گا جیسا کہ ماضی میں کینیڈی نے کیا تھا۔ اس کو تو صیہونیوں نے قتل کروا دیا مگر اس کے بنائے ہوئے قوانین آج بھی امریکی آئین کا حصہ ہیں۔ اگر آج بھی کوئی امریکی صدر یہ چاہے کہ وہ فیڈرل ریزرو سے قرض نہ لے اور اپنے کرنسی نوٹ خود چھاپے تو وہ یہ کام کر سکتا ہے۔ لیکن کینیڈی کا حشر دیکھ کر کوئی بھی امریکی صدر یہ ہمت نہیں کرتا۔

اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ پاکستان میں حکومت وقت ایک حقیقی بیت المال قائم کرے۔ ایسا بیت المال جس کی بنیاد حقیقی دولت پر ہو۔ یوں ایک ایسی جدید فلاحی ریاست کا قیام ممکن بنایا جائے جہاں لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں۔ انہیں گھر، تعلیم، صحت کی سہولیات، پینے کیلیئے صاف پانی، بجلی، پانی اور گیس جیسی بنیادی سہولیات میسر ہوں۔

اس سے پہلے ہم نے ان اقدامات کی بات کی تھی جو معاشرتی سطح پر ہونے چاہئیں مثلاً کفالت، طعام المسکین، تعلیم اور معاشرتی سطح پر بیت المال کا قیام۔ یہ سارے کام قومی سطح پر بھی ہونے چاہئیں۔ قومی سطح پر اس طرح کا بیت المال نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ آج موجود ہے۔ جب معاشرے میں امانت وخیانت کا دھیان رکھا جائے گا۔ بیت المال کے پیسے کو امانت سمجھ کر خرچ کیا جائے گا تو حالات کافی بہتر ہو سکتے ہیں۔ اس بیت المال میں اشیاء موجود ہوں گی مثلاً گندم اور خوراک کی رسد، چاندی اور سونے کی کرنسی، سونے کے ذخائر جو ابھی سٹیٹ بینک کے پاس ہیں۔ سٹیٹ بینک کا نام حقیقی معنوں میں بیت المال ہونا چاہیے۔

یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد آزاد کشمیر میں سٹیٹ بینک کو بیت المال ہی کہا جاتا تھا۔ بعد میں اس کا نام سٹیٹ بینک رکھ دیا گیا۔ مختصراً یہ کہ ہم نے معاشرتی سطح پر جو اقدامات کرنے کی بات کی تھی، وہی اقدامات قومی سطح پر بھی ہونے چاہئیں۔ اس طرح ملک کے ہر شخص کی ذمہ داری احسن طریقے سے اٹھائی جا سکتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس وسائل ہیں، دولت ہے اور زمین کے خزانے بھی ہیں۔ ہمارے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری بدعنوان قیادت ہے۔ پیپر کرنسی کی وجہ سے ہمارے نوے فیصد ذخائر حرام میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر حکومت صرف انہی وسائل کے ضیاع پر قابو پا

لے تو اس ملک میں کوئی بچہ بھوکا نہیں سوئے گا اور ہر شخص کے سر پر چھت ہوگی۔

اب ہم اگلے قدم کا تعین کرتے ہیں۔جس طرح کینیڈی نے کینیڈی ڈالرز جاری کیے تھے۔اسی طرح بیت المال کو اپنے سونے اور چاندی کے سکے جاری کرنے چاہئیں۔یہ سب سے اہم قدم ہوگا۔جب پاکستان بنا تب بھی چاندی کے سکے تھے۔تب حکومت نے چاندی کے سکوں کو پیپر کرنسی سے باندھ دیا تھا یعنی ایک روپے کی پیپر کرنسی اور ایک روپے کی چاندی کی کرنسی برابر ہوگی۔چند دن بعد چاندی مہنگی ہوگئی اور لوگوں نے چاندی کے سکے پگھلا کر چاندی بنانی شروع کردی اور سکے ختم ہوگئے۔کینیڈی ڈالرز،سکوں اور پیپر دونوں شکلوں میں موجود تھے۔اس طرح حکومت پاکستان کو بھی پیپر اور سکوں دونوں شکلوں میں اپنی کرنسی جاری کرنی چاہیے۔لیکن دونوں کی قیمتیں پہلے سے طے شدہ نہیں ہونی چاہئیں۔ان کی قیمتیں وہ ہونی چاہییں جو بین الاقوامی مارکیٹ میں ہیں۔اگر چاندی کے سکے کی قیمت سو روپے ہو اور بین الاقوامی مارکیٹ میں چاندی کی قیمت بڑھ جائے تو سکے کی قیمت 120 روپے ہو جانی چاہیے۔اس طرح لوگ چاندی کے سکے نہیں پگھلائیں گے بلکہ اس کو کرنسی کے طور پر ہی استعمال کریں گے۔اگر کوئی سونے اور چاندی کے سکوں کو ریزرو کے طور پر رکھے گا بھی تو جیسے جیسے بین الاقوامی مارکیٹ میں سونے اور چاندی کی قیمت میں اضافہ ہوگا تو اس شخص کی بچت کو بھی تحفظ ملتا رہے گا۔

اب سونے اور چاندی کے سکے دوبارہ جاری کرنے کا وقت آ گیا ہے تاکہ مسلمان ان سکوں میں زکوۃ ادا کریں اور اپنی بچت کو سکوں کی شکل میں ہی محفوظ کریں۔ہم نے معاشرتی سطح پر جو اقدامات تجویز کیے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر حکومت سونے اور چاندی کے سکے جاری نہیں کرتی تو جیولرز ایسوسی ایشنز اپنی سونے اور چاندی کی کرنسی جاری کریں۔حکومت کو بھی یہ کام کرنا چاہیے کیونکہ اب لوگوں کو پیپر کرنسی جیسی لعنت سے نجات دلانے کا وقت آ گیا ہے۔پاکستان میں جو بھی مخلص حکومت آئے گی وہ یہ اقدامات ضرور کرے گی۔اس معاشی نظام کو نافذ کرنے کیلئے ہمیں پرائیویٹ بینکوں سے نیشنل بینکوں اور پھر بیت المال کی طرف بڑھنا ہے۔یہ وہ ترتیب ہے کہ جس کی بدولت معاشرے میں تصادم برپا نہیں ہوگا۔یہ تبدیلی آہستہ آہستہ لائی جاسکتی ہے۔جو کام پچھلے پچاس سال سے بدنیت اور بدعنوان حکمران نہیں کرسکے، وہ کام تین سالوں میں ممکن ہے۔صرف نیت اچھی اور نیک ہونی چاہیے۔حکومت کرپشن روکے،

زمین کے خزانے استعمال کرے، خوراک اور ایندھن کی فراہمی کو یقینی بنائے، جدید معاشی نظام کے استحصالی رویے پر قابو پائے تو پھر اس کے پاس خوراک اور سہولیات کی اتنی فروانی ہو جائے گی اور اتنی آمدنی ہوگی کہ وہ سونے اور چاندی کے سکوں کا اجراء کر سکتی ہے۔ آئندہ ابواب میں ہم وہ اقدامات بتائیں گے جو حکومت وقت کو بین الاقوامی سطح پر کرنے چاہئیں یعنی فارن ایکسچینج ریزرو، بین الاقوامی تجارت اور غیر ملکیوں سے تجارتی تعلقات وغیرہ۔

ہم یہ بھی کہنا چاہیں گے کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک دونوں وہ ناپاک معاشی ادارے ہیں جو جس ملک کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں، اس کو تباہ و برباد کر کے چھوڑتے ہیں۔ آئی ایم ایف کے قانون میں یہ لکھا ہے کہ کوئی ملک سونے اور چاندی کے سکوں میں ڈیل نہیں کریگا۔ لہذا حکومت وقت کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو قریب نہ آنے دے۔

پاکستان کی ابتری میں بیرونی قوتوں کا عمل دخل

موجودہ صورتحال میں معاشی دہشت گردی کے خلاف حکومت کو ایسے اقدامات بھی کرنے ہونگے جن کا تعلق بیرونی قوتوں اور طاقتوں سے ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک صیہونی معاشی ماڈل کا سب سے بڑا فتنہ اور گڑھ ہیں۔ یہ ادارے صیہونیوں کے لیے تھنک ٹینک کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے ذریعے وہ دہشت گردی کرتے ہیں۔ انہی کے ذریعے وہ تمام ملکوں کو معاشی غلامی میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کرتے ہیں۔

ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جب بھی کسی ملک کو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ انہیں اپنی شرائط اور اپنی پالیسیوں کی بنیاد پر قرض دیتے ہیں۔ اسے "Structural Reform Package" سٹرکچرل ریفارم پیکج کہا جاتا ہے۔ یعنی ان اصلاحات کے ذریعے اداروں اور معیشت کو کنٹرول کیا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں قرض جاری کیا جاتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اس ملک کے تمام اہم عہدوں پر اپنے آدمی مقرر کروائے جائیں۔ مثلاً سٹیٹ بینک، وزارت خزانہ، سٹیٹسٹکس بیورو وغیرہ۔ یوں یہ ادارے ان کے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ وہ لوگ بظاہر پاکستان کی عوام کے مقرر کردہ ہوتے ہیں لیکن کام صیہونیوں کیلئے کرتے ہیں۔ صیہونی دوسرا قدم یہ اٹھاتے ہیں کہ حکومت وقت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ گیس کی قیمتیں بڑھائیں اور کسانوں کو دی جانے والی سبسڈی اور آسانیاں ختم کریں۔ یوں بجلی، گیس اور پانی کے بل بڑھ جاتے ہیں۔ سبسڈی ختم ہو جاتی ہے اور مختلف قسم کے نئے ٹیکس لگا دیئے جاتے ہیں اور حکومت کو مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ عوام پر مزید بوجھ ڈالے۔ یوں ملکی ترقی کیلئے لیا جانے والا قرض مفید ثابت ہونے کی بجائے قوم اور ملک کی کمر توڑ دیتا ہے۔

اگر کسی قوم نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے تو اسے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے اپنا پیچھا چھڑانا ہوگا۔ اگر تمام ممالک آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی عائد کردہ شرائط قبول کرتے رہے تو یہ ممکن ہی نہیں ہو سکے گا کہ کوئی ملک معاشی طور پر آزاد ہو سکے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی پالیسیاں اس طرح کی ہیں

کہ کوئی ملک دوبارہ سونے کو بطور کرنسی استعمال نہیں کر سکتا جبکہ ہم نے سونے کی کرنسی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ دنیا کے وہ تمام ممالک جو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، انہیں ان اداروں کے خلاف جنگ کرنی ہے۔ جب بھی کوئی ملک اپنے آپ کو آزاد کرانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی سب سے پہلی لڑائی آئی ایم ایف یا ورلڈ بینک سے ہوتی ہے۔

اب ہم ان اقدامات پر بات کریں گے جو معاشی طور پر آزاد ہونے کیلئے حکومت وقت کو کرنے چاہئیں تا کہ ملک اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔ سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ حکومت ڈالر کو رد کر دے اور ڈالر پر مبنی معاشی نظام سے اجتناب کرے۔ جس طرح ہمیں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف سے دور بھاگنا ہے اسی طرح ڈالر پر مبنی معاشی نظام کا متبادل بھی تلاش کرنا ہے۔ کاغذ کے معاشی نظام، فلیش کریڈٹ معاشی نظام، فریکشنل ریزروبینکنگ کو آپس میں ٹکرا کر بھی تباہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں مسلمان ایک بہترین معاشی نظام ترتیب دے سکتے ہیں۔ جس طریقے سے سلطنتِ روم اور فارس حضورؐ کے دور میں آپس میں ٹکرائیں تو ان کے درمیان سے مسلمانوں نے اپنا راستہ نکالا۔ اسی طرح آج کل کی معاشی جنگوں میں بھی مختلف تہذیبوں اور مختلف کرنسیوں کو آپس میں ٹکرایا جا سکتا ہے۔ یہ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ان پرائمری کرنسیوں کو رد کریں۔ ان کو توڑیں اور تباہ کریں تا کہ کفر کے نظام کو تباہ کرنے کیلئے ہمیں راکٹ اور میزائل داغنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امریکہ نے ایران کے خلاف طوفان کھڑا کیا ہوا ہے اور اس سے پہلے انہوں نے عراق کے خلاف طوفان کھڑا کیا ہوا تھا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ پوری دنیا میں تیل کی تجارت ڈالر میں ہوتی ہے اور اس طرح پوری دنیا کے تضویاتی اثاثے اور فارن ایکسچینج ریزرو ڈالرز میں بنتے ہیں۔ جسکی وجہ سے پوری دنیا کو ڈالرز میں توانائی خریدنی پڑتی تھی۔ پہلے عراق اور اب ایران نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ تیل کی فروخت ڈالرز کی بجائے یورو (Euro) میں ہونی چاہیے۔ اسی وجہ سے امریکہ نے عراق پر حملہ کیا۔ پھر ایران نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ کچھ ہی عرصے میں ڈالر کی بجائے تیل کی فروخت یورو میں کریگا اور اس کام میں روس اور وینزویلا ایران کے ساتھ شریک ہیں۔ انہوں نے اس فیصلے کے مطابق آئل و گیس ایکسچینج قائم کر دیا ہے جو کہ یورو میں ہے۔ اسکے نتیجے میں دنیا کے وہ تمام ممالک جو روس، ایران اور وینزویلا سے تیل اور گیس خریدتے ہیں وہ اپنے اثاثے ڈالرز سے یورو میں تبدیل کرنا شروع

کر دینگے۔نتیجتاً ڈالر کی قیمت گرنا شروع ہوجائیگی اورامریکی معیشت پر اسکا بہت برااثر پڑے گا۔

فی الوقت لندن اور نیو یارک آئل ایکسچینج یہودی صیہونی کنٹرول کررہے ہیں اور دونوں ڈالرز میں ہیں۔اس کے مقابلے میں ایران نے اپنا سب سے طاقتور ہتھیار چلانے کی بات کی ہے۔لیکن ابھی تک اس ہتھیار کو چلایانہیں گیا بلکہ صرف دھمکیاں دی جارہی ہیں لیکن یہ اتنا اچھا تصور ہے کہ آپ ڈالر کو رد کر کے اپنے فارن ایکسچینج اور بین الاقوامی تجارت ان تمام کرنسیوں میں کریں جو کہ ڈالر کے مقابلے میں ہوں۔کفر کا نظام دنیا کے وسائل و ذخائر پر قبضہ کرنے کے لیے آپس میں مدمقابل ہے۔ایک کرنسی کو دوسری کرنسی سے ٹکرا کر تباہ کیا جاسکتا ہے۔دونوں کرنسیاں اس طرح کمزور ہونگی جیسے رومی اور فارسی سلطنتیں آپس میں ٹکرا کر کمزور ہوگئی تھیں۔اس کا فائدہ مسلمانوں کو ہوگا۔اس وقت پاکستان کے تمام تضویاتی اثاثے ڈالرز میں ہیں جبکہ پچھلے کئی برس سے ڈالر مار کھا رہا ہے۔

افغانستان اور عراق میں امریکہ جو جنگیں لڑ رہا ہے، ان میں چین، جاپان اور سعودی عرب سے قرض لے کر پیسہ لگا رہا ہے۔ یہ تمام مما لک امریکہ کو قرض کے طور پر ڈالر دے کر ان سے بانڈز خرید رہے ہیں۔جس کے نتیجے میں امریکی حکومت اس قدر مقروض ہوچکی ہے کہ اب ان مما لک کو کوئی امید نہیں ہے کہ ان کا یہ قرض واپس ہوسکے۔جس دن چین، جاپان یا سعودی عرب نے امریکی بانڈز خریدنے بند کر دیئے یا یہ فیصلہ کرلیا کہ اب وہ امریکی جنگ کے لیے مزید مالی امداد نہیں دینگے تو اس دن ڈالر اسی طرح گرے گا جیسے ہوائی جہاز کا انجن بند کر دیا جاتا ہے۔خود امریکہ کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر دنیا کے تمام مما لک نے یورو میں تجارت کرنا شروع کر دی تو امریکی معیشت تباہ ہوجائے گی۔خصوصاً توانائی کے میدان میں تو سارا زرمبادلہ چین کے پاس ہے۔سعودی عرب اور دوسرے مختلف مما لک نے اپنے پاس کئی ارب ڈالر جمع کرر کھے ہیں اور وہ تمام ڈالرز اور کرنسی کسی طرح بھی واپس امریکی معیشت میں جذب نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔اسی لیے امریکہ نے یہ تصور دیا ہے کہ ایسی صورت میں ڈالرز کو ہی ختم کر دیا جائے اور ایمرو (AMERO) استعمال کی جائے جو کہ نئی شمالی امریکی کرنسی ہے۔

پاکستان کو اپنے فارن ایکسچینج اثاثے ڈالر سے کسی دوسری کرنسی میں تبدیل کر لینے چاہئیں۔ یہ آزادی ہمیں ایسے نہیں ملے گی بلکہ ہمیں چھین کے لینی ہوگی۔دنیا ہمارے ایٹمی ہتھیاروں سے بہت خوفزدہ ہے۔

انہیں خدشہ ہے کہ کہیں پاکستان یہ اعلان نہ کر دے کہ ہم سودا نہیں کریں گے۔ جس لمحے حکومت پاکستان نے یہ اعلان کیا تو دنیا کے مزید دوسو ممالک بھی ایسا ہی کریں گے کیونکہ ہر ملک پس رہا ہے۔ اگر غریب ممالک ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو جائیں تو پھر یہ کس کس سے لڑیں گے؟ ان کے خلاف ہمیں اٹھنا پڑیگا۔ یاد رکھیے گا اسلام بزدلوں کا نہیں بلکہ دلیروں کا دین ہے۔ ہمیں اپنے دین، عزت و آبرو اور اپنی معیشت کو بچانے کیلئے بروقت اور ٹھوس فیصلے کرنے ہونگے اور اس کیلئے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔

سٹاک مارکیٹیں

جہاں تک اسٹاک مارکیٹ کا تعلق ہے تو یہ تصور سب سے پہلے صیہونیوں نے اس وقت متعارف کروایا۔ جب وہ جدید بینکاری نظام متعارف کروا رہے تھے۔ چنانچہ موجودہ دور میں اسٹاک مارکیٹ معاشی نظام کو قابو میں رکھنے کا ایک بنیادی آلہ ہے۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کے ذریعے صیہونی براہ راست عالمی معیشت کو کنٹرول کرتے ہیں۔ سٹاک مارکیٹ میں شیئرز کے ذریعے کاروبار کیا جاتا ہے یعنی پی آئی اے، پاکستان ریلوے یا اس قسم کی کسی بھی بڑی کارپوریشن کو اپنے وسائل بڑھانے کیلئے مارکیٹ میں شیئرز پیش کرنے پڑتے ہیں جو مختلف لوگ خرید لیتے ہیں۔ شیئرز خریدنے کے بعد آپ اس کمپنی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر آپ امید کرتے ہیں کہ سال کے سال آپکو منافع ملتا رہے اگر اس کمپنی کا کاروبار حرام نہیں ہے تو پھر تو یہ آمدن کا ایک اچھا ذریعہ ہے لہذا یہاں تک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسائل اس وقت شروع ہوتے ہیں جب اسٹاک مارکیٹ قائم کی جاتی ہے۔

سٹاک مارکیٹ ایک ایسی جگہ ہے جہاں بروکرز موجود ہوتے ہیں اور وہاں مختلف کمپنیوں کے شیئرز لوگوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت اسی جگہ پر ہو رہی ہوتی ہے اور حصص کی خرید وفروخت کیلئے دونوں فریقوں کے مابین رابطہ رکھنا بروکر کا کام ہوتا ہے اور وہ اس خرید و فروخت سے کمیشن حاصل کرتا ہے۔ کمپنی ہر سال اپنی آمدن میں سے شیئر ہولڈرز میں منافع تقسیم کرتی ہے۔ مثلاً اگر آپ نے آئل اینڈ گیس کارپوریشن کے سو شیئرز خرید رکھے ہیں تو آپکو سالانہ منافع (Dividend) حاصل ہوگا۔ جب آپ یہ شیئرز خریدتے ہیں یا فروخت کرتے ہیں تو بروکر دونوں جانب سے اپنا کمیشن وصول کرتا ہے۔ بہت سے لوگ صرف اس لیے شیئرز خریدتے ہیں تاکہ وہ سالانہ منافع کی بجائے کمیشن حاصل کرسکیں۔ یہاں اس فرق کو سمجھنا چاہیے کہ اگر میں اپنے پاس موجود شیئرز فروخت کرتا ہوں اور فوراً دوسری کمپنی کے شیئرز خرید لیتا ہوں اور اگلے روز پھر وہ فروخت کر دیتا ہوں اگر تو منافع کی

شرح کم ہے تو میں خرید وفروخت فوراً روک دونگا۔ یعنی یہاں آپ شیئرز کی خرید وفروخت سالانہ منافع کیلئے نہیں بلکہ ان حصص کی خرید وفروخت سے حاصل ہونے والے کمیشن کیلئے کر رہے ہیں۔ اب یہاں منافع تین مختلف طریقوں سے حاصل کیا جا رہا ہے۔ ایک وہ جو کمپنی سالانہ منافع کے طور پر شیئرز رکھنے والے شخص کو ادا کرتی ہے۔ دوسرا شیئرز کی خرید وفروخت سے حاصل ہونے والا منافع اور تیسرا وہ جو بروکر شیئرز کی خرید وفروخت سے حاصل کرتا ہے۔ پہلا طریقہ تو ٹھیک ہے لیکن باقی دونوں طریقے جوئے اور سٹے بازی کے زمرے میں آتے ہیں۔ اکثر مارکیٹ میں افواہ پھیلا دی جاتی ہے کہ فلاں کمپنی کے حصص نیچے گرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے حصص خرید کر سرمایہ کاری کر رکھی ہوتی ہے ان کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ مختلف افواہیں جیسے کمپنی کو بہت نقصان ہونے والا ہے، حکومت تبدیل ہونے والی ہے، ملک میں کوئی دھماکہ ہو گیا تو شاید پالیسی تبدیل ہو جائے گی۔ اس قسم کی افواہیں پھیلا کر بروکرز اور سرمایہ دار سستے شیئرز خرید لیتے ہیں۔ اگلے روز جب خبر آتی ہے کہ وہ خبر جھوٹی تھی تو پھر وہ شیئرز واپس لینے کیلئے بھاگتے ہیں اور پتہ لگتا ہے کہ جنہوں نے وہ شیئرز خریدے تھے اب وہ انہیں مہنگے داموں بیچ رہے ہیں۔ اسے ڈے ٹریڈنگ (Day trading) کہا جاتا ہے۔ یہ اصل میں جواء ہے۔ یہ لوگ شیئرز کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کا اندازہ بالکل ایسے لگاتے ہیں جیسے گھوڑوں کی دوڑ پر شرطیں لگائی جاتی ہیں کہ کون سا گھوڑا دوڑ جیتے گا اور کونسا ہارے گا۔ پھر کوئی شرط جیتتا ہے اور کوئی ہارتا ہے لہذا اسٹاک مارکیٹ بھی ایسا ہی ایک جواء ہے۔

اسٹاک مارکیٹ میں لوگ دیوانوں کی طرح کاروبار میں کھوئے نظر آتے ہیں۔ سٹاک مارکیٹ کے حوالے سے (Bearish) یا (Bullish) جیسے الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے جن سے مراد تیزی یا مندی ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ آج دس ہزار کا نفسیاتی انڈیکس عبور کر لیا گیا ہے اور کبھی تیرہ ہزار روپے کا انڈیکس عبور ہو گیا ہے۔ یہ سارے کے سارے معیشت کے غلط اور جھوٹے اعداد و شمار ہوتے ہیں۔ سٹاک مارکیٹ میں تین قسم کے کھلاڑی ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو حصص کے حقیقی خریدار یعنی (Share Holders) ہوتے ہیں جو کمپنی سے شیئرز خریدتے ہیں اور سالانہ منافع حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے سٹاک بروکرز ہیں کہ جو کمیشن وصول کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے جتنی زیادہ خرید وفروخت ہوگی، ان کو اتنا زیادہ کمیشن ملے گا اور تیسرے وہ سٹے باز ہیں کہ جو افواہیں پھیلاتے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ حصص کی خرید

وفروخت سے منافع کما سکیں۔ مارکیٹ میں تیزی کے رجحان سے مراد شیئرز کی خرید وفروخت میں تیزی ہے یعنی بروکرز زیادہ کمار ہے ہیں اور مندی کے رجحان کا مطلب ہے کہ شیئرز کی خرید وفروخت نہیں ہورہی یا کم ہورہی ہے۔

34-1830ء میں جب نپولیونک جنگیں جاری تھیں، روتھس چائلڈز کو پہلے ہی خبر ہوگئی تھی کہ نپولین کے مقابلے میں ڈیوک آف ولنگٹن Duke of Willington کو فتح ہوئی ہے اور برطانیہ جیت چکا ہے۔ روتھس چائلڈ نے لندن کی سٹاک ایکسچینج میں حصص بیچنا شروع کردیئے۔ جن کے پاس برطانوی حصص تھے وہ گھبرا گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ بادشاہ کو شکست ہوگئی ہے۔ لہذا تمام لوگوں نے برطانوی حکومت کے حصص منڈی میں فروخت کردیئے اور دوسری طرف روتھس چائلڈز وہ شیئرز خرید رہا تھا کیونکہ اسے سستے حصص مل رہے تھے۔ بعد میں جب یہ خبر پہنچی کہ نپولین ہار گیا ہے اور بادشاہ جیت چکا ہے تو ایک ہی دن میں روتھس چائلڈز نے لاکھوں پاؤنڈز منافع کمایا۔ یہ باتیں ہمارے لیے اس لیے بھی اہم ہیں کہ کراچی سٹاک مارکیٹ میں بھی بڑے بڑے مگرمچھ روزانہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں آئے روز سٹاک مارکیٹ کو اٹھایا جاتا ہے پھر کریش کیا جاتا ہے۔ جس سے چھوٹا سرمایہ دار ہی نقصان اٹھاتا ہے۔ وہ چھوٹا جواری ہوتا ہے، چھوٹا ڈے ٹریڈر ہوتا ہے جو سو یا پانچ سو حصص کے لیے روزانہ افواہیں پھیلا کر جواء کھیلنے کی کوشش کررہا ہوتا ہے کہ شاید شیئرز کی خرید وفروخت سے اسے کچھ حاصل ہو۔ جبکہ بڑے بڑے سرمایہ دار لاکھوں شیئرز کا کاروبار کرتے ہیں۔ کبھی مارکیٹ کو اٹھاتے اور کبھی گراتے ہیں۔ یہ کاروبار حرام ہے۔ منڈی میں تیزی اور مندی کا رجحان ظاہر کرنا فریب اور جھوٹ ہے۔ مستحکم اور غیر مستحکم معیشتوں میں کبھی تو افواہ پھیلا کر مارکیٹ کو گرایا جاتا ہے اور کبھی تیزی ظاہر کرکے لوگوں کو راغب کیا جاتا ہے۔ 1999ء میں امریکہ میں بھی ایسا ہو چکا ہے۔

سٹاک مارکیٹ میں (Hostile take over) جیسا مکروہ کام بھی کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی کے گھر میں گھس کر گھر کے مالک کو یہ کہا جائے کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ کیونکہ اب یہ گھر ہمارا ہوگیا ہے۔ عام اصطلاح میں اسے ہم ''قبضہ گروپ'' کہتے ہیں۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک کمپنی کے مالک نے 45 فیصد شیئرز اپنے پاس رکھے ہیں اور باقی مارکیٹ میں بیچنے کی غرض سے لے آیا

ہے۔اس مالک کے مخالفین مارکیٹ میں ڈیلرز اور بروکرز کے ساتھ ملکر پچپن فیصد حصص خرید لیتے ہیں اور جب انکے پاس بڑی تعداد میں حصص آجاتے ہیں۔تو وہ کمپنی پر قبضہ کر لیتے ہیں۔جبکہ مالک کو پتہ تک نہیں ہوتا۔یعنی راتوں رات ایک دوسری پارٹی مالک بن جاتی ہے اور اصل مالک کو بے دخل کر دیا جاتا ہے۔یہ شرعی طور پر حرام اور معاشرتی طور پر ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔یہ بینکاری نظام ہی کی مانند ہے کہ جس کی بنیاد رباء پر ہے۔سٹاک مارکیٹ کا پورا نظام بھی اسی بینکاری نظام کی ایک توسیع ہے۔لہذا جو لوگ سٹاک مارکیٹ میں سرمایہ کاری کرنا چاہتے ہیں وہ مارکیٹ کی بجائے حصص میں سرمایہ کاری کریں۔

یہاں ہم سویز کینال کی مثال دینا چاہیں گے۔80-1870ء کے درمیانی عرصہ میں فرانسیسی، مصر کے حاکم کے پاس پہنچے، جو خلافت عثمانیہ کا ایک گورنر تھا۔فرانس نے بادشاہ سے کہا کہ ہم آپ کو سوئز کینال بنا کر دیتے ہیں۔اس وقت سوئز کینال اس لیے بھی اہم تھی کیونکہ بحیرہ روم سے لیکر بحر ہند تک بحر احمر کے ذریعے ایک نہر بنی تھی۔اس سے پہلے کی نوآبادیاتی سلطنت افریقہ سے گھوم کر انڈیا اور پھر چین کی طرف جاتی تھی لہذا ان کے بیچ ایک نہر چاہیے تھی۔چنانچہ فرانسیسی حکومت نے مصر کے بادشاہ کو پیشکش کی کہ اگر آپ ہمارے پارٹنر بن جائیں تو پچاس فیصد سرمایہ کاری ہم کرتے ہیں اور پچاس فیصد سرمایہ آپ لگائیں اور منافع ہم ملکر کھائیں گے۔مصر کے بادشاہ کے پاس پیسے تو تھے نہیں چنانچہ فرانسیسیوں نے قرض فراہم کرنے کی یقین دہانی بھی کروادی۔چنانچہ مصر کے بادشاہ نے قرض لے کر حصص خریدے جس کے بعد یہ نہر بن گئی۔یہ دنیا کی سب سے بڑی تجارتی شاہراہ شمار ہونے لگی یعنی یورپ اور برطانیہ بلکہ پوری دنیا کی تجارت اسی راستے سے ہونے لگی۔جس سے مصر اور فرانس کو

کافی آمدنی ہونے لگی مگر چونکہ مصر کے بادشاہ نے بھاری سود پر قرض لے رکھا تھا لہذا اس قرض کی ادائیگی اس کے لیے مشکل تھی۔اس وقت تک مصر کی دولت لوٹی جا چکی تھی۔اب مصر کے بادشاہ کے پاس کوئی اور

راستہ نہ تھا لہذا برطانوی حکومت نے اسے مشورہ دیا کہ آپ اپنے حصص مارکیٹ میں مختلف کمپنیوں کو فروخت کر دیجیے۔ تاکہ آپکو آپ کا حصہ مل جائے اور قرض کی ادائیگی بھی ہو جائے۔ جونہی مصر کے بادشاہ نے حصص مارکیٹ میں لائے تو چپکے سے حکومتِ برطانیہ نے وہ حصص خرید لیے۔ اس طرح نہر سوئز برطانیہ اور فرانس کی ملکیت بن گئی۔ پھر سو سال تک یعنی 1983 تک مصر کا نہر سوئز پر کوئی حق نہیں تھا جبکہ پوری دنیا کی تجارت اسی نہر کے ذریعے ہو رہی تھی اور دوسری طرف مصری لوگ بھوکے مر رہے تھے۔ 1953ء میں جمال عبدالناصر نے نہر سوئز کو قومی تحویل میں لے لیا جسے روسیوں کی مدد بھی حاصل تھی۔ جواباً فرانس اور برطانیہ نے مصر پر حملہ کر دیا اور انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ پھر معاملہ عدالت میں چلا گیا جس نے مصر کے حق میں فیصلہ دیا۔ یعنی مصر کی سو سالہ آمدن فرانس اور برطانیہ نے ہضم کر لی۔

موجودہ حالات میں ہر شے کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ سونے، تیل اور خوراک کی تجارت بڑے بڑے یہودی سرمایہ دار کنٹرول کرتے ہیں۔ ان کے جو جی میں آتا ہے یہ وہی کرتے ہیں یعنی کبھی قیمتیں بڑھا دیتے ہیں اور کبھی کم کر دیتے ہیں۔ تجارت اگر آزاد ہو تو مارکیٹ کا سارا فساد ختم ہو سکتا ہے لیکن سٹاک مارکیٹ بھی کفر کا ہی ایک نظام ہے۔ یہاں جو بھی کام ہو رہا ہے وہ حرام ہے۔ جب ایک اسلامی معاشی نظام آئے گا تو اس میں سٹاک مارکیٹ کا نظریہ نہیں ہوگا۔ لوگ حصص ضرور خریدیں کیونکہ سالانہ منافع ٹھیک ہے لیکن سٹاک مارکیٹ میں کمپنیاں اپنے اکاؤنٹ خود کھولیں اور لوگوں کے پاس جو حصص ہوں ان کا وجود بھی ہو۔ کرنسی کی طرح آجکل حصص کو بھی ڈیجیٹل کر دیا گیا ہے۔ لہذا کمپیوٹر پر خرید و فروخت ہو رہی ہوتی ہے جو کہ سراسر دھوکا ہے۔ اگر حقیقی حصص کا تبادلہ ہو تو اس میں دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ کمپنیوں کو چاہیے کہ اپنے کاؤنٹرز کھولیں تاکہ جس کسی نے اپنے حصص فروخت کرنے ہیں وہ کمپنی کو ہی بیچیں اور جس نے خریدنے ہیں وہ کمپنیوں ہی سے خریدے۔ کسی کمپنی کا دوسری کمپنی سے واسطہ نہ ہو اور بروکر کا کوئی کردار نہ ہو بلکہ ایک صاف ستھرا نظام ہو۔ جو شخص حصص کی خرید و فروخت کر رہا ہوتا ہے اسکی خواہش ہوتی ہے کہ افواہیں پھیلائے اور زیادہ سے زیادہ کمائے۔ جو جتنا بڑا کھلاڑی ہوگا اسکی افواہ پھیلانے کی طاقت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ یہی سب کچھ کراچی اسٹاک ایکسچینج بلکہ دنیا کی کئی سٹاک مارکیٹوں میں ہو رہا ہے۔ یہ سلسلہ دو تین سال سے جاری ہے لیکن اگر حکومت سختی کرے تو سارا معاشی نظام ٹھیک ہو سکتا ہے۔

نجی بینکاری کی بجائے قومی بینکاری ہونی چاہیے تاکہ قومی بینک بیت المال میں تبدیل ہو جائیں۔اسی طریقے سے ملک میں جو کمپنیاں کام کر رہی ہیں ان کو پابند بنایا جاسکتا ہے۔ہم مغرب کی اتنی تقلید کرتے ہیں کہ اگر وہ سانپ کے بل میں گھستے ہیں تو ہم بھی ان کے پیچھے گھس جاتے ہیں۔اس غلامانہ ذہنیت کو توڑنا ضروری ہے۔کیونکہ ان کے اس نظام کی بنیاد جوئے اور سود پر ہے جبکہ ہمارا معاشی نظام جوئے اور سود پر نہیں ہے۔حصص حلال طریقے سے بھی خریدے اور بیچے جاسکتے ہیں۔جس میں ڈے ٹریڈنگ کی ضرورت نہیں ہے۔آج جو لوگ تجارت کرنا چاہتے ہیں وہ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ کیا وہ شیئرز کی خرید و فروخت پر کمیشن لے رہے ہیں؟ کیا وہ ڈے ٹریڈنگ کر کے سٹہ بازی کر رہے ہیں یا پھر وہ خالص منافع حاصل کر رہے ہیں؟

سب سے پہلے آپ اپنی زکوٰۃ نکالنا شروع کریں۔ہم نے یہ بات کی تھی کہ زکوٰۃ سونے اور چاندی میں نکالنا چاہیے۔مثلاً اگر کسی کی زکوٰۃ دس ہزار بنتی ہے تو وہ کسی بھی صراف کے پاس جا کر دس ہزار کا سونا خرید لے۔اگر چھوٹی اینٹ نہیں ملتی تو سونے کا ایک کنگن ہی خرید لیں۔جسے صراف کی زبان میں بنوائی کہتے ہیں اور اس پر خرچ بھی کم آتا ہے۔ وہ آپ یتیم اور بیواؤں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔قرآن میں یہودیوں کے حوالے سے ایک مثال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے کی قربانی کا کہا تو یہودی سوال و جواب میں پڑ گئے کہ گائے کس طرح کی ہونی چاہیے، کتنی موٹی، کتنی بڑی اور اسکی عمر کیا ہو وغیرہ وغیرہ۔یوں انہوں نے اپنی جان عذاب میں ڈال دی۔اگر وہ بغیر سوال و جواب کیے گائے ذبح کر دیتے تو زندگی بڑی آسان ہو جاتی۔ہم معاشرے کی ذہنیت تبدیل کر رہے ہیں تاکہ زکوٰۃ کاغذی کرنسی کی بجائے حقیقی دولت میں نکالی جائے۔اگر آپ کسی شخص کو زکوٰۃ دے رہے ہیں تو پہلے اس کی ضرورت پوچھیں اور پھر اس کی ضرورت پوری کر دیں۔

جو تصورات ہم نے دیئے ہیں حکومت ان کو لاگو کرنے پر دھیان دے تو معاشرے میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔جتنی بھی فلاحی تنظیمیں بنتی ہیں وہ رات ورات نہیں بنتیں۔حضورؐ کو دین کی دعوت مکمل کرنے میں تئیس برس لگے۔لہذا ہمیں بھی زیادہ جلد بازی نہیں کرنی چاہیے لیکن معاشرے کو ایک پختہ ارادے کے ساتھ لے کر چلنا ہے۔ہم نے اس صیہونی معاشی نظام کا مقابلہ کرنا ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہمارے پاس

کوئی اور راستہ نہیں۔ہم نے اپنے آپ کو، اس معاشرے اور اپنے ملک کو بھی بچانا ہے جسکے لیے ہمیں اس پیغام کو عام کرنا ہے۔ابھی تک پاکستان کے سولہ کروڑ عوام تک یہ بات نہیں پہنچی لیکن جن لوگوں تک پہنچ چکی ہے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس پیغام کو مختلف کالجوں، یونیورسٹیوں اور پوری مسلم دنیا میں پہنچائیں اور اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔یہ نہ سوچیں کہ دوسرا کیا کر رہا ہے بلکہ اپنی ذمہ داری کو خود سمجھیں۔یہ پوری مسلمان امت پر فرض ہے۔اسکا اجر آپکو اللہ تعالیٰ دے گا۔

اس کام کو منظّم طریقے سے کرنے کیلئے تنظیمیں بنانے کی ضرورت ہے۔ہر اچھا کام کرنے والے کا ساتھ دیجیئے۔زکوٰۃ ٹھوس کرنسی میں ادا کیجیئے۔ہر محلے، مارکیٹ، فیکٹری، مسجد اور ہر گاؤں میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کا انتظام ہونا چاہیے۔مایوس نہ ہوں۔شروع میں لوگ آپ کو مایوس کرنے کی کوشش کریں گے اور ساتھ بھی نہیں دیں گے لیکن آپ کو سب سے پہلے معاشرے کے کمزور ترین طبقے کو کھانا کھلانا ہے۔رمضان میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر روزہ نہیں رکھ سکتے۔تو مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ہمارے دین کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے اس کو اپنی استطاعت کے مطابق مساکین میں تقسیم کریں۔

اس کے بعد اپنے آپ کو صیہونی معاشی نظام سے بچایئے۔جس حد تک ممکن ہو اپنی بچت کو ٹھوس رقم میں محفوظ کیجیے۔کاغذی کرنسی بینک میں رکھنے اور سود لینے کی بجائے اگر آپ اسے سونے میں تبدیل کر دیں تو بہتر ہے۔بے شک آپ اسے بینک میں رکھیں یا زمین کھود کر اپنے صحن میں چھپا لیں لیکن اپنے آپ کو صیہونی معاشی نظام سے بچائیں۔مسلمانوں کو اپنی دولت بینکوں میں رکھ کر سود لینے کی بجائے کسی کمپنی کے شیئرز خرید لینے چاہئیں لیکن ڈے ٹریڈنگ نہیں کرنی چاہیے۔سالانہ منافع سے بھی اچھی آمدنی ہوسکتی ہے۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سونے میں سرمایہ کاری کریں اور ضرورت پڑنے پر اس سونے کو استعمال کریں۔تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی دوست کے ساتھ شراکت کر کے نفع و نقصان کی تجارت میں شامل ہو جائیں کیونکہ تجارت بہترین پیشہ ہے۔یا پھر زمین یا دکان وغیرہ لے کر کرائے پر دے دیجیئے۔ایسے بہت سے طریقے موجود ہیں جنکے ذریعے انسان اپنے آپ کو فریب، سٹے بازی، بینکاری، سود اور رباء کے نظام سے بچا کر رزقِ حلال کما سکتا ہے۔قرآن میں ایک آیت میں بشارت دی گئی ہے کہ

ترجمہ: ’’جو اللہ سے تقویٰ اختیار کر لیتا ہے، اللہ اس کیلئے راستے نکالنا شروع کرتا ہے اور اس کو ایسی

ایسی جگہوں سے رزق دینا شروع کرتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا‘‘۔

اس لیے اللہ پر بھروسہ رکھیئے۔ اس راستے میں مشکلات و تکالیف تو ہوں گی لیکن ہمیں حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ پس مسکینوں اور بیواؤں کا خیال رکھیں اور اپنے ملک میں بیت المال قائم کریں۔ یہ سارے ایسے کام ہیں جو ہم خود بھی کر سکتے ہیں اور ان کیلئے آپ کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت سے ایسے کام بھی ہوتے ہیں جو حکومتِ وقت نے ہی کرنے ہوتے ہیں اور جب تک حکومت وقت ساتھ نہ دے تو اس وقت تک پورا معاشی نظام تبدیل نہیں کیا جا سکتا لیکن کم از کم مسلمانوں کی ایک بڑی کمیونٹی تو بن سکتی ہے جو اپنے آپ کو اس نظام سے الگ رکھے۔

جہاں تک سونے و چاندی کے سکوں کے استعمال کا تعلق ہے تو جب تک معاشرے میں ایک خاص سوچ یا ایک خاص مقام نہ آجائے کہ جب لوگ خود سونے اور چاندی کی کرنسی استعمال کریں۔ اس وقت تک اجتماعی طور پر اس کرنسی کو جاری کروانا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا پہلا قدم لوگوں میں یہ سوچ اجاگر کرنا ہے۔ پھر اس کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔ جب لاکھوں پاکستانی خود یہ چاہیں گے تو یقیناً تبدیلی آئیگی۔ جیسا کہ ملائیشیا میں ہو چکا ہے۔ ملائیشیاء میں ڈاکٹر مہاتیر محمد خود اس بات پر زور دے رہے تھے جسکی وجہ سے وہاں ایسی نجی کمپنیاں بن گئیں جو سونے چاندی کے سکے یا درہم اور دینار جاری کر رہی ہیں۔ اب چونکہ وہ تسلیم شدہ کمپنیاں ہیں، ان کی ایک اپنی فیلڈ اور گارنٹی ہے لہٰذا وہ سونے اور چاندی کے سکے جاری کر رہی ہے۔ لوگ وہ سکے لے کر زکوٰۃ دے رہے ہیں۔ لوگ آپس میں تجارت کیلئے بھی وہ سکے استعمال کر رہے ہیں۔ چونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ گارنٹی شدہ سکے ہیں۔ جب تک یہ سوچ پاکستان میں پروان نہیں چڑھتی۔ اس وقت تک ہم صیہونی معاشی نظام کی غلامی کرتے رہیں گے۔ پاکستان میں کوئی تو ایسی جیولرز ایسوسی ایشن، کوئی بڑا کاروباری، یا کوئی ایسی پرائیویٹ کمپنی قدم آگے بڑھائے جو سونے اور چاندی کے سکے جاری کرے اور اپنے سونے کے سکے اسی رقم میں واپس لینے کو تیار ہو۔ جب ملک میں اس قسم کا ایک مضبوط ادارہ بن جائے گا، تب لوگ بھی اطمینان کے ساتھ درہم و دینار میں تجارت شروع کر دیں گے۔ جب کچھ لوگ یا ایک گروپ یہ کام شروع کریگا تو شروع شروع میں اسے دقت ضرور ہوگی کہ اگر وہ کسی سنار سے سونے اور چاندی کے سکے بنوا بھی لیتے ہیں تو کوئی بھی دکان والا انہیں قبول نہیں کرے گا۔ لوگ شک میں پڑ جائیں گے کہ یہ سکے اصل بھی ہیں یا جعلی لہٰذا اس کیلئے ایک اتھارٹی کا ہونا ضروری ہے۔ چاہے پرائیویٹ کمپنی ہو یا پھر حکومت۔ جب تک حکومت یہ کام شروع

نہیں کرتی، کم از کم اس وقت تک آ گاہی تو پیدا کی جاسکتی ہے۔لوگوں کو آ گاہ کیا جا سکتا ہے تا کہ عوام مطالبہ کریں کہ وہ اپنی بچت کاغذی کرنسی کی بجائے سونے میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔اس وقت مارکیٹ میں سونے کی پانچ اور دس گرام کی اینٹیں نہیں مل رہی لیکن جب آ گاہی پیدا ہوگی اور انکی طلب بڑھے گی تو سنار وہ اینٹیں بھی رکھیں گے اور لوگوں کو آسانی سے ملنا شروع ہو جائیں گی۔لہذا پہلا قدم لوگوں میں آ گاہی پیدا کرنے کا ہے۔

مسلمانوں کے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے۔صیہونی یلغار پر یلغار کیے جا رہے ہیں۔مسلمانوں کو اپنی عزت و آبرو، دفاع، جغرافیہ اور اپنی معیشت کی حفاظت کیلئے جنگی بنیادوں پر تیار ہونا ہوگا۔لوگوں کو اس صیہونی معاشی نظام سے باہر نکالیے تا کہ اگر خدانخواستہ کبھی یہ لوگ سٹاک مارکیٹ کریش کریں یا کرنسی کی قدر میں کمی کرنے کی کوشش کریں تو ہمیں کم سے کم نقصان پہنچے۔اگر حکومت یہ بات کو سمجھ لے تو پھر پاکستان عالمی سطح پر پیدا ہونے والے منفی اثرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔چاہے وہ کھانے پینے کی اشیاء کی قلت ہو یا توانائی کا بحران یا پھر کرنسی کی قدر میں کمی کا مسئلہ، پاکستان اپنے آپ کو ایک منظّم حکمت عملی کے ذریعے ہی ان فسادات سے بچا سکتا ہے۔ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل ہے۔ ہمارے پاس وسائل موجود ہیں۔نوجوان، اور درد دل رکھنے والے لوگ موجود ہیں جو اپنے ملک اور دین کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں قیادت کا فقدان ہے لیکن اگر قیادت ساتھ نہ بھی دے تو یہ قوم اجتماعی طور پر متحد ہو سکتی ہے تا کہ اپنا دفاعی نظام مستحکم کر سکے۔

ہم پاکستان کیلئے دعائے خیر کرتے ہیں۔آپ اس پیغام کو آگے پھیلائیں۔انشاءاللہ ایک ایسا انقلاب ضرور آئیگا جو کہ بغیر کسی خون خرابے کے علماء اور دانشوروں کی سطح پر آئے گا اور واضح تبدیلی کا باعث بنے گا۔